دنیا و آخرت کی انمول دولت
تسکینِ قلب کیلئے ایک مفید کتاب

سکونِ قلب



از افادات
حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ
حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ
عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحی عارفی رحمہ اللہ



مکتبہ انعامیہ

سکونِ قلب

مصنّف

حکیم الامت مجدد الملّت
حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ انعامیہ
دکان نمبر 24، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی
021-32216814, 0345-2151205

نام کتاب : سکونِ قلب
مصنف : حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
باہتمام : انعام الٰہی
کمپوزنگ : حامد علی کھوکھر (0321-3135009)
ناشر : مکتبۂ انعامیہ
دکان نمبر 24، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی
021-32216814, 0345-2151205

ملنے کے پتے:.........

☆ مکتبۃ ندوۃ، اُردو بازار، کراچی۔
☆ مکتبۃ العلم، لانڈھی، کراچی۔
☆ مکتبۃ الشیخ، بہادرآباد، کراچی۔
☆ علمی کیسٹ گھر، نزد مدنی مسجد، کراچی۔
☆ مکتبۃ السعید، نزد مدنی مسجد، کرکراچی۔
☆ مکتبۃ یوسفیہ، میرپورخاص۔
☆ وحیدی کتب خانہ، پشاور۔
☆ العماد بک سیلو، اُردو بازار، کراچی۔

فہرست مضامین

دل کی راحت

"ذکر اللہ ہی ایسی چیز ہے جس میں چین اور اطمینان منحصر ہے اور اس کا طریقہ معین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور نعمتوں کا مراقبہ اور کسی صاحب تحقیق کو اپنا رہبر بنا لو اور اس کے سایہ میں رہ کر اپنی زندگی ختم کر دو اور اس کے سوا کہیں چین ہے نہ آرام۔"

(ارشاد حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ، از دوائے دل)

دل عرش الرحمٰن کب بنتا ہے؟

"انسان نہ اپنے مادے سے افضل بنتا ہے، نہ اپنی صورت سے اور نہ اپنے لباس سے افضل بنتا ہے۔ ہاں بنتا ہے تو اپنے دل سے افضل بنتا ہے، اور دل کب افضل بنتا ہے۔ جب دل عرش الرحمٰن بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی علمی تجلیات اس پر آنے لگے، اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے اندر اتر جائے۔ تب کہا جائے گا کہ اب انسان حقیقی معنی میں انسان بنا ہے۔"

(ارشاد حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ)

عافیت اور سکون کہاں؟

عافیت بہت بڑی چیز ہے۔ اس کے مقابلے میں ساری دولتیں ہیچ ہیں۔ عافیت دل و دماغ کے سکون کو کہتے ہیں اور یہ سکون اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت بلا کسی سبب اور استحقاق کے عطا فرماتے ہیں۔ عافیت کوئی نہیں خرید سکتا، نہ روپیہ خرید سکتا ہے، نہ سرمایہ، نہ منصب۔ عافیت کا خزانہ صرف خدا کے پاس ہے۔ خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

(ارشاد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ)

لطف زندگی

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل
عشق میں دھوکے پہ دھوکے روز کیوں کھاتا ہے دل
ان کی باتوں میں نہ جانے کیوں یہ آجاتا ہے دل
کٹ گئی اِک عمر اس ابہام اور تفہیم میں
دل کو سمجھاتا ہوں میں اور مجھ کو سمجھاتا ہے دل
فصل گل میں سب تو خنداں ہیں مگر گریاں ہوں میں
جب تڑپ اٹھتی ہے بجلی یاد آجاتا ہے دل
ایک وہ دن تھے محبت سے تھا لطف زندگی
اب تو نام عشق سے بھی سخت گھبراتا ہے دل
کچھ نہ ہم کو علم رستہ کا نہ منزل کی خبر
جا رہے ہیں بس جدھر ہم کو لئے جاتا ہے دل

(کلام مجذوب رحمہ اللہ)

ویرانے بھی دیکھے ہیں آبادی بھی دیکھی ہے
جو اُجڑے تو پھر نہ بسے وہ نرالی بستی ہے
دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا کھیل نہیں بھائی!
بستی بسنا کھیل نہیں یہ تو بستے بستے بستی ہے

باب اول

قرآن مجید اور دل

انبیاء علیہم السلام دل کو پاک کرنے کے لئے دنیا میں آتے رہے ہیں۔ انہوں نے سب سے زیادہ محنت قلوب کے تزکیہ پر کی، سب سے زیادہ زور دلوں کی تطہیر پر دیا۔ اس لئے کہ دل پاک ہوجائے تو انسان پاک ہوجاتا ہے...... دل بدل جائے تو انسان بدل جاتا ہے...... اس کی زندگی بدل جاتی ہے...... مقصد حیات بدل جاتا ہے...... دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے...... محبت و عداوت کے پیمانے بدل جاتے ہیں...... محنت اور تجارت کے ہدف بدل جاتے ہیں...... گھر بدل جاتے ہیں...... معاشرہ بدل جاتا ہے...... زمانہ بدل جاتا ہے...... تاریخ بدل جاتی ہے...... اخلاق بدل جاتے ہیں...... راتیں بدل جاتی ہیں...... ساقی بدل جاتے ہیں...... پیمانے بدل جاتے ہیں...... مے خوار بدل جاتے ہیں...... میخانے بدل جاتے ہیں...... ارے اور تو اور پیر مغاں بدل جاتے ہیں۔

دل کی اہمیت کے پیش نظر خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں اس کا بارہا تذکرہ فرما کر اس کی اہمیت، اس کی حفاظت عن الوساوس اور اصلاح کی طرف ہمیں متوجہ فرمایا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کیفیت و حالت کے اعتبار سے ۱۵ دلوں کا تذکرہ فرمایا۔ ان انواع قلوب کو مع ضروری تفسیر کے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)...... سخت دل:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

"مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے۔ پتھروں کی طرح سخت، بلکہ سختی میں کچھ ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ پتھروں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں، کوئی پھٹتا ہے اور

اس میں پانی نکل آتا ہے اور کوئی خدا کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔ (البقرہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں اس طرح ہیں جیسے ایک قلب، وہ اس کو جس طرح چاہتا ہے، پھیرتا ہے۔''

پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ

''اے خدا! دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ (مسلم)

دل سخت کیسے ہوتا ہے؟

انسان کا دل زمین کی مانند ہے۔ انسان اگر زمین پر بہت عرصہ کاشت نہ کرے، محنت نہ کرے تو وہ بنجر ہو جاتی ہے اور وہ زمین پیداوار چھوڑ دیتی ہے۔ اس لئے کہ اس پر محنت نہیں ہوئی، وہ زمین سخت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فرمایا:

''انسان جب اس دل پر محنت کرنا چھوڑ دیتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ دل سخت ہو جاتا ہے اور جب دل سخت ہوتا ہے تو ایسا کہ یہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔''

فرمایا:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔''

فَھِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً

''پھر یہ پتھروں کی مانند ہو گئے بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔''

بے شک پتھروں سے نہریں جاری ہو جایا کرتی ہیں اور جب پتھر پھٹتا ہے تو بسا اوقات اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور بعض پتھر تو ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے خوف سے کانپ اٹھتے ہیں۔

لیکن اے انسان! جب تیرا دل سخت ہوتا ہے تو اللہ کے خوف سے کانپتا نہیں ہے۔ پتھر بھی دل کی اس سختی پر شرماتے ہیں۔ انسان کے پاس یہی سرمایہ ہے، اسے بنالے تو اللہ کے ہاں ہو گیا اور اسے بگاڑ لے تو پھر یہ انسان بالکل ناکام ہو گیا۔

(۲)...... زنگ آلود دل:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (المطففین، ۱۴)

''ایمان بد کی وجہ سے دلوں پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے انسانوں کو حق بات بھی افسانہ ہی نظر آتی ہے...... بلکہ دراصل ان لوگوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد فرمایا:

''مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے...... ڈر جاتا ہے...... استغفار کر لیتا ہے تو دل سے گناہ کا نکتہ دور ہو جاتا ہے...... لیکن اگر گناہ میں زیادتی کرتا ہے تو نکتہ بھی بڑھتا جاتا ہے...... یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔''

یہی ہے وہ ران جس کا ذکر اللہ نے اس آیت میں کیا:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (المطففین، ۱۴)

(۲)...... گناہ آلود دل:

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (البقرہ ۲۸۳)

''جو شہادت کو چھپاتا ہے...... اس کا دل گناہ آلود ہے...... اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔''

جسم میں دل کی حیثیت:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''بنی آدم کے بدن میں ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے...... سن لو وہ بوٹی ''دل'' ہے۔'' (بخاری و مسلم)

بعض علماء نے کہا کہ دل کے گناہگار ہونے سے مراد دل کا مسخ ہو جانا ہے۔

(۴)......ٹیڑھے دل:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاوِیْلِهٖ (آل عمران،۷)

’’جن لوگوں کے دل میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے رہتے ہیں......اوران کومعنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں......حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔‘‘

(۵)......دانشمند دل:

رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ (آل عمران،۸)

’’پروردگار!...... جبکہ تو ہمیں سیدھے راستے پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو......ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت عطا کر......کہ تو ہی فیاض حقیقی ہے۔‘‘

(۶)......نہ سوچنے والے دل:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّایَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّایُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّایَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ (الاعراف،۱۷۹)

’’اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ان کے پاس دل ہے......مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں......مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ان کے پاس کان ہیں......مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔وہ جانوروں کی طرح ہیں...... بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں۔‘‘

یعنی دل، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہیں لیکن نہ دل سے آیات اللہ پر غور کرتے ہیں......نہ قدرت کے نشانات بنظر تعمق واعتبار غور وعبرت کے نگاہ سے مطالعہ کرتے ہیں......اور نہ خدائی

باتوں کو بسمع قبول سنتے ہیں......جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے، پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں۔یہی ان کا حال ہے کہ دل ودماغ، ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ......غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل وتکمیل کے لئے وقف ہیں۔انسانی کمالات اور ملکوتی خصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں...... بلکہ غور کیا جائے تو ان کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سی بھی بدتر ہے۔جانور مالک کے بلانے پر چلا آتا ہے......اس کے ڈانٹنے سے رک جاتا ہے......یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے۔پھر جانور اپنی فطری قویٰ سے وہ ہی کام لیتے ہیں جو قدرت نے ان کے لئے مقرر کیا ہے۔زیادہ کی ان میں استعداد ہی نہیں......لیکن ان لوگوں میں روحانی وعرفانی ترقیات کی جو فطری قوت واستعداد ودیعت کی گئی تھی......اسے مہلک غفلت اور بے راہ روی سے خود اپنے ہاتھوں ضائع ومعطل کر دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

(۷)......لرز اٹھتے ہیں دل:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا (الانفال،۲)

’’سچے اہل ایمان وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔‘‘

(۸)......مہر لگے ہوئے دل:

کَذٰلِکَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ (یونس،۷۴)

دل پر مہر کیسے لگتی ہے؟

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک داغ لگا دیا جاتا ہے......پھر گناہ کرتا ہے تو پھر ایک داغ لگا دیا جاتا ہے......پھر گناہ کرتا ہے، پھر داغ لگا دیا جاتا ہے......اسی طرح داغ لگتے رہتے ہیں تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے......حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہر جباریت لگا دیتے ہیں۔‘‘

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرہ،۷)

''اللہ نے مہر لگادی ان کے دلوں پر''

اس کو کہتے ہیں کہ دل پر مہر جباریت لگ گئی...... دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہ انسان نیکی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

انکار کی نحوست:

جو لوگ تکذیب و عداوت حق میں سے حد سے نکل جاتے ہیں...... ان کے دلوں پر مہر لگنے کی یہ ہی صورت ہوتی ہے کہ اول تکذیب کرتے ہیں...... پھر اس پر ضد اور اصرار کرتے کرتے محض دشمنی اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں...... یہاں تک کہ دل کی کلیں بگڑ جاتی ہیں اور قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

(۹)...... مطمئن دل:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد،۲۸)

''خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔''

یعنی دولت، حکومت، جاگیر یا فرمائشی نشانات کا دیکھ لینا، کوئی چیز انسان کو حقیقی سکون و اطمینان سے ہم آغوش نہیں کر سکتی...... صرف یاد الٰہی سے جو تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے وہ ہی ہے جو دلوں کے اضطراب و وحشت کو دور کر سکتا ہے۔

(۱۰)...... کانپ اٹھنے والے دل:

اللہ کا ذکر سن کر جس کا دل کانپ اٹھے وہ مومن ہے...... ''اور اے نبی! بشارت دے دے، عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو...... جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں...... جو مصیبت ان پر آتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں...... نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

(۱۱)...... اندھے دل:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ

یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ (الحج،۴۶)

''کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں...... بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

دل کا اندھا پن:

یعنی آنکھوں سے دیکھا اگر دل سے غور نہ کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے...... گو اس کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں...... پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں...... اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

دل اندھا کیسے ہوتا ہے؟

غفلت بھری زندگی گزارنے سے انسان کا دل اندھا ہو جاتا ہے...... بالکل اندھا۔ ایسا اندھا کہ یہ نیکی اور بدی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جیسے ایک آدمی کی بینائی نہ ہو...... وہ آدمی دوست اور دشمن میں کوئی فرق نہیں کر سکتا۔ اندھیرے اور اجالے میں تمیز نہیں کر سکتا۔ پہچان نہیں کر سکتا کہ کون سی چیز نفع دینے والی ہے اور کون سی چیز نقصان دینے والی ہے۔ اسی طرح جب دل اندھا ہوتا ہے تو وہ انسان بڑے سے بڑا گناہ کر لیتا ہے...... مگر اس کے سر پر جوں بھی نہیں رینگتی کہ میں نے کوئی اللہ کی نافرمانی کی بھی ہے یا نہیں۔ اس کو نیک آدمی کی صحبت اچھی نہیں لگتی...... برے آدمیوں کی صحبت اسے اچھی لگتی ہے...... اب اسے دوست اور دشمن کی تمیز نہیں رہی...... اب اسے نیکی اور بدی میں تمیز نہیں رہی...... اب اسے اندھیرے اور اجالے کا فرق معلوم نہ ہوا، کیونکہ دل اندھا ہو چکا ہے...... ایک قوم ایسی گزری ہے کہ اس پوری قوم کو اللہ تعالیٰ نے کہا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ

''وہ اندھی قوم تھی۔''

اس کا کیا مطلب ہے؟...... کیا ظاہر سے نابینا تھے؟...... جی نہیں!...... روایت میں کسی قوم کے بارے میں ایسا نہیں آتا کہ وہ سارے کے سارے اندھے تھے۔ ہاں ایک قوم ایسی گزری ہے جس نے اپنے نبی کے فرمان کو نہ مانا...... نہ اس پر ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ

"وہ اندھی قوم تھی۔"

اس نے اپنے نبی کو نہ پہچانا...... اپنے خالق و مالک کو نہ پہچانا...... اور ایمان کو نہ اپنایا...... انہیں اندھی قوم کہا گیا...... قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن کان فی هذه اعمی فهو فی الاخرة اعمی و اضل سبیلا

(اسراء، ۷۲)

"اور جو اس دنیا میں اندھا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔"

کیا مطلب اس کا؟...... جو دنیا میں نابینا ہے اس کو آخرت میں بھی بینائی نہیں ملے گی؟......

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چشم پوشی کرتا ہے...... اللہ کے حکموں کو نظر انداز کرتا رہتا ہے...... اس کے حکموں سے اندھا بنا رہا...... اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی بینائی کو سلب فرمائیں گے۔

(۱۲)...... سلامتی والے دل:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ O اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ O

(الشعراء، ۸۸۔۸۹)

"(اس دن) جب کہ کوئی مال فائدہ دے گا نہ اولاد...... بجز اس کے کوئی شخص قلب سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔"

پاک دل:

یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر و نفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہوگا...... وہی وہاں کام دے گا...... برے مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ اگر کافر چاہے کہ قیامت میں مال و اولاد فدیہ میں دے کر جان چھڑا لے تو ممکن نہیں...... یہاں کے صدقات و خیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اسی وقت ہے...... جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو۔ (تفسیر عثمانی)

سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے...... گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں۔ کیونکہ کوئی شخص بھی (لغزش یا چھوٹے بڑے ہر قسم) کے گناہ سے پاک نہیں ہے...... بقول بغوی اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔ (گلدستہ تفاسیر)

بدعت سے پاک دل:

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"سلیم (تندرست صحت مند) دل مومن کا ہے اور بیمار دل کافر اور منافق کا"۔

ابوعثمان نیشاپوری نے کہا:

"سلیم (سالم، خالی) دل اس کا ہے جو ہر بدعت سے خالی ہو اور سنت پر قائم ہو...... (یعنی آیت میں) اہل سنت والجماعت (مراد ہیں)۔" (گلدستہ تفاسیر)

(۱۳)...... ایمان سے محروم دل:

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ O (الزمر، ۴۵)

"جب اکیلے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں...... اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔"

(۱۴)...... متکبر دل:

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (المومن، ۳۵)

"اللہ ہر متکبر اور جبار (سرکش) کے دل پر ٹھپہ لگا دیتا ہے۔"

غرور کی سزا:

جو لوگ حق کے سامنے غرور سے گردن نہ جھکائیں اور پیغمبروں کے ارشادات سن کر سر نیچا نہ کریں...... آخر کار ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے کہ پھر قبول حق اور نفوذ خیر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

(۱۴)...... ایمان والے دل:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ

الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ O (الحدید،۱۶)

"کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے سامنے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تھی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔"

دل صاف کیسے ہوتا ہے؟

انسان جب توبہ تائب ہوتا ہے تو دل کی سیاہی دور ہو جاتی ہے۔ دل کی ظلمت دور ہو جاتی ہے۔ دل کی سختی دور ہو جاتی ہے۔ اور جب انسان اللہ پاک کے سامنے سربجو دھو کر اپنے گناہوں سے سچی پکی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دل کو دھو دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ اپنے دل کو دھو لیا کرو۔

آپ کہنے لگے۔ "اے اللہ! پانی تو وہاں پہنچتا نہیں...... میں اس کو کیسے دھوؤں؟"

تو فرمایا:

"یہ دل پانی سے نہیں، میرے سامنے رونے سے دھلا کرتا ہے۔"

یعنی اگر تو میرے حضور عاجزی اور زاری کرے گا تو ان آنسوؤں کے گرنے سے تیرے دل کو صاف کر دیا جائے گا۔ دل اس سے دھلتا ہے۔

کسی شاعر نے دل کی صفائی کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

دل را اگر تو صاف کنی ہمچو آئینہ
درروے جمال دوست بہ بینی چو آئینہ
در دل من است و من اندر کیف ویم
چوں آئینہ بدست من و من در آئینہ

"اگر تو دل کو آئینہ کی طرح صاف کرلے...... یعنی شبہات و شہوات سے پاک کرلے تو اسی دل میں دوست کا جمال آئینہ کی طرح دیکھ لے گا کہ ایسی مثال ہو جائے گی کہ محبوب باجمال تو میرے دل میں ہوتا اور تو اس محبوب کی انگلی کی

گرفت میں ہوگا...... جیسے آئینہ تو تیرے ہاتھ میں ہو اور تو آئینہ کے اندر ہو۔"

(مقامات مقدسہ)

دل کیا ہے؟

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری کے قلم سے۔

یوں تو یہ گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ لیکن یہ ایک عجوبہ ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ سادہ بھی ہے عیار بھی، مغرور بھی، خاکسار بھی، بے خبر بھی ہے محرم اسرار بھی ہے بت کا بندہ بھی ہے، خالق کا پرستار بھی ہے، مجلس عشق میں دیکھئے تو مدہوش ہوتا ہے عقل کی محفل میں دیکھیں تو ہوشیار بھی ہے۔ مسیحا بھی ہے، بیمار بھی ہے، فرمانبردار بھی ہے، گنہگار بھی ہے، بے خبر بھی ہے خبردار بھی ہے۔ یہ بکتا بھی ہے، خریدار بھی ہے، گل بھی ہے، خار بھی ہے۔ امن کا مرکز بھی ہے، برسرپیکار بھی ہے۔ یہ سردار بھی ہے، سرِدار بھی ہے، طاقتور بھی ہے، لاچار بھی ہے۔ قتیل بھی ہے، تلوار بھی ہے، مجبور بھی ہے، مختار بھی ہے، مستحق خلد بھی ہے، دوزخ کا سزاوار بھی ہے۔

ایک حکیم نے اسی دل کے بارے میں کہا کہ ہے کہ نادان لوگ دولت کے لئے دل کا چین لٹا دیتے ہیں اور دانشمند دل کے چین کی خاطر دولت لٹا دیتے ہیں۔

دوسرے حکیم کا کہنا ہے کہ دوسرے کا دل جیتنے کے لئے اپنا دل جیتنا ضروری ہے، اگر تم نے اپنے دل پر قابو پالیا تو دنیا تمہارے قبضے میں ہے۔

تیسرے حکیم کا خیال ہے کہ دل کالا ہو تو گورے منہ پر اترانا بے وقوفی ہے۔

چوتھے حکیم کی رائے یہ ہے کہ بیوقوف کا دل اس کی زبان میں ہوتا ہے اور عقل مند کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسی دل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں دل کے بگڑنے کی نشانی ہیں۔

(۱)...... توبہ کی امید پر گناہ کرنا۔

(۲)...... علم سیکھنا اور عمل نہ کرنا۔

(۳)...... اخلاص نہ ہونا۔

(۴)...... رزق کھانا اور شکر نہ کرنا۔

(۵)......مردوں کو دفن کرنا اور عبرت نہ پکڑنا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دل کو روشن کرنا ہو تو غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرو۔
امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے اگر تم اس کو کھلے ہوئے طباق میں رکھ دو اور اس کو لے کر بازار کا گشت کرو تو اس میں ایک چیز بھی ایسی نہ ہو جس کو اس طرح ظاہر کرنے میں تمہیں شرم آئے یا کوئی حرف گیری کر سکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''غم دنیا دل کو تاریک اور غم عقبیٰ دل کو روشن کرتا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے:

''دنیا میں دو چیزیں پسندیدہ ہیں ایک سخن دل پذیر اور دوم دل سخن پذیر۔''

حضور اکرم ﷺ کا قول اقدس ہے:

''تمہارے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے۔جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔معلوم رہے کہ وہ دل ہے۔''

مسند احمد کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ دل چار قسم کے ہوتے ہیں۔
پہلا ''قلب اجرد'' یعنی ایسا دل جو صاف و شفاف ہو۔فرمایا اس کی مثال روشن چراغ جیسی ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہ ہو۔دوسرا ''قلب اغلف'' ہے جو غلاف میں بند کر دیا گیا ہو اور پھر اوپر سے دھاگے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔تیسرا ''قلب منکوس'' یعنی اوندھا ہے اس کا سر نیچے اور پیندا اوپر ہے۔چوتھا ''قلب مصفح'' ہے۔یعنی دو پہلو والا دل۔

پہلی قسم کا دل مومن کا جس میں نور ایمان بالکل صاف اور واضح ہے اور اس میں کوئی خرابی یا کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔غلاف میں بند دل کافر کا ہے۔اوندھا دل منافق کا ہے، جس نے ایمان کو پہچان تو لیا ہے مگر قبول نہیں کیا۔وہ شخص اپنے بچاؤ کی خاطر فریب کاری کرتا ہے۔رہا پہلو دار دل تو وہ ایسا ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی۔یہ عملی منافق ہے۔جسے کسی حد تک یقین بھی ہوتا اور کبھی وہ متردد بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بڑے پائے کے بزرگ ہوئے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ قلب پر چھ قسم کی حالتیں وارد ہوتی ہیں۔یعنی حیات اور موت صحت اور بیماری، بیداری اور نیند۔ فرماتے ہیں قلب کی حیات ہدایت کی مرہون منت ہے۔اگر ہدایت نصیب ہو گئی تو سمجھ لیں کہ

دل زندہ ہے اور قلب کی حیات ہدایت کی مرہون منت ہے۔کسی قسم کی گمراہی دل میں پیدا ہو جائے تو سمجھ لیں کہ دل مردہ ہو گیا ہے۔قلب کی صحت طہارت اور صفائی کی وجہ سے ہوتی ہے اور طہارت کا حصول ایمان اور توحید کی بدولت ہے کہ ایمان کے بغیر طہارت نصیب نہیں ہو سکتی۔ قلب سلیم وہی ہوگا جس میں پاکیزگی اور نور ایمان ہوگا۔اس کے برخلاف قلب میں بیماری گندے تعلقات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔دل کی بیداری ذکر الٰہی میں ہے۔اگر انسان اللہ کے ذکر سے غافل ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر غفلت کی نیند طاری ہے۔

ہمیں کوئی جسمانی بیماری لاحق ہو جائے تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں لیکن دل کی بیماریوں کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں۔ریاکاری دل کی بیماری ہے، جان لیں کہ تکبر دل کی بیماری ہے، ہوس دل کی بیماری ہے، حرص دل کی بیماری ہے، بخل دل کی بیماری ہے، کینہ دل کی بیماری ہے، حسد دل کی بیماری ہے۔اور انبیاء علیہم السلام انہی بیماریوں سے دل کو پاک کرنے کے لئے دنیا میں آتے رہے ہیں۔انہوں نے سب سے زیادہ محنت قلوب کے تزکیہ پر کی۔سب سے زیادہ زور دلوں کی تطہیر پر دیا۔اس لئے کہ دل پاک ہو جائے تو انسان پاک ہو جاتا ہے۔دل بدل جائے تو انسان بدل جاتا ہے، اس کی زندگی بدل جاتی ہے، مقصد حیات بدل جاتا ہے، دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے، محبت و عداوت کے پیمانے بدل جاتے ہیں، محنت اور تجارت کے ہدف بدل جاتے ہیں۔گھر بدل جاتے ہیں، معاشرہ بدل جاتا ہے، زمانہ بدل جاتا ہے، تاریخ بدل جاتی ہے، اخلاق، بدل جاتے ہیں، راتیں بدل جاتی ہیں، ساقی بدل جاتے ہیں، پیمانے بدل جاتے ہیں، مے خوار بدل جاتے ہیں، میخانے بدل جاتے ہیں۔ارے اور تو اور پیر مغاں بدل جاتے ہیں۔

آیئے ہم دلوں کے بدلنے کی محنت کریں اور قلوب کا تزکیہ کریں۔

بیمار دل کی علامات:

انسان کو کیسے پتہ چلے کہ اس کا دل بیمار ہے؟ اس سلسلہ میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ علامات بتائی ہیں۔

پہلی علامت:

جب انسان فانی چیزوں کو باقی چیزوں پر ترجیح دینے لگے تو وہ سمجھ لے کہ میرا دل بیمار ہے۔مثلاً دنیا کا گھر اچھا لگتا ہے، مگر آخرت کا گھر بنانے کی فکر نہیں ہے۔دنیا میں عزت مل جائے، مگر آخرت کی

عزت یا ذلت کی سوچ دل میں نہیں۔ دنیا میں آسانیاں ملیں، مگر آخرت کے عذاب کی پرواہ نہیں۔

دوسری علامت:

جب انسان رونا بند کر دے تو وہ سمجھ لے کہ دل سخت ہو چکا ہے۔ کبھی کبھی انسان کی آنکھیں روتی ہیں اور کبھی کبھی انسان کا دل روتا ہے۔ دل کا رونا آنکھوں کے رونے پر فضیلت رکھتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آنکھ سے پانی کا نکلنا ہی رونا کہلاتا ہے۔ بلکہ اللہ کے کئی بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے دل رو رہے ہوتے ہیں، گو ان کی آنکھوں سے پانی نہیں نکلتا مگر ان کا دل سے رونا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے اور ان کی توبہ کے لئے قبولیت کے دروازے کھل جاتے ہیں تو دل اور آنکھوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور روئے اور بعض کی تو دونوں چیزیں رو رہی ہوتی ہیں۔ آنکھیں بھی رو رہی ہوتی ہیں اور دل بھی رو رہا ہوتا ہے۔

تیسری علامت:

مخلوق سے ملنے کی تمنا ہو لیکن اسے اللہ رب العزت سے ملنا یاد ہی نہ ہو تو سمجھ لے کہ یہ میرے دل کے لئے موت ہے۔ لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ ایسے تعلقات ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں ایک دوسرے سے ملنے کی تمنا ہوتی ہے وہ اداس ہوتے ہیں اور انہیں انتظار ہوتا ہے مگر انہیں اللہ کی ملاقات یاد ہی نہیں ہوتی۔

چوتھی علامت:

جب انسان کا نفس اللہ رب العزت کی یاد سے گھبرائے اور مخلوق کے ساتھ بیٹھنے سے خوش ہو تو وہ بھی دل کی موت کی پہچان ہے۔ اللہ کی یاد سے گھبرانے کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کا دل تسبیح پڑھنے اور مراقبہ کرنے سے گھبرائے، اس کے لئے مصلے پر بیٹھنا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ ایک موٹا سا اصول سمجھ لو کہ اگر بندے کا اللہ کے ساتھ تعلق دیکھنا ہو تو اس کا مصلے پر بیٹھنا دیکھ لو۔ ذاکر شاغل بندہ مصلے پر اسی طرح سکون کے ساتھ بیٹھتا ہے جس طرح بچہ ماں کی گود میں سکون کے ساتھ بیٹھتا ہے اور جس کے دل میں کجی ہوتی ہے اس کے لئے مصلے پر بیٹھنا مصیبت ہوتی ہے وہ سلام پھیر کر مسجد سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ کئی تو ایسے ہوتے ہیں کہ مسجد میں آنے کے لئے ان کا دل آمادہ ہی نہیں ہوتا۔

دل کا موتیا بند اور اس کا علاج

موتیا بند ایک پردہ ہے جو آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ آنکھیں ٹھیک ہوتی ہیں مگر پردہ کی وجہ سے انسان کو نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دل پر بھی موتیا بند آ جاتا ہے۔ جب گناہوں کی ظلمت چھا جائے یعنی موتیا بند آ جائے تو پھر انسان سارا دن نمازیں قضا کرتا رہتا ہے، اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ زبان سے جھوٹ بولتا ہے کوئی پروا نہیں ہوتی۔ حالانکہ بعض احادیث میں فرمایا گیا:

"جو انسان جھوٹ بولتا ہے اس کے منہ سے اتنی بدبو نکلتی ہے کہ فرشتے اس سے دو میل دور چلے جاتے ہیں۔"

اتنی بدبو نکلتی ہے مگر انسان محسوس نہیں کرتا۔ جس زمین کے اوپر انسان گناہ کر رہا ہوتا ہے، کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ زمین چیخ رہی ہوتی ہے اور پکار رہی ہوتی ہے۔ اے اللہ! مجھے اجازت دے میں تیرے اس نافرمان بندے کو اپنے اندر دھنسا لوں۔ لیکن انسان گناہوں میں مصروف ہوتا ہے وہ پرواہ نہیں کرتا۔

جیسے آنکھ پر موتیا بند آ جائے تو انسان ڈاکٹروں کے پاس جاتا ہے اور ان کے پاس جا کر موتیا بند کا علاج کروا لیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب دل سخت ہو جائے تو انسان اللہ والوں کی مجالس میں جائے۔ ان کے پاس جانے سے دل کا موتیا بند دور ہو جایا کرتا ہے۔ دل کی بینائی لوٹ آتی ہے دل پھر سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک ٹھوکر لگتی ہے اور پھر انسان کی زندگی میں انقلاب آ جاتا ہے۔ ہم نے کتنے لوگوں کو دیکھا کہ اہل اللہ کی صحبت سے ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بعض اوقات اہل اللہ کی صحبت میں بگڑے ہوئے لوگ آتے ہیں اور ایک نظر پڑتی ہے تو ان کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔

دل کی بستی

دل کا بگڑنا آسان کام ہے مگر دل کا بننا مشکل کام ہے۔ کسی شاعر نے کیا مزے کی بات کہی ہے۔

ویرانے بھی دیکھے ہیں آبادی بھی دیکھی ہے

جو اجڑے تو پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے
دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا کھیل نہیں بھائی
بستی بسنا کھیل نہیں، یہ تو بستے بستے بستی ہے

بستیوں کا بسنا آسان کام نہیں ہوتا، شہروں کا آباد ہونا آسان کام نہیں ہوتا۔ شہر آباد ہو... ہوتے زندگیاں گزر جاتی ہیں۔ پھر شہر آباد ہوا کرتے ہیں۔ شاعر نے یہی کہا کہ دلوں کا آ... ہو جانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ جیسے شہر مشکل سے آباد ہوتے ہیں ایسے ہی دل بھی مشکلوں ... آباد ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دلوں کو بنانے کی توفیق عطا فرما دے۔ (از خطبات فقیر)

کریم مجھ پر کرم کر بڑے عذاب میں ہوں
میں تیرے سامنے بیٹھا ہوں اور حجاب میں ہوں
(نثار)

ہر شے کی حقیقت اس کا اندرونی جوہر ہے

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز بلکہ ہم اور آپ بھی دو چیزوں سے مرکب ہیں۔ ایک ہمارا ظاہری حصہ ہے جس کو ہم بدن کہتے ہیں... ہیئت و شکل ہے مثلاً آنکھ ہے، جس سے ہم ایک دوسرے کی شکل و صورت دیکھ کر پہچانتے ہیں... ظاہری حصہ اور ظاہری پیکر ہے اور ایک اس کے اندر پوشیدہ حقیقت ہے وہی درحقیقت انسا... ہے۔ اس صورت ظاہری کا نام انسان نہیں۔ انسان اس حقیقت کا نام ہے جو اندر چھپی ہو... ہے۔ اس کے دکھلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ صورت بنا دی ہے جو کہ دراصل ذریعہ تعارف ہے... اصل مقصود نہیں ہے۔ پھر مقصود کہاں ہے؟ شریعت اسلام پتہ دیتی ہے کہ اندرون باطن ایک قلب... ہے۔ اسی میں ساری حقیقتیں چھپی ہوئی ہیں اور اسی کا نام انسان ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جب پھیلایا اور صورت و شکل دی تو قلب نمودار ہو گیا۔ شکل بن گئی اب اسے دیکھ کر پہچان گئے کہ فلاں ہے یہ فلاں ہے ورنہ حقیقت میں انسان قلب ہی ہے اور اسی کے اندر سب کچھ پوشیدہ ہے۔

پتلا آدم کے ساتھ ابلیس کا سلوک

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور بدن...

یا ابھی اس میں روح نہیں ڈالی گئی تھی تو ملائکہ علیہم السلام اس کی زیارت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عجیب شکل و صورت بنائی ہے اور بہت ہی عمدہ ہے۔ اور سب کے دل میں ایک عظمت و محبت اس صورت کی بیٹھ گئی۔ ادھر ابلیس کو بھی حکم ہوا کہ تو بھی اس صورت کو جا کر دیکھ۔ اس کے دل میں عداوت چھپی ہوئی تھی۔ اس نے جا کر دیکھا اور حضرت آدم کے پتلے کے اندر گھسا اور ریزے ریزے میں سرایت کی۔ بعد میں اس نے کہا کہ کوئی عجیب چیز نہیں ہے اور کہا کہ یہ تو اندر سے کھوکھلا ہے خود کو بھی نہیں سنبھال سکتا۔ جب تک کہ باہر سے اس کی مدد نہ ہو اور غذا ہوا گرمی باہر سے نہ پہنچے اس کی اندر کوئی طاقت نہیں۔ اس ابلیس نے اپنی شیطانیت اور عداوت کے مطابق رپورٹ دی۔ سارے ملائکہ نے تو تائید کی اور مدحت کی اور اس کم بخت نے آ کر نکتہ چینی کی۔ مگر یہ کہا کہ میں نے سارے بدن میں گھس کر دیکھا ہے، یہ اندر سے بالکل کھوکھلا ہے۔ البتہ اس کے بیچ میں ایک چھوٹی سی کوٹھی ہے۔ اس میں سب کچھ ہوگا۔ اشارہ تھا قلب کی طرف کہ جو کچھ حقیقت ہے وہ اس قلب میں رکھی گئی ہے۔ اس کی حقیقت اس لعین کے سامنے نہ کھل سکی وہاں جا کر مجبور ہو گیا۔

قلب انسانی بادشاہ اور دیگر اعضاء اس کے خادم ہیں

چنانچہ سب سے بڑی چیز انسان میں قلب ہے اور باقی جتنے اعضاء ہیں یہ سب اس کے خدام ہیں۔ قلب میں جو جذبہ پیدا ہوتا ہے یہ سب خدام اس کے مطابق عمل شروع کر دیتے ہیں۔ اگر دل میں یہ آیا کہ کسی چیز کو دیکھو تو دل آنکھ کو زبان سے آرڈر نہیں دیتا ہے کہ تو دیکھ بلکہ دل میں خیال آتے ہی آنکھ اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ دل میں خیال آیا کہ چلوں تو دل کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ پاؤں کو زبان سے حکم دے کہ چلو۔ بلکہ دل کا منشاء ہوا اور پیروں نے حرکت شروع کر دی۔ دل نے کسی چیز کو پکڑنا چاہا تو دل ہاتھوں کو لفظوں میں حکم نہیں دے گا کہ اے ہاتھوں تم پکڑو۔ بلکہ دل میں جذبہ آیا اور ہاتھوں نے اپنا کام شروع کر دیا تو انسان کے تمام اعضاء خدام ہیں اصل حاکم اعلیٰ اور اس اقلیم بدن کا سلطان وہ دل ہے اور دل میں ہی سب کچھ ہے۔

اطباء اور ڈاکٹروں کا باہم اختلاف رائے

اس میں اطباء اور موجودہ زمانے کے ڈاکٹروں کا اختلاف ہوا ہے کہ آیا اصل انسان میں دماغ ہے یا قلب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل انسان میں دماغ ہے کیونکہ اسی سے تمام چیزیں چلتی

ہیں۔ اسی میں شعور ہے، اسی میں ادراک ہے، اسی میں علم ہے، اسی میں احساس ہے۔ اور قلب آلہ کار ہے اصل نہیں ہے۔ یہ بعض اطباء کا خیال ہے اور اس زمانے کے ڈاکٹروں کا بھی یہی خیال ہے لیکن ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ یہ بالکل غلط ہے اور یہ بھی نہیں کہتے کہ بالکل صحیح ہے۔ بہت سی اس میں صحت بھی ہے اور بہت سی اس میں غلطیاں بھی ہیں۔

صانع کی طرف سے فیصلہ

چنانچہ ہم بنانے والے کی طرف رجوع کریں گے کہ اس نے کس چیز کو اصل کہا ہے۔ حق تعالیٰ خالق ہے وہ جانتا ہے کہ میں نے کیا چیز بنائی ہے اور کس لئے بنائی ہے اور نبی کریم ﷺ ان چیزوں کے اصلاح کے لئے آئے ہیں۔ آپ کو علم دیا گیا ہے اس بات کا کہ دل کیا ہے؟ اور دماغ کیا ہے؟ اور ہاتھ پیر کیا ہیں؟ اس لئے ہم نے رجوع کیا کہ بنانے والے سے پوچھو کہ اصل کیا چیز ہے؟ قلب اصل ہے یا دماغ اصل ہے؟ تو شریعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلب ہی اصل ہے۔ وہی حاکم مطلق ہے اس اقلیم بدن کا۔ بدن کی ساری حکومت اسی سے چل رہی ہے۔ حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله' الا وهی القلب.

انسان کے بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ وہ اگر صحیح ہو تو سارا انسان صحیح ہے وہ اگر غلط ہے تو سارا انسان غلط ہے۔ اور فرمایا کہ وہ قلب ہے۔ تو انسان کی خوبی وخرابی کا دارومدار قلب پر ہوتا ہے۔ دل ہی کے اندر نیت پیدا ہوتی ہے اور نیت سے سارے اعمال بنتے ہیں۔ اور فرمایا گیا کہ ''**انما الاعمال بالنیات**'' کہ سارے اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ نیت اچھی ہو تو عمل بھی اچھا ہے اور نیت اگر بری ہے تو عمل بھی برا ہوگا اور نیت کا دارومدار قلب کے اوپر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سارے کے سارے اعمال وافعال کا دارومدار انسان کے قلب پر ٹھہر گیا اور فی الحقیقت زندگی بھی قلب ہی سے چلتی ہے۔

کارخانہ بدن میں تحلیل غذا کا طریقہ

جیسے اعمال کا مدار قلب پر ہے، ایسے ہی حیات کا مدار بھی قلب پر ہے۔ کیونکہ قلب پہلے زندہ

ہوتا ہے پھر حیات دماغ میں پہنچتی ہے۔ پھر ہاتھ پیر میں زندگی پہنچتی ہے تو اس بناء پر مدار حیات زندگی کا دل کے اوپر رکھا گیا ہے اور اطباء بھی اسی کا اقرار کرتے ہیں۔ اطباء کہتے ہیں کہ آدمی جو غذا کھاتا ہے وہ اولاً معدے کے اندر پہنچتی ہے۔ معدے کے اندر خار ہوتے ہیں جو اسے پیستے ہیں اور پیس کر حریرہ بنا دیتے ہیں۔ اس میں جو حصہ فضلات کا ہے وہ زائد ہے، وہ انتڑیوں میں چلا جاتا ہے اور بول وبراز ہو کر نکل جاتا ہے اور جو رقیق جوہر ہے، اس کو قلب معدے کی طرف سے جگر کی طرف بھیجتا ہے۔ معدے کی طرف سے وہ غذا جگر کی طرف کو جانے والی نالیوں کی شکل کی چھوٹی چھوٹی رگیں ہیں ان کے ذریعہ سے وہ غذا جگر میں پہنچتی ہے۔ جگر کو کہتے ہیں کہ وہ طباخ اور بدن کا باورچی خانہ ہے۔ جگر میں گرمی اور حرارت ہے وہ اس گرمی سے اس حریرے کو پکاتا ہے اور خوب گرمی پہنچاتا ہے۔ جب وہ ہنڈیا پکتی ہے تو اس میں ایک حصہ ابال کا آتا ہے جھاگ کی شکل میں ایک حصہ نیچے بیٹھ جاتا جسے تلچھٹ کہتے ہیں۔ ایک حصہ بیچ میں پانی میں رہتا ہے وہ کھولتا رہتا ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ جو اوپر کا حصہ ہے جھاگ کا وہ بلغم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور نیچے کا حصہ جو تلچھٹ ہے سیاہ ہوتا ہے اسے سوداء کہتے ہیں، وہ تلی میں چلا جاتا ہے اور بیچ میں جو رقیق اور پتلا حصہ ہے اسے اطباء کہتے ہیں کہ وہ صفراء ہے۔ تو سوداء صفراء بلغم یہ تین حصے ہیں جن کو جگر تیار کرتا ہے اور پکاتا ہے۔ ان تینوں چیزوں کے مجموعے سے خون بنتا ہے تو جگر کا کام ہے خون بنانا۔ معدہ کا کام تھا غذا کو پیسنا پھر جگر اسی خون کو بھیجتا ہے قلب کی طرف۔ جگر سے قلب کی طرف جانے والی بہت باریک رگیں ہیں جن کو طب کی اصطلاح میں شرائین کہتے ہیں۔ (شرائین جمع ہے شریان کی) ان ہی باریک رگوں سے خون قلب کی طرف پہنچتا ہے اور قلب کی شکل لومڑی کی سی ہے کہ اوپر سے پتلا بیچ میں سے موٹا پھر نیچے سے پتلا۔ اوپر کے حصے کو کہتے ہیں بطن عالی اور نیچے کے حصے کو بطن سافل۔ ان میں باریک اور رقیق خون پہنچتا ہے اور قلب میں گرمی جگر سے بھی زیادہ ہے اور دل پھر اس لطیف جوہر کو پکاتا ہے اور اس پکانے سے ایک لطیف بھاپ اٹھتی ہے کہ جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی وہ بھاپ رگ وپے میں سرایت کرتی ہے۔ اسے اطباء کہتے ہیں کہ یہ روح حیوانی ہے۔ اسی روح سے آدمی میں حس ہے احساس ہے، عقل ہے، زندگی ہے۔ اطباء کی اصطلاح میں اس کو روح حیوانی کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام روح نسمہ ہے اور اسی کو نفس بھی کہتے ہیں۔ نفس کے معنی پھونکنے اور پھیلنے کے ہیں۔ چونکہ یہ پورے بدن میں پھیل جاتا ہے اس بناء پر اس کو نفس بھی کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل پر مدار ہے انسان کی

زندگی کا وہی روح حیوانی پیدا کرتا ہے جس سے انسان کے بدن میں حس، حرارت اور احساس وغیرہ طاقتیں پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ بدن میں قلب اصل ہے، دماغ اصل نہیں ہے۔

جسمانی حیات کا مدار دل پر ہے

تمام اعضاء کا تعلق قلب سے ہے، دماغ سے نہیں۔ اور زندگی کا مدار بھی دل ہی ہے عمل کا جذبہ بھی دل ہی سے ابھرتا ہے۔ محبت اور عداوت بھی دل ہی سے متعلق ہے جس سے ہزاروں معاملے وابستہ ہیں تو شریعت کا منشاء یہ ہے کہ اصل چیز انسان میں قلب ہے دماغ نہیں بلکہ دماغ قلب کے تابع ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ قلب میں جو علم اور شعور ہے وہ اجمالی ہے مختصر، مجمل ہے۔ دماغ میں جا کر اس کی تفصیل ہوتی ہے اور پھیل کر جزئیات نکلتی ہیں۔ پھر آدمی ان سے نظریات قائم کرتا ہے۔ نظریات سے پھر پروگرام بنتے ہیں تو علم اجمالی قلب میں ہے دماغ میں آ کر اس کی تفصیل ہوتی ہے اور چونکہ تفصیل تابع ہوتی ہے اجمال کے اس لئے دماغ تابع ہے قلب کے، برعکس نہیں یہ شریعت کا منشاء ہے۔ اس لئے شریعت اسلام کا موضوع اور مقصد یہ ہے کہ دل کی اصلاح کی جائے۔ اگر دل درست ہو گیا تو دماغ بھی درست ہے۔ ہاتھ پاؤں بھی درست ہیں۔ اعمال بھی درست ہیں اخلاق بھی درست ہیں۔ اگر انسان کا دل بگڑ جائے تو نہ زندگی ہے اور نہ عمل ہے، نہ ہنر ہے نہ کمال ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

دل زندہ ہے تو سارا انسان زندہ ہے۔ دل مردہ ہے تو سارا انسان مردہ ہے تو دارومدار حقیقت میں دل ہی کے اوپر ہے۔ کیونکہ ہر چیز دل سے چلتی ہے اس لئے شریعت نے دل کو اپنا موضوع بنا لیا ہے۔ اگر دل درست ہوگا تو اعمال شرعیہ بھی درست ہوں گے اور سارا بدن درست ہو جائے گا اور دماغ بھی صحیح ہو جائے گا اور اگر قلب بگڑ گیا تو دماغ بھی خراب رہے گا اور تمام اعضاء بھی خراب رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آنکھیں دیکھتی ہیں اور کان سنتے ہیں تو اطباء کہتے ہیں یہ سارا دماغ سے ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ بھی دل سے ہوتا ہے۔ آپ بھرے بازار میں جائیں اور اچھی اچھی بلڈنگیں دیکھیں بڑے اچھے اچھے مناظر سامنے ہیں۔ جب آپ واپس آئیں گے تو آپ کا دوست کہے گا کہ بھائی! آج تو بڑی عمدہ عمدہ بلڈنگیں دیکھی ہیں یہاں تو

بڑے اعلیٰ اعلیٰ مناظر ہیں بڑی بہترین سڑکیں ہیں صاف ستھرا شہر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے تو کچھ نظر آیا نہیں دوست کہے گا کہ خدا کے بندے آنکھیں تیری کھلی ہوئی تھیں چیزیں سامنے تھیں اور تو کہتا ہے کہ نہیں دیکھی تو جواب میں کہتا ہے کہ اوفوہ میرا دھیان دوسری طرف تھا۔ مجھے خبر نہیں ہوئی کہ میرے سامنے کیا چیز ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ نہیں دیکھتی بلکہ دل دیکھتا ہے۔ اگر دل ہی دھیان نہ کرے تو آنکھوں کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ گھنٹے بج رہے ہیں۔ آوازیں آ رہی ہیں لوگ سارے سن رہے ہیں مگر آپ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے تو سب کچھ سنا ہے وہ کہتا ہے اوفوہ اصل میں میرا خیال دوسری طرف متوجہ تھا۔ مجھے سننے کا خیال ہی نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ کان نہیں سنتا بلکہ دل سنتا ہے۔ دل اگر متوجہ ہو جائے تو ساری آوازیں کان میں آئیں گی اور اگر دل ہی متوجہ نہیں تو کوئی چیز بھی کان میں نہیں آئے گی۔ ذائقہ ہے وہ بھی دل ہی کا کام ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ غذائیں کھائیں اور دل متوجہ ہو دوسری طرف نہ کھٹے کا پتہ چلے گا نہ میٹھے کا پتہ چلے گا۔ اگر کوئی کھٹے میٹھے کا پتہ پوچھے گا تو کہے گا کہ بھائی میرا دل تو دوسری طرف تھا مجھے کچھ خبر نہیں۔

دل اور دماغ کا فرق

دماغ بہت اعلیٰ چیز ہے مگر دماغ تفصیل کرتا ہے اس علم کی جو قلب کے اندر پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ قلب اپنے اس علم اجمالی کو دماغ کے سامنے پیش کرتا ہے وہ دماغ کی نالیوں میں چکر کھاتا ہے پھر نظریہ بن جاتا ہے۔ اور نظریہ سے پروگرام بن جاتا ہے پروگرام سے اس کی اشاعت ہو کر پارٹی بن جاتی ہے۔ قلب اگر دماغ کے اندر علم نہ بھیجتا تو نہ نظریہ بنتا نہ پروگرام بنتا نہ پارٹی وجود میں آتی۔ اسی لئے شریعت اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ دل اصل ہے دماغ اس کے تابع ہے۔ ہاتھ پیر بھی اس کے تابع ہیں۔ پیٹ اور پیٹھ بھی اس کے تابع ہیں۔ اسی بنا پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اصلاح کا مرکز دل کو بنایا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو پورا انسان ٹھیک ہو جاتا ہے۔ نگاہ بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ کان بھی درست، ناک بھی درست، یہ غلط ہے تو ساری چیزیں غلط ہیں۔ اگر دل میں خرابی ہے اور نیت بری ہے تو نگاہ بھی لامحالہ غلط جگہ پر پڑے گی اور دل میں تقدس تقویٰ اور طہارت ہے تو نگاہ بھی غلط جگہ نہیں جائے گی۔ اگر دل میں صلاح وتقویٰ ہے تو غلط قسم کی آوازیں باجے گاجے کبھی نہ سنے گا بلکہ اس طرف توجہ بھی نہ کرے گا اور اگر دل میں دیانت و

تقویٰ نہیں ہے تو اس کے لئے جائز و ناجائز سب برابر ہے۔ باجے گاجے بھی سنے گا حرام آواز بھی سنے گا۔ حلال آوازیں بھی سنے گا۔ اگر دل میں دین ہے تو رستہ درست رہے گا اچھی چیز کی طرف طبیعت جائے گی بڑی چیزوں سے ہٹ جائے گی۔

قلب بہترین مفتی ہے

چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

استفت قلبک فان القلب خیر المفتی.

"جب تمہیں کوئی معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو۔"

دل آدمی کا مخلص ہوتا ہے وہ بتاتا ہے کہ بات صحیح ہے کہ غلط ہے۔ آپ نے دوست کے او دعویٰ کر دیا کہ یہ جائیداد میری ہے فلاں کی نہیں۔ حالانکہ دل سے جانتا ہے کہ یہ اسی کی ہے میری نہیں ہے۔ آپ نے قانونی طور پر مقدمہ بنایا تاکہ جائیداد میرے نام پر آ جائے۔ اس پر وکلاء بحث کریں گے۔ ممکن ہے آپ کامیاب بھی ہو جائیں۔ جائیداد آپ کی ہو جائے گی مگر دل آپ کو ملامت کرے گا کہ کمبخت تو غیر کا حق مار رہا ہے۔ دل فتویٰ دے رہا ہے کہ زمین تیری نہیں ہے اگر آدمی دل کی طرف متوجہ ہو جائے تو سارے قصے ختم ہو جائیں لیکن بات تو یہ ہے کہ لوگ مطلب کے پیچھے رہتے ہیں۔

ایک عالم نے فتویٰ دیا جو کہ مرضی کے خلاف تھا۔ اب اس سوال کا دوسرا رخ بدل کر فتویٰ بھیج دیا۔ اب اس فتوے کا دوسرا جواب آ گیا وہ بھی مرضی کے مطابق نہ تھا۔ اب پھر تیسرے مفتی کے پاس بھیج دیا جو فتویٰ مرضی کے مطابق ہوا اس پر عمل کر لیا اور جو مرضی کے مطابق نہ ہوا اس پر عمل نہ کیا۔ یہ کوئی شریعت کا حکم ہے؟ یہ کیا شریعت کا پیرو ہے؟ یہ تو اپنے نفس کا تابع ہے۔ نفس میں جو چیز آ گئی چاہتا ہے اس کی مطابق فتویٰ مل جائے۔ اس لئے شریعت نے کہا کہ مفتیوں سے فتویٰ بعد میں لینا، پہلے اپنے دل سے فتویٰ لے لو۔ دل انسان کا مخلص ہے وہ سچا مشورہ دے گا اور فتویٰ صحیح دے گا۔

اولاً قلب کی اصلاح ہوتی ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام نے دل کو پکڑا ہے اور اسی کا اعتبار کیا ہے کہ انسان کے ضمیر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ حق ہوتا ہے اور بخشے سے اور نفسانی خواہشات سے جو بھی رائے قائم کر دے دل اس کو جانتا ہے کہ وہ غلط ہے۔ ہاتھ چوری کرتا ہے مگر دل ملامت کرتا ہے کہ تجھے حق

نہیں دوسرے کا مال چرانے کا۔ اگر دل کی بات مانے تو کبھی چوری نہ کرے، بہرحال دل انسان کا محل ہے۔ اس لئے شریعت نے دل کو پکڑا ہے کہ اس کی اصلاح کر دہ بنیاد درست ہو جائے تو سارا ہی انسان درست ہو جاتا ہے اور بغیر اس کے انسان درست نہیں ہو سکتا۔

قلب کا بہترین مصلح ...... ایمان ہے

شریعت نے دل کی اصلاح کے لئے ایمان رکھا ہے۔ اس لحاظ سے ایمان کا محل بھی قلب انسان ہے۔ اللہ اور رسول کی محبت بھی دل کے اندر آتی ہے۔ یہ ہی محبت آدمی سے عمل کراتی ہے۔ دل کے اندر جذبے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی جذبے کے مطابق انسان چلتا ہے تو اولاً ایمان قلب انسانی پر وارد ہوتا ہے۔ وہاں سے وہ ترقی کر کے دوسرے مقامات پر پہنچتا ہے۔ اس کی تاثیر سارے بدن پر پہنچتی ہے تو پھر ہاتھ بھی مومن بن جاتا ہے اور کان بھی مومن بن جاتا ہے اور سب اعضاء میں ایمانداری پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر دل میں بے ایمانی گھسی ہوئی ہو تو ہاتھ پیر بھی بے ایمان ہوں گے اور بے ایمانی کی حرکتیں کریں گے اور دماغ بھی بے ایمان ہو جائے گا۔ سوچے گا تو بے ایمانی کی باتیں سوچے گا اس لئے کہ دل کی نیت خراب ہے۔ چنانچہ دل کو اصل قرار دے کر انبیاء اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اس کے اندر نور و چمک پیدا کریں تاکہ اس کے اندر عالم غیب کی چیزیں روشن ہو جائیں اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ قلب پر ایمان وارد ہو اور قلب چونکہ پاک ظرف ہے اس لئے اس میں پاک چیز یعنی ایمان داخل ہوتا ہے۔ اور پھر عمل بھی ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر دل میں خوشی ہے تو چہرے پر بھی خوشی کے آثار ہوں گے۔ چونکہ خوشی درحقیقت قلب کی صفت ہے مگر چہرے سے نظر آتی ہے۔ دل میں اگر غم بھرا ہوا ہے تو چہرے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ آج تم بڑے غمگین نظر آتے ہو، حالانکہ غم چھپی ہوئی چیز ہی وہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز نہیں ہے۔ چونکہ دل کا اثر چہرے پر پڑتا ہے تو ہر جاننے والا جان لیتا ہے کہ یہ غم زدہ ہے اور واقعی وہ غم زدہ ہوتا ہے۔ تو غمی و خوشی محبت و عداوت اور کرنا نہ کرنا یہ چیزیں انسان کے قلب سے متعلق ہیں۔ اگر دل درست ہی تو سب چیزیں درست ہیں اگر دل خراب ہے تو اس کی وجہ سے سب چیزیں خراب ہیں اور اسی وجہ سے ہاتھ پیر پر برا اثر پڑتا ہے اور وہ اثر جو قلب پر وارد ہوتا ہے وہ متعدی ہو کر اعضاء و جوارح پر طاری ہوتا ہے، اچھا ہو یا بڑا۔

آخری وقت کی کیفیت

حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی آدمی کے انتقال کا وقت قریب آتا ہے اور ملائکہ نزع روح کرتے ہیں تو ہاتھوں کو اور پیروں کو سونگھتے ہیں اور دماغ کو اور دیگر بدن کو بھی سونگھتے ہیں اور وہ ایمان کی خوشبو سونگھنا چاہتے ہیں۔ دل میں اگر ایمان ہے تو ہاتھ پیر میں بھی اس کے اثرات رچے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہاتھوں کو بھی سونگھتے ہیں کہ ان میں بھی ایمان کی خوشبو ہے یا نہیں۔

اصل خوشبو کا مرکز تو دل ہے مگر اعضاء پر اس کے اثرات پہنچ جاتے ہیں۔ جیسے خوشبو کا مخزن تو باغ ہے اور پھول ہے مگر کپڑوں سے بھی خوشبو آنے لگتی ہے اور باغ والی خوشبوؤں کے اثرات سے جہاں جہاں ہوا پہنچے گی وہ شے معطر ہوتی چلی جائے گی۔ بہرحال میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر دل اصل ہے اس کو درست کیا جائے اور اس کی درستگی کی پہلی بنیاد ایمان ہے۔ ایمان رہتا ہے قلب کے اندر اور اس کے اثرات ہاتھ پیر پر عمل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ایمان کا محل قلب اور اسلام کا محل اعضاء ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ دل ایمان کی جگہ ہے اور ہاتھ پیر اسلام کی جگہ ہیں۔ ایمان چھپی ہوئی شے ہے جو دل میں رہتا ہے اور اسلام کھلی ہوئی شے ہے جو ہاتھ اور پیروں پر آتا ہے۔ آپ نے نماز پڑھی، ہاتھ پاؤں سے پڑھی۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی مگر اس فعل کا سرچشمہ قلب کے اندر ہے۔ اگر اس میں جذبہ عقیدت کا، محبت کا اور اللہ کی چاہت کا پیدا نہ ہوتا تو کبھی نماز نہ پڑھتے۔ معلوم ہوا کہ اصل میں نماز پڑھنے والا دل ہے لیکن عمل کی صورت ہاتھ پیر پر ظاہر ہوتی ہے۔

ایمان کا محل دل ہے، اس کے اثرات جب ہاتھ پاؤں پر آتے ہیں تو وہ اسلام بن جاتے ہیں۔ چونکہ ایمان پوشیدہ شے ہے اور اسلام ظاہر شے ہے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

"اَلْاِیْمَانُ سِرٌّ وَّالْاِسْلَامُ عَلَانِیَۃٌ"

کہ ایمان چھپی ہوئی چیز ہے جس کو دل لئے ہوئے ہے اور اسلام کھلی ہوئی شے ہے جو ہاتھ پاؤں پر ظاہر ہوتی ہے تو وہی اندرونی شے جب تک چھپی رہتی ہے اسے ہی ایمان کہتے ہیں اور وہی شے جب ہاتھ پاؤں پر آتی ہے تو اسے اسلام کہتے ہیں۔

نہ دل کا تذکرہ تم میرے روبرو کرتے
نہ ذکر چھیڑتے کچھ اور گفتگو کرتے
کہاں کہاں دل صد چاک میں رفو کرتے
کہاں تک آہ نہ اظہار آرزو کرتے
دل و جگر کو نہ اپنے اگر لہو کرتے
تو اور کیا ترے ناکام آرزو کرتے
تمہیں کہو کہ اگر عرض کچھ عدو کرتے
تم اختیار یہی طرز گفتگو کرتے
نگاہ شوق سے ہم شرح آرزو کرتے
کسی کی چشم سخن گو سے گفتگو کرتے
مراد شوق سے ہاں خون آرزو کرتے
مگر نہ ازرہ ہمدردی عدو کرتے
رہ طلب میں اٹھیں پاؤں کس توقع پر
امید ملنے کی ہوتی تو جستجو کرتے
دیا نہ یاس نے اتنا بھی عمر بھر موقع
کہ دل کو ہم کبھی مسرور آرزو کرتے
لگایا منہ جو نہ ساقی نے تھا وہ فرزانہ
کہ ملتا جام تو پھر کیوں نہ آرزو کرتے

(کشکول مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

دل کی قیمت

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(التوبہ:۱۱۱)

"میں نے انسان کے نفس کو اور مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔"

اب نفس کی قیمت تو جنت لگادی لیکن دل کی قیمت اللہ تعالیٰ نے اپنا مشاہدہ رکھا۔ لہٰذا جو انسان اپنا دل اپنے رب کے حوالے کردے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔

"وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ O اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" (القیامۃ ۲۲۔۲۳)

"کچھ چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔"

حدیث پاک میں آیا ہے۔

قیامت کے دن کچھ لوگ ہوں گے جو کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے اور دیکھ کر مسکرائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائیں گے۔ یہ کیسے خوش نصیب لوگ ہوں گے کہ جو قیامت کے دن اچھے حال کے اندر کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو بنایا تو اس کی کنجی رضوان (جنت کے نگران فرشتہ) کو دے دی۔ جہنم کو بنایا تو اس کی کنجی اللہ تعالیٰ نے مالک (جہنم کے نگران فرشتہ) کو دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو اپنا گھر بنایا اور اس کی کنجی بنی شیبہ کے حوالے فرمادی کہ ان کے پاس رہے گی کسی اور کے پاس نہیں جاسکتی۔

"اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کا دل بنایا مگر اس کی کنجی اپنے دست قدرت میں رکھی۔ وہی دلوں کو پھیرنے والے ہیں وہ جسے چاہتے ہیں الٹ پھیر دیتے ہیں۔ گویا ہمارے دل کا تالا اگر کھل سکتا ہے تو اللہ رب العزت کی رحمت کے ساتھ کھل سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگا کریں۔ اللہ تعالیٰ سے طلب کیا کریں اور فریاد کیا کریں کہ رب کریم! جب ہمارے دلوں کا معاملہ آپ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے تو دل کے تالے کو کھول دیجئے تاکہ ہم بھی آپ کی محبت بھری زندگی کو اختیار کرسکیں۔"

دل کی بیداری ذکر الٰہی میں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے اس کا دل بیدار ہو جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر غفلت کی نیند طاری ہے۔"

رہنے دو چپ مجھے نہ سنو ماجرائے دل
میں حال دل کہوں تو ابھی منہ کو آئے دل
سمجھے گا کون کس سے کہوں راز ہائے دل

دل ہی سے کہہ رہا ہوں میں سب ماجرائے دل
کب تک یہ ہائے ہائے جگر ہائے ہائے دل
کر رحم اے خدائے جگر، اے خدائے دل
دو لفظوں ہی میں کہہ دیا سب ماجرائے دل
خاموش ہوگیا ہے کوئی کہہ کے ہائے دل
آتے نہیں ہیں سننے میں اب نالہ ہائے دل
سنسان کیوں پڑی ہے یہ ماتم سرائے دل
ہوتا ہوں محو لذت دید فضائے دل
باغ و بہار زیست ہیں یہ داغ ہائے دل
اب ہو چکی ہے جرم سے زائد سزائے دل
جانے دو، بس معاف کرو خطائے دل
ہر ہر ادا بتوں کی ہے قاتل برائے دل
آخر کوئی بچائے کیونکر بچائے دل
اتنا بھی کوئی ہوگا نہ صبر آزمائے دل
سب سے لگائے تم سے نہ کوئی لگائے دل
اک سیل بے پناہ ہے ہر اقتضائے دل
ایسا بھی ہائے کوئی نہ پائے جو پائے دل
مجذوب تو بھی غیر خدا سے لگائے دل
عشق بتاں ہے بندہ حق نا سزائے دل

(کشکول مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

دل کے متعلق چند مشہور اقوال

عربی زبان میں دل کو قلب کہتے ہیں اور قلب کا معنی ہے الٹنا پلٹنا قلب کو قلب اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ اس کی حالت یکساں نہیں رہتی۔ بسا اوقات تو خطرہ پیدا ہوا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ دل یکا یک ہدایت سے ضلالت کی طرف پلٹ جائے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام

نے یہ دعا امت کو سکھائی ہے۔

یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبُ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ.

''اے دلوں کو پلٹنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔''

یہاں دل کے حوالے سے چند احادیث اور مشہور اقوال کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔

- ...... دلوں کو اس بناء پر پیدا کیا گیا ہے کہ جو ان سے نیکی کرے اس سے یہ محبت کرتے ہیں اور جو ان سے برائی کرے اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔
- ...... تمہارے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، معلوم رہے کہ وہ دل ہے۔
- ...... جس کسی نے بُری نیت سے عورت پر نگاہ ڈالی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)
- ...... جس پر نصیحت اثر نہ کرے وہ جان لے کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)
- ...... اپنے دلوں سے دوستی کا حال پوچھو کیونکہ یہ ایسے گواہ ہیں جو کسی سے رشوت نہیں لیتے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
- ...... جب تک آدمی کا دل اللہ کی یاد میں ہے وہ نماز میں ہے اگرچہ بازار میں ہو۔ (شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ)
- ...... کسی کی نسبت برا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یاد رکھو اس کا عکس اس کے دل پر بھی ضرور پڑے گا۔ (بوعلی سینا)
- ...... دل کو روشن کرنا ہو تو غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرو۔ (حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ)
- ...... کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی کا دل دکھانا ہے۔ خواہ مومن کا ہو یا کافر کا۔ (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)
- ...... جو اپنے دل میں کینہ رکھتا ہے وہ گویا اپنے زخموں کو ہرا رکھتا ہے۔
- ...... عورت کا دل اس کے دماغ پر حکمت کرتا ہے
- ...... بیوقوف کا دل اس کی زبان میں ہوتا ہے اور عقل مند کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے۔

سکون قلب کیسے حاصل ہو

آپ اگر غور سے دیکھیں گے تو اس دور میں ہر شخص مضطرب اور پریشان نظر آئے گا۔ جسے دیکھیں اسے روزگار، عزیز واقارب کی اور دوست احباب کی، حالات کی شکایت کرتا ہوا پائیں گے۔ کسی کو سکون اور راحت حاصل نہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دور حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ نہ جمہوریت ہے نہ حقوق ہیں نہ معاشی مسائل ہیں بلکہ سب سے بڑا مسئلہ دل کے سکون اور اطمینان کا فقدان (نہ ہونا) ہے۔ حالانکہ آج کے انسان کو راحت اور آسائش کے وہ وسائل اور سامان حاصل ہیں جن کا اس کے آباؤ اجداد نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ یہ فراٹے بھرتی کاریں، یہ دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرنے والے ہوائی جہاز، یہ نرم وگداز گدیلے، یہ فریج اور ایئر کنڈیشنڈ۔ یہ ساری چیزیں ہمارے آباؤ اجداد کو کہاں حاصل تھیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے مقابلے میں زیادہ پر سکون زندگی گزارتے تھے اور ہم راحت کے تمام اسباب کے باوجود مضطرب اور پریشان ہیں بلکہ صورتحال تو کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ جن لوگوں کو زیادہ آسائشیں میسر ہیں وہ زیادہ پریشان ہیں۔

چنانچہ مضطرب اور بے قرار انسان نے دل کا سکون حاصل کرنے کے لئے بے شمار غلط راستے اختیار کئے لیکن اسے سکون نہ مل سکا۔ کسی نے سوچا کہ راحت اور سکون اقتدار میں ہے لیکن اقتدار ملنے کے بعد پتہ چلا کہ یہاں تو ایک لمحے کا سکون نہیں۔ عبدالرحمٰن الداخل جو اسپین میں پچاس برس تک مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ جب دنیا سے رخصت ہوا تو لوگوں نے سنا، وہ کہہ رہا تھا میں نے اپنی پوری زندگی میں صرف چودہ دن سکون کے دیکھے ہیں۔

کوئی سمجھتا ہے کہ سکون دولت کی کثرت سے ملتا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کا یہ حال ہے کہ انہیں کاروباری اور دوسری پریشانیوں کی وجہ سے راتوں کو نیند نہیں آتی وہ خواب آور گولیوں کے بغیر سو نہیں سکتے۔

یونان کے کروڑ پتی اوناسس کی بیٹی کرسٹینا اپنے باپ کی وارث اور یونان کی صنعت جہاز رانی کی ملکہ ہے۔ مگر اس ساری دولت سے وہ دل کا سکون نہیں خرید سکی۔ وہ ساری دنیا میں ماری ماری پھرتی ہے۔ اس نے کئی شادیاں کیں مگر پھر بھی اسے سکون نہیں مل سکا۔

کسی کا خیال ہے کہ اگر انسان کی جنسی خواہشات پوری ہو جائیں تو اسے سکون مل سکتا ہے۔

چنانچہ یورپ میں جنسی خواہشات کے لئے زنا عام کر دیا گیا۔

زناکاری اور لواطت کو قانونی تحفظ دے دیا گیا۔ باہمی رضامندی سے جب چاہیں، جہاں چاہیں، جس سے چاہیں زنا ہوسکتا ہے۔ بیویوں کا آپس میں تبادلہ ہوسکتا ہے۔ عورتیں کرائے پر مل جاتی ہیں۔ انڈیانا اسٹیٹ میں ایک شہر آباد ہے جس میں چھوٹے بڑے مرد اور عورت سب مادرزاد ننگے رہتے ہیں لیکن اتنی آزادی کے باوجود اضطراب کا یہ عالم ہے کہ:

- ......امریکہ میں ہر تین منٹ میں ایک قتل ہوتا ہے۔
- ......ہر تیرہ سیکنڈ میں ایک زنا بالجبر کیا جاتا ہے۔
- ......ہر اکیاسی سیکنڈ میں کوئی زبردست ڈاکہ پڑتا ہے۔

کسی کی سوچ یہ ہے کہ منشیات کے استعمال سے سکون ملتا ہے۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ منشیات نے کتنے گھرانوں کو تباہ کردیا ہے اور لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

یہ تمام ذرائع انسان کو حقیقی سکون نہیں دے سکے اور انسان سکون کی تلاش میں دیوانوں کی طرح مارا مارا پھر رہا ہے۔ اب خدا کی طرف سے پکار آتی ہے۔

- ......میرے بندے تو نے دولت کے انبار لگائے......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے وزارتیں اور بادشاہتیں حاصل کرلیں......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے رقص و سرور کی محفلیں جمائیں......لیکن تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے فحاشی، عریانی اور بدکاری کی انتہاء کردی......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے جوئے سٹے کا بازار گرم کیا......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے ساغر اور مینا، شراب، ہیروئن، چرس اور بھنگ کا استعمال کرکے دیکھا......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے نت نئے فیشن اختیار کئے......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے کوہ پیمائی کی مہمیں سر کیں......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے کھیلوں میں کمال حاصل کرلیا......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے سمندروں اور صحراؤں کو چھان مارا......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو چاند ستاروں تک جا پہنچا......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
- ......تو نے سائنسی علوم سے حیرت انگیز مشینیں بنالیں......مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔

آ!......بھولے بھٹکے مسافر......میرے دروازے پر آ......میں تیرا رب ہوں......میں تیری

ضروریات کا کفیل اور مالک ہوں۔ میں تجھے حصول سکون کا راستہ دکھاؤں گا۔ یہ چیزیں تجھے سکون نہیں دے سکتیں۔

- ......او ظلوم اور جہول انسان تو بھی کتنا پگلا ہے، انگاروں پر بیٹھا ہے......اور چاہتا ہے مجھے ٹھنڈک نصیب ہو۔
- ......گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر چاہتا ہے......کہ مجھے خوشبو کے دلنواز جھونکے آئیں۔
- ......کانٹوں پر بستر بچھایا ہے......اور چاہتا ہے کہ چبھن نہ ہو۔
- ......تیل چھڑک کر تیلی جلاتا ہے......اور چاہتا ہے کہ آگ بھی نہ لگے۔
- ......اپنے خالق اور مالک کو بھلا رکھا ہے......اور چاہتا ہے کہ مجھ پر پریشانیاں بھی نہ آئیں۔

او میرے پاگل بندے!......

- ......تجھے نہ سیم وزر کی چھنا چھن سکون دے سکتی ہے۔
- ......نہ تخت و تاج تیرے دل کے اضطراب کو دور کرسکتا ہے۔
- ......نہ رقص و سرور اور میوزک تیری قلبی بیماریوں کا علاج ہے۔
- ......نہ زناکاری اور فحاشی تجھے مطمئن رکھ سکتی ہے۔
- ......نہ منشیات کا استعمال تیرے قلب و دماغ کو سکون دے سکتا ہے۔
- ......اگر تجھے سکون ملا تو میری یاد کی چھاؤں میں ملے گا۔
- ......میرے ذکر کی خوشبو سے ملے گا۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

تمہیں دل کا سکون اور سچی خوشی اللہ کے ذکر کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ تم جب تک گناہوں کو نہیں چھوڑو گے تمہاری پریشانیاں کبھی دور نہیں ہوں گی۔

آئیے!......آج ہم عہد کریں کہ آج کے بعد ہم کبھی بھی زندگی کے کسی شعبے میں بھی کتاب وسنت کی مخالفت نہیں کریں گے۔ پھر دیکھئے گا ہمیں سکون قلب کیسے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارا گھر جنت کا نقشہ پیش کرے گا۔ ہمیں روکھی سوکھی روٹی میں وہ لذت نصیب ہوگی جو امراء کو مرغن غذاؤں میں نصیب نہیں ہوتی۔ ہمیں گھاس، پھونس کے بستر پر ایسی نیند آئے گی جو اللہ کے باغیوں کو حریر اور کمخواب کے بستر پر نہیں آتی۔ (از پچاس تقریریں مولانا محمد اسلم شیخوپوری)

سکون کا نسخہ

آج کون شخص ہے جو سکون کا متلاشی نہیں ہے لیکن وہ اس کی دوائی اور گولی اپنی جیب میں لئے پھرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہی کہ اس کو اس کا علم بھی نہیں ہے اور وہ کیا ہے؟ وہ ہے شکر کی عادت۔ کہ ہر وقت اللہ پاک کی نعمتوں کو یاد کر کے شکر میں لگا رہنا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اللہ والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی طرح خوش وخرم نظر آتے ہیں۔ حالانکہ ان پر بھی ایسی ایسی تکالیف اور امتحان آتے ہیں جن کا ہم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنے اوپر ہزاروں نعمتوں کا ہجوم دیکھ کر خوش وخرم ہوتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی تکلیف آئی اس کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ہزاروں نعمتیں بغیر استحقاق کے موجود ہیں لیکن ہم ایک ہی تکلیف کو لئے پھرتے ہیں اور ہر ایک کے سامنے اسے گاتے پھرتے ہیں۔

حضرت عارف ربانی حاجی محمد شریف صاحب (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کے بڑے بڑے آپریشن ہوئے وار تکالیف بھی آئیں لیکن آپ کی زبان مبارک سے یہی سننے میں آتا تھا کہ "میں نے تو کبھی کوئی تکلیف دیکھی ہی نہیں۔"

حضرت والا کی بیٹھک برلب سڑک تھی۔ آپ دن کا اکثر وقت اسی میں گزارتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہاں سڑک سے کسی ریڑھی والے یا جھاڑو والے کو گزرتے دیکھتا ہوں تو اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ یہ بھی تو ممکن تھا کہ یہ ریڑھی یا جھاڑو تیرے ہاتھ میں ہوتا اور یہ شخص تیری جگہ بیٹھا ہوتا تو تو کیا کر سکتا تھا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے تجھے یہاں بٹھایا ہوا ہے اور تجھے بادشاہی دے دی ہے اور فرماتے کہ شکر سے اللہ کے سامنے اس وقت ہاتھ جڑ جاتے ہیں اور اس طرح خوب شکر کی توفیق ہوتی ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ ایک صاحب حضرت کے پاس پہنچ گئے جن کے دماغ میں خلل تھا اور انہوں نے کچھ ایسی حرکتیں شروع کر دیں جس کی وجہ سے حضرت کی طبیعت پر گرانی ہوئی۔ اس وقت حضرت والا انتہائی مؤثر انداز میں بار بار یہ فرما رہا تھے۔

"دیکھا دماغ کا صحیح ہونا کتنی بڑی نعمت ہے۔"

سچ ہے کہ آدمی جتنا بھی معزز ہوا اگر دماغ کا ایک معمولی پیچ بھی ڈھیلا ہو جائے تو ساری

عزت جاتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پاگل خانے بھجوا دیا جاتا ہے۔ واقعی دماغ کا صحیح ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔

ایک دفعہ نشتر ہسپتال میں ایک مریض کو دیکھا اس کے دونوں پاؤں کے ساتھ وزن باندھ کر کھینچا ہوا تھا جس سے وہ بالکل حرکت نہیں کر سکتا۔ جب صرف ایک پاؤں کھول دیا گیا تو وہ بہت خوش ہوا جیسے کہ عید کا دن ہے حالانکہ اس سے اب وہ صرف معمولی حرکت کر سکتا تھا لیکن اس پر بھی اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

ہمارے ایک بزرگ ہیں ایک دفعہ ان کا بچہ گم ہو گیا۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ جناب بچہ مل گیا ہے؟

فرمایا، جی ہاں مل گیا ہے اور فرمایا۔

بھئی!...... اب معلوم ہوا کہ بچوں کا گم نہ ہونا بھی کتنی بڑی نعمت ہے

ہمارے والد صاحب مدظلہم نے ہمیں نصیحت کے طور پر لکھا "تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کر کے ہنسا کرو۔"

ایک بزرگ نے ایک بادشاہ سے پوچھا اگر تمہیں پیاس لگی ہوئی ہو اور پانی نہ ملے تو کیا کرو گے۔ بادشاہ نے کہا آدھی بادشاہی دے دوں گا۔ بزرگ نے پھر پوچھا اگر پیشاب رک جائے تو کیا کرو گے بادشاہ نے کہا آدھی بادشاہی دے دوں گا۔

تو بزرگ نے فرمایا تمہاری بادشاہی کی یہی قیمت ہے۔

حضرت مفتی اعظم محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ صاحبزادی نے آ کر شکایت کی کہ ابا جان دانت میں تکلیف ہے اور کافی بے چینی ہے۔ شروع بچپن میں دانت کی تکلیفیں اٹھائیں اور اب اس عمر کو پہنچ گئے۔ اب بھی یہ تکلیفیں پیش آ رہی ہیں یہ سن کر حضرت مفتی صاحب کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ارشاد فرمایا۔

"صاحبزادی! درمیان کا اتنا طویل عرصہ اس سے جو فائدہ اٹھایا اس کا کیا شکر کر لیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اگر ان نعمتوں کا استحضار اور شکر کیا جائے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پریشانی قریب آئے۔"

اسی لئے بزرگوں کا مشورہ ہے کہ کبھی کبھی ہسپتال کا چکر لگا لیا جائے تو صحت کی نعمت کی قدر ہو گی اور کبھی قبرستان کا چکر لگا لیا تو اسی سے زندگی کی نعمت کی قدر رہو گی اور کبھی پاگل خانہ کا چکر لگایا

جائے تو معلوم ہوگا کہ دماغ کا صحیح ہونا کتنی بڑی نعمت ہے کہ صرف دماغ کا ایک پیچ ڈھیلا ہو جائے، کروڑوں کے مالک کو پاگل خانے پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ کی پناہ اللہ کی پناہ۔

یہ ہے سکون کا ایک نسخہ کہ ہر وقت نعمتوں کے شکر سے زبان تر رہنی چاہئے پھر دیکھیں کس طرح سکون ملتا ہے۔

ایک اللہ والے کے پاس ایک شخص آیا کہ حضرت بہت پریشان ہوں بہت پریشان ہوں۔ بزرگ فرمانے لگے۔

"کیا تجھے یہی پریشانی ہے کہ اللہ پاک تیری مرضی کے مطابق کیوں نہیں چلتے؟
ارے اللہ کے بندے! یہ اللہ پاک کا حق ہے کہ تو ان کی مرضی کے مطابق چلے۔
اللہ پاک ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور اپنی رضامندی پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

دل کا روحانی بائی پاس

آج کل کے اس مادی دور میں انسان نے جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی میں ترقی کی ہے وہاں جسمانی امراض پر قابو پانے کے لئے بھی علاج کے جدید طریقے دریافت کر لئے ہیں۔ جسمانی اعضا میں سے "دل" ایک ایسا مرکزی عضو ہے کہ اس کی اہمیت جس طرح دنیاوی زندگی میں مسلم ہے اسی طرح شریعت کی حیات روحانیہ میں بھی اسے مرکزی شان حاصل ہے۔ دل کے حوالے سے جدید امراض میں سے ایک مرض جو صرف چند برسوں سے پھیل رہی ہے وہ دل کے "والو" بند ہو جانے کی امراض ہے جس کا علاج اکثر ڈاکٹر حضرات بائی پاس تجویز کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر کس قدر احسان ہے کہ ہمیں ایسی شریعت مطہرہ سے نوازا ہے جس کی تعلیمات پر عمل صحیح طریقے سے کر لیا جائے تو جہاں اخروی ثواب سے انسان مالا مال ہو جاتا ہے وہیں دنیاوی طور پر بھی جسم کے تمام اعضا کے مختلف امراض سے بالعموم اور "دل" کے قدیم وجدید امراض سے بالخصوص محفوظ رہ سکتا ہے۔ دنیاوی زندگی میں دل کی اہمیت سے ہر شخص واقف ہے کہ زندگی "حرکت قلب" کا نام ہے کہ دل کی حرکت رکی اور دار فانی سے کوچ کا نقارہ بج اٹھا اخروی وروحانی زندگی میں اس دل کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ جب صحیح ہوتا ہے تو پورا جسم صحیح ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو پورا جسم خراب ہوتا ہے اور وہ "دل" ہے۔"

اس لئے بزرگان دین اہل اللہ انسان کی کامل اصلاح کے لئے خشت اول اسی دل کو قرار دیتے ہیں۔ ایسے اللہ والے جن کے قلوب مصفی ومزکی ہیں دل کے روحانی معالج ہیں جن کی چند لمحہ کی صحبت انسان کو تمام دنیاوی کلفتوں سے نجات دیتی ہے۔ جن کے قدموں میں گزرے چند دن انسان کو حقیقی انسان بنا دیتے ہیں۔ جس طرح دنیاوی طور پر دل کا بائی پاس ہونے کے بعد بند "والو" کھل جاتے ہیں اور انسان کی دنیاوی چند روزہ زندگی دوبارہ بحال ہو جاتی ہے اس طرح اگر ہم قرآن وسنت میں وارد مسنون اعمال کو اپنے معمولات میں شامل کر لیں تو ہم اپنے دل کو روحانی بائی پاس کر کے اسے ہر قسم کے جسمانی وروحانی امراض سے محفوظ کر سکتے ہیں جس کے نتیجہ میں دل کے اندر حسد، بغض، کینہ عداوت، بے جا غصہ، بخل، مال کی محبت، تکبر اور ریا جیسے امراض کی بجائے، صبر، شکر، توکل، اخلاق، ایثار اور قناعت جیسے اوصاف حمیدہ پیدا ہوں گے۔ انسان واقعی انسان بن جاتا ہے اور یہی گوہر نایاب ان اللہ والوں کی صحبت میں حاصل ہوتا ہے جو دل کے روحانی معالج ہیں۔

شریعت کے عطا کردہ ان معمولات پر عمل کرنا دنیاوی طریق علاج سے کس قدر آسان ہے کہ نہ پیسوں کا خرچ نہ آپریشن کی مشقت واذیت، اس قدر آسان اعمال پر بعض اوقات ہماری نظر نہیں جاتی یا ہم نظر انداز کر دیتے ہیں جب کہ ڈاکٹر بائی پاس کے لئے کہہ دیں تو ہم جس طرح ہو سکے اسباب مہیا کر کے اس دنیاوی علاج کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ انسانیت کے سب سے بڑے مشفق نبی کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے اکسیر نسخے جملہ جسمانی وروحانی امراض کے لئے صدیوں سے مجرب ہیں۔ ذیل میں ایسے چند اعمال ووظائف ذکر کئے جاتے ہیں۔

سورہ کہف کی خاصیت کے بارے میں حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو کوئی ہر جمعہ کو ایک بار پڑھے انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے جمعہ تک اس کا دل نور سے منور ہوگا:

"فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ" (سورہ ہود)

استقامت قلب کے لئے گیارہ مرتبہ ہر نماز کے بعد پڑھنا مفید ہے۔

"رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ۝ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ۝" (المومنون۔ ۹۷۔۹۸)

جس کے دل میں وسوسہ شیطانی بکثرت پیدا ہوتے ہیں وہ اس آیت کو بکثرت پڑھے انشاء

اللہ ان وساوس سے محفوظ رہے گا۔

اَلنُّوْرُ: ...... اس کے ذکر سے نور قلب حاصل ہوگا۔

اَلْمَاجِدُ: ...... لقمے پر پڑھ کر کھائے تو تقویت قلب حاصل ہو، ہمیشہ پڑھنے سے دل منور ہو

یَا اَللّٰهُ قَوِّنِیْ وَقَلْبِیْ: ...... ''اے اللہ مجھے اور میرے دل کو قوت دے۔'' ہر نماز کے
اور جب بھی کوئی تکلیف ہو تو دل پر سیدھا ہاتھ رکھ کر یہ دعا بار بار پڑھیں۔

سکون قلب کے لئے قلب کی اصلاح ضروری ہے

دل گلستان تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
یہ بیاباں جب ہوا عالم بیاباں ہوگیا

''پہلو میں دل کا شور'' آپ نے بہت سنا ہوگا لیکن اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا اتنا
کیوں ہے؟ اسلام میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ ان سوالوں کا جواب علم تصوف دیتا ہے۔

انسان گوشت پوشت کا نام نہیں

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ہم انسان ہیں ہمیں اپنے انسان ہونے پر فخر بھی ہے لیکن کبھی ہم نے غور کیا کہ ''انسان
کہتے کسے ہیں؟ کیا انسان اس گوشت پوست ان ہاتھ پاؤں ناک، کان اور اس ظاہری ڈھا
کا نام ہے؟ کیا انسان کا لفظ صرف ہمارے ظاہری جسم اور اعضاء و جوارح کے لئے وضع ہوا ہے
ہم غور کریں گے تو ان سوالات کا جواب ہمیں نفی میں ملے گا اس لئے کہ واقعات اس کی ترد
کرتے ہیں۔ اس بات کو ذہن نشین کرنے کے لئے ایک مثال پر غور کیجئے۔

زید ایک انسان ہے۔ اپنی زندگی میں وہ اپنے مال و دولت اور زمین جائیداد کا مالک ہے
اپنی بیوی کا شوہر ہے۔ اپنے دفتر کا افسر ہے اپنے ماتحتوں پر اس کا حکم چلتا ہے۔ اس کے چھوٹے
اس سے ڈرتے ہیں جب تک اس کے سینہ میں آخری سانس باقی ہے اس وقت تک کسی کی مجال
نہیں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال لے اڑے یا اس کی جائیداد پر قبضہ کر کے بیٹھ
یا اس کی بیوی کو اپنی بیوی بنا لے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو قانون اس کی پشت پناہی کے لئے
موجود ہے۔ قانوناً وہ شخص سزا کا مستحق ہوگا۔

لیکن جہاں آخری سانس اس کے منہ سے نکلا تو نہ وہ مال و دولت کا مالک رہا نہ زمین جائیداد کا نہ بیوی اس کی رہی نہ اس کے ماتحت اس کی لاش صحیح سالم ابھی گھر میں موجود ہے لیکن اس کی تمام دولت کسی اور کی ہو چکی ہے۔ جو مکان اس نے اپنے لئے تعمیر کیا تھا اب غیروں کی ملکیت ہے جن نوکروں پر وہ حکم چلاتا تھا اب وہ کسی اور کے چشم و ابرو کو دیکھتے ہیں۔

انسان میں اصل چیز روح ہے

اگر انسان اس گوشت پوست اور ظاہری ڈھانچہ کا نام تھا سوال یہ ہے کہ اتنا بڑا انقلاب کیسے رونما ہوگیا۔ اس کا جسم وہی جسم ہے اس پر وہی گوشت پوست اب بھی موجود ہے۔ اس میں ہاتھ پاؤں اور ناک کان اسی طرح لگے ہوئے ہیں لیکن اب اس کو کوئی انسان کیوں نہیں کہتا؟ اب اسے انسانی حقوق کیوں حاصل نہیں؟

معلوم ہوا کہ ''زید'' صرف گوشت پوست اور ظاہری ڈھانچہ کا نام نہیں تھا سوال یہ ہے کہ وہ پھر کس چیز کا نام تھا؟ آیئے دیکھیں کہ ''زید'' کی لاش میں وہ کونسی چیز ختم ہوگئی ہے جس کی بناء پر اب اسے انسان نہیں کہا جاتا؟ ذرا سا غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ''زید'' کی لاش میں اور تمام چیزیں موجود ہیں صرف ایک چیز کی کمی ہے اور وہ ہے ''روح'' اسی روح کی کمی سے اب زید وہ نہیں رہا جو کبھی کوٹھی بنگلوں کا مالک تھا اور جس کا اس کے ماتحتوں پر حکم چلا کرتا تھا۔

انسان جسم اور روح کے مجموعے کا نام ہے

اس تشریح سے واضح ہوگیا کہ انسان صرف گوشت پوست اور جسم کا نام نہیں بلکہ جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔ جب تک روح کا تعلق جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے اس وقت تک انسان، انسان کہلاتا ہے اور جب روح جسم کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے تو پھر وہ ایک بے جان لاش بن جاتا ہے انسان نہیں رہتا۔

انسان میں دو قسم کے جہان پائے جاتے ہیں

اسی بات کو دوسرے پیرایہ میں یوں کہہ لیجئے کہ انسان میں دو قسم کے جہان پائے جاتے ہیں۔ ایک جسم اور مادہ کا جہان جسے ہم آنکھوں سے دیکھ کر اور ہاتھوں سے چھو کر محسوس کر لیتے ہیں اور اس

جہان کے ساتھ ایک باطنی جہان اور ہے جسے ہم نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں۔ اسی باطنی دنیا میں ''روح'' آباد ہے۔ اسی پوشیدہ دنیا میں دل دھڑکتا ہے۔ اسی میں خواہشیں جنم لیتی ہیں۔ اسی میں امنگیں اور آرزوئیں پروان چڑھتی ہیں۔ اسی میں سرور اور غم نفرت اور محبت ایثار اور بغض جیسے جذبات پرورش پاتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہی پوشیدہ دنیا جسے ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں انسان کی اصل دنیا ہے۔ جب تک اس دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے اسی وقت تک انسان زندہ رہتا ہے اور اسے معاشرے میں تمام انسانی حقوق حاصل ہوتے ہیں لیکن جہاں یہ نظام بند ہوجاتا ہے وہیں انسان مردہ کہلانے لگتا ہے اور اس کے تمام حقوق سلب ہوجاتے ہیں پھر جس طرح انسان کا ظاہری جسم کبھی تندرست ہوتا ہے اور کبھی اسے بیماریاں لگ جاتی ہیں اسی طرح روح بھی کبھی صحت مند ہوتی ہے اور کبھی بیمار ہوجاتی ہے۔ جس طرح زکام نزلہ بخار اور مختلف قسم کے درد جسم کی بیماریاں ہیں اسی طرح غم وغصہ خودغرضی تکبر، ریاء اور خودپسندی روح اور دل کی بیماریاں ہیں۔

اسلام کا ہمہ گیر نظام

اسلام چونکہ زندگی کا ایک ہمہ گیر نظام ہے اس لئے اس نے انسان کی ان دوحیثیتوں کو نظرانداز نہیں کیا۔ اس نے جہاں ہمارے ظاہری جسم کے متعلق ہمیں کچھ ہدایات دی ہیں وہاں ہمارے دل کی پوشیدہ دنیا سے متعلق بھی ہمیں کچھ احکام بتلائے ہیں۔ جس طرح ہماری ظاہری زندگی میں وہ ہمیں نماز، روزہ، حج اور زکوۃ جیسے بہترین اعمال کو اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے اور کچھ برے کاموں سے روکتا ہے اسی طرح ہماری باطنی زندگی میں اپنے آپ کو کچھ بہترین صفات سے آراستہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور کچھ رذیل صفات سے پاک کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام کے جو احکام ہماری ظاہری زندگی سے متعلق ہیں وہ علم فقہ کا موضوع ہیں اور جو احکام ہمارے باطن کی پوشیدہ دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور علم تصوف میں بیان کئے جاتے ہیں۔

قلب کی حقیقت

لٰہذا علم تصوف کا موضوع ہمارے دل کی وہ دنیا ہے جو ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آتی مگر اس کا ہماری زندگی سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دل کیا ہے؟ طبیبوں اور ڈاکٹروں سے پوچھئے تو وہ اس کا جواب یہ دیں گے کہ دل گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جو انسان کے

سینہ میں بائیں جانب لٹکا ہوا ہے اور اس کے جوف میں سیاہ قسم کا جما ہوا خون ہوتا ہے جو سویداء قلب کہلاتا ہے اور جب یہ لوتھڑا خون کو پمپ کر کے باہر کی طرف پھینکتا ہے تو اس کو دل کی دھڑکن سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح روح اطباء کے نزدیک اس بھاپ (اسٹیم) کا نام ہے جو قلب کے اندر خون سے پیدا ہوتی ہے اور شریانوں کے ذریعے سارے بدن میں پہنچ جاتی ہے۔

دل اور روح

لیکن تصوف میں جس چیز کو دل اور روح کہا جاتا ہے وہ اس ظاہری روح اور دل سے کسی قدر مختلف ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں ''دل'' اور ''روح'' دو لطیف قوتیں ہیں جو انسان کے خالق نے اس ظاہری قلب وروح کے ساتھ پیدا کی ہیں جس طرح آنکھ دیکھنے کی کان سننے کی اور ہاتھ چھونے کی طاقت رکھتے ہیں اسی طرح خون کا یہ لوتھڑا جسے ''دل'' کہتے ہیں خواہشیں کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں دل اسی طاقت کا نام ہے جو انسان میں مختلف خواہشیں اور جذبات پیدا کرتی ہے۔

دل اور روح کی یہ لطیف اور پوشیدہ قوتیں ہمارے ظاہری قلب کے ساتھ کیا جوڑ رکھتی ہیں؟ ان دونوں میں باہم کیسا ربط ہے؟ کس طرح ہے؟ یہ صرف خدا جانتا ہے جس نے یہ جوڑ پیدا کیا ہے، جس طرح ہمیں یہ معلوم نہیں کہ مقناطیس اور لوہے میں کیا ربط ہے مقناطیس روئی اور کاغذ کو کیوں نہیں کھینچتا؛ اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ قلب وروح کی پوشیدہ قوتیں خون کے اس لوتھڑے سے کیا جوڑ رکھتی ہیں؟ اسی لئے جب مشرکین نے روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا تو اس کے جواب میں یہی کہا گیا کہ

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (الاسراء، ۸۰)

''یعنی روح ایک امر ربی ہے، جس کی حقیقت تم نہیں جان سکتے۔''

تصوف ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ دل کی یہ پوشیدہ دنیا انسان کی ظاہری دنیا کی بنیاد ہے اور اسی پر انسان کا بناؤ اور بگاڑ موقوف ہے۔ اگر دل کی یہ دنیا صحیح ہے اس کا نظام ٹھیک ٹھیک چل رہا ہے اس میں صحیح خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ صحیح جذبات جنم لیتے ہیں تو انسان صحت مند ہے اور اگر اس کا نظام گڑبڑ ہے تو انسان کی ظاہری زندگی کا نظام بھی گڑبڑ ہوجاتا ہے۔ سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ ﷺ نے اسی حقیقت کو آج سے تیرہ سو سال پہلے اس طرح بیان فرمایا تھا۔

الا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب.

"خبردار! جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست رہے تو پورا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے۔"

تصوف کا موضوع

دل کے سنورنے اور بگڑنے کا کیا مطلب ہے؟ وہ کن چیزوں سے سنورتا اور کن چیزوں سے بگڑتا ہے اس کی بیماریاں کیا ہیں؟ اور ان کا علاج کیسے کیا جاسکتا ہے؟ بس یہی باتیں علم تصوف کا موضوع ہیں۔

اصلاح قلب کے لئے وقت نکالنے کا طریقہ

قلب کی درستی ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ سے ہوتی ہے۔ آج کہاں سے لاؤں یہ چیزیں سارا دن فرصت نہیں ٹائم ہی نہیں ملتا۔ ٹائم اس لئے نہیں کہ اللہ نے تندرستی دے رکھی ہے۔ ابھی ذرا کان میں درد ہو جائے تو سارا ٹائم نکل آئے گا۔ وقت تو نکالنے سے نکلتا ہے۔ بعض لوگ انتظار میں رہتے ہیں فرصت کی جب فرصت ہوگی تب ذکر اللہ کریں گے۔ تم تو فرصت کا انتظار کر رہے ہو اور فرصت تمہارا انتظام کر رہی ہے۔ عمر بھر تم کو فرصت نہیں ملے گی۔ یہ تو نکالنے سے نکلے گی۔ گھر کی ضروریات کے لئے مقدمہ کے لئے اور دوا کے لئے وقت نکالتے ہو۔ صحبت اہل اللہ کے لئے کیوں نہیں نکالتے جس مالک نے سب کچھ دیا ہے۔ نفس کی خاطر چوبیس گھنٹے میں سے کتنا نکالتے ہو، اللہ کے شکر کے لئے کتنا وقت نکالتے ہو وقت نکالنا نہیں نکالا جاتا ہے نفس سے مطالبہ کرو کہ آرام اور کھانے کمانے اور بچوں میں کتنا وقت لگاتا ہے اور ذکر کے لئے کتنا مقرر کیا حضور ﷺ نے تو دن میں دو تہائی اور رات میں دو تہائی اللہ کی یاد کے لئے نکالا ہے تم چوتھائی آٹھواں کچھ تو نکالو۔ آٹھواں حصہ جو بہت کم ہے وہ تین گھنٹہ ہے۔ اس میں بھی بہت کچھ کر سکتے ہو۔ اب یہ سمجھ لو کہ ادنیٰ درجہ آٹھواں حصہ یعنی تین گھنٹہ ہے۔ جس میں نفس کی پیروی کی کاروبار کی کوئی شمولیت نہ ہو اب اس میں اگر سب نمازیں بھی شامل کر لو تو بہت خشوع سے دو گھنٹہ ہوتے ہیں۔ یعنی نمازوں کے علاوہ ایک گھنٹہ نکالو اس لئے کہ علاج کرنا ہے دل کا۔ ہمارا دل بیمار ہے سب سے اچھا یہ ہے

کہ کسی اللہ والے سے رابطہ پیدا کرو اپنی باگ اس کی ہاتھ میں دے دو جب تک ڈاکٹر کی رائے سے علاج نہ کراؤ گے صحت کاملہ نہ ملے گی۔

اعمال کی درستی قلب کے تابع ہے

اعمال کی درستی قلب کے تابع ہے اور قلب کا تعلق اللہ کے ساتھ ہو جائے یہ ہے قلب کی صحت۔ اس کا راستہ سب سے پہلے علم حاصل کرنا پھر ایسے کاموں سے بچنا جن سے اللہ اور رسول ناراض ہوں اور اس کا آسانی سے حاصل ہونا یہ ہے کہ کسی بزرگ کو تلاش کر لو صحبت کرو ایسا آدمی مل جائے دنیا اللہ والوں سے خالی نہیں ہے۔ تم اپنے جسمانی مرض کے لئے کیسے اچھے طبیب تلاش کرتے ہو اور اللہ والے سے عمل سیکھنے کے دوران ہی تم کو ذکر کی توفیق ہو جائے گی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جس ذکر سے تمہارے قلب کو راحت ملے وہی ذکر پہلے اختیار کر لو۔ اس کو دل قبول جلد کرے گا ہر وقت اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ایک کلمہ زبان پر جاری رکھو یہ کر کے دیکھو انقلاب آ جائے گا دل میں۔ مگر ہم تو کرتے ہی نہیں کوئی چیز کتنی پاس یا دور ہو چلنا ہر شکل میں پڑتا ہے جب قدم ہی نہ اٹھاؤ گے کیسے ملے گی؟

اصلاح قلب ضروری ہے

قلب کی اصلاح ضروری ہے۔ آخرت کی نجات دنیا کی عافیت چاہتے ہو تو قلب کی اصلاح کرو۔ قلب باطنی چیز ہے۔ اس کا قابو میں آنا آسان نہیں۔ اس کا علاج بعض اوقات دوسرے طریقہ سے کرتے ہیں جیسے انجکشن، کہ دوسرے راستہ سے دوا داخل کرتے ہیں۔ اسی طرح قلب کو ٹھیک کرنے کے لئے پہلے جوارح کا عمل صحیح کرو۔ ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، زبان کو ذکر اللہ میں لگاؤ۔ یہ علاج دیرپا نہیں جیسے انجکشن مگر فوری رخ بیماری کا اس سے پھر جاتا ہے فرائض کے بعد نوافل میں مساجد میں تلاوت میں عادت سے زیادہ وقت لگاؤ بہت سے لوگ عبادات میں زیادہ وقت لگاتے ہیں مگر علم دین زیادہ نہیں ہوتا ان کو چاہئے پہلے علم دین حاصل کریں۔ غرض دل کی امراض کا علاج علم دین ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ ہے۔

ان سے ملنے کی ہے یہی ایک راہ
کہ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

نفس کے حیلے بہانے

آج ہمارا نفس کہتا ہے اللہ والے کہاں ہیں؟ وہ مولوی الگ یہ عالم الگ۔ سب میں کیڑے ہیں، ہم نے سب مولویوں کو دیکھ لیا سب دکاندار ہیں۔ یہ نتیجہ محض نفس کا دھوکہ ہے جب یہی بات ہے تو بتاؤ کون سا ڈاکٹر مخلص ہے کون سا وکیل مخلص ہے سب پیسہ کھینچنے والے ہیں۔ کون تمہارا اصل خیر خواہ ہے۔ ہزاروں لاکھوں میں ایک ایسا ہوگا جو خیر خواہی کرے گا۔ جب خود غرضی اتنی ہے تمہارا نفس یہ بھی کہتا ہے کہ سارے ڈاکٹر مطلب کے ہیں اب علاج ہی چھوڑ دو جو ہمارا جی چاہے گا کھائیں گے پئیں گے۔ جب سارے وکیل مطلبی ہیں تو چھوڑو ان وکیلوں کو ہم خود اپنا مقدمہ لڑیں گے دودھ خالص نہیں ملتا چھوڑو دودھ کو پانی پینا شروع کرو۔ آٹا خالص نہیں، چھوڑو مٹی کی روٹی پکاؤ۔ نہیں دنیا کی معاملہ میں چاہے ایک کے دو خرچ کردیں جہاں چیز اچھی ملے لائیں گے۔ جو ڈاکٹر اچھا ہو اس کے پاس جائیں گے۔ وہاں شیطان یہ نہیں بتاتا کہ سارے ڈاکٹر چھوڑو۔ دین کے لئے بتاتا ہے سارے، مولوی چھوڑو۔ اس لئے کہ سارے مولوی چھڑا کر شیطان خود اس کا مولوی بننا چاہتا ہے۔ اللہ والے اس دنیا میں آج [illegible] ہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ ایسی لوگ ضرور ملیں گے۔ دودھ کا وکیل کا وعدہ نہیں اللہ کا۔ اللہ کا وعدہ صادقین کی صحبت کا بہت جگہ ہے اور یہ وعدہ قیامت تک کے لئے ہے۔ سچے لوگ اگر قیامت تک ملنے والے نہ ہوتے تو اللہ کا یہ وعدہ نہ ہوتا تھی، آٹا اور دودھ خالص ملنے کا وعدہ اللہ نے نہیں کیا۔ ہاں اللہ والوں کے لئے ضرور وعدہ ہے۔

ایک دھوکہ شیطان کا یہ ہے کہ جب ہم کبھی کسی عالم کی تلاش میں نکلتے ہیں تو معیار ذہن میں ہوتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کا جو اس کے خلاف ہو اس کو متقی ہی نہیں سمجھتے۔ یہ نہیں خیال کرتے کہ تم خود کہاں پڑے ہو۔ ان کے زمانہ کے آدمی بھی ایسے ہی تھے جیسے بزرگ اور جیسی روح ویسے فرشتے۔ آج جیسے تم عیوب سے بھرپور ہو ان میں سے ہی کچھ بہتر مل سکتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر نہیں آئیں گے جنید و شبلی نہیں آئیں گے امام غزالی نہیں آئیں گے۔ آج کوئی یہ کہے کہ بیمار ہوں مگر علاج کراؤں گا اجمل خان سے تو پھر وہ مر جائے گا شفا نہ ہوگی۔ ہاں یہ دیکھ لو کہ ان کا شاگرد ہو ان کے شاگرد کا شاگرد ہو ان کے اصولوں پر علاج کرنے ا ہو بس اس کو پکڑ لو۔

دل کی اصلاح کا تیر بہدف نسخہ

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ایک تو دین کی کتابیں دیکھنا یا سننا دوسرا مسائل دریافت کرتے رہنا تیسرا اہل اللہ کے پاس آنا جانا اور اگر ان کی خدمت میں آمد و رفت نہ ہو سکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات و ملفوظات ہی کا مطالعہ کرنا یا انہیں سن لیا کرنا ساتھ ہی اگر تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کر لیا جائے تو یہ اصلاح قلب میں بہت ہی معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ (یعنی محاسبہ نفس) کے لئے نکال لینا چاہیے جس میں اپنے نفس سے اس طرح کی باتیں کرنی چاہئیں"

"اے نفس ایک دن دنیا سے جانا ہے، موت بھی آنے والی ہے، اس وقت یہ سب مال و دولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی، بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے اور خدا تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا۔ اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا۔ اگر گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں ہے۔ اس لئے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لئے کچھ سامان کر یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے۔ اس کو فضول مت برباد کر۔ مرنے کے بعد تو اس کی تمنا کرے گا کہ کاش میں کچھ نیک عمل کر لوں جس سے مغفرت ہو جائے مگر اس وقت مجھے یہ حسرت مفید نہیں ہوگی۔ پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کر لے۔"

جسم اور روح

علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مجھ کو اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو اپنی صورت پر ناز کر کے اکڑتا ہوا چلتا ہے اور ابتدائی حالات کو بھولا رہتا ہے۔

انسان کی ابتداء تو وہ لقمہ ہے جس کے ساتھ پانی کا ایک گھونٹ ملا دیا گیا ہو۔ اگر تم چاہو تو یہ

کہہ لو کہ روٹی کا ایک ٹکڑا ہے جس کے ساتھ کچھ پھل ہوں گوشت کی ایک بوٹی ہو دودھ کا ایک پیالہ ہو پانی کا ایک گھونٹ اور ایسی ہی کوئی چیز اور بھی ہوگی۔ ان سب کو جگر نے پکایا تو اس سے منی کے چند قطرے بنے جو مرد کے فوطوں میں ٹھہرے۔ پھر شہوت نے ان کو حرکت دی تو ماں کے پیٹ میں جا کر ایک مدت تک رہے۔ یہاں تک کہ صورت مکمل ہوئی پھر اس بچہ کی شکل میں نکلے جو پیشاب کے کپڑوں میں لتھڑتا ہے۔

یہ تو اس کی ابتداء ہے۔ اب "انتہاء" یعنی انجام دیکھو۔

مٹی میں ڈال دیا جائے گا جسم کو کیڑے کھا ڈالیں گے۔ ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گا پھر تیز ہوائیں اِدھر سے اُدھر اڑتی پھریں گی۔ جب اکثر یہ ہوتا ہے کہ بدن کی مٹی نکال کر دوسری جگہ منتقل کر دی جاتی ہے۔ پھر مختلف حالات میں بدلتی رہتی ہیں یہاں تک کہ ایک دن لوٹے گی اور اکٹھی کی جائے گی۔

یہ بدن کا حال ہوا جب کہ روح جس کے ذمہ عمل ہے اس کا حال یہ ہے کہ اگر ادب سے آراستہ ہوئی علم سے درست کی گئی اپنے صانع کو پہچانا اور اس کی حقوق کو ادا کرتی رہی تو سواری (یعنی بدن) کی کمی اور کوتاہی اس کے لئے نقصان دہ نہ ہوگی اور اگر اپنی جہالت کی صفت پر باقی رہ گئی تو وہ بھی مٹی کے مشابہ ہے بلکہ اس سے بدتر حالت میں ہے۔

دل کی صفائی

ہم اپنے گھر میں صفائی پسند کرتے ہیں۔ ذرا بھی کہیں کوڑا کرکٹ نظر آئے، عورتوں کو ڈانٹ پڑتی ہے۔ صفائی کیوں نہیں کی۔ اپنے گھروں میں صفائی چاہنے والے ذرا غور کریں دل بھی تو اللہ رب العزت کا گھر ہے۔ اس میں بھی صفائی آنی چاہئے، اس پر جو گناہوں کا میل پڑا ہے کوڑا کرکٹ بھرا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے اسے ردی کی ٹوکری بنا رکھا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا گھر ہے وہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ دل صاف ہو۔ جب دل صاف ہو جائے گا تو پھر اللہ رب العزت کی رحمتیں خود بخود اس میں آئیں گی۔ صفائی کرنے میں ہماری طرف سے دیر ہے فقہ کا مسئلہ ہے کہ جس کمرہ میں (جاندار) کی تصویر لگی ہو اللہ رب العزت کی رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے بالکل اسی طرح جس دل میں کسی کی تصویر بیٹھی ہوگی اللہ رب العزت اس دل میں آنا کیسے پسند فرمائیں گے؟ جب رحمت کا فرشتہ نہیں آتا تو رحمتیں بھیجنے والے کی محبت کیسے آئی گی؟ اس لئے اس دل پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

دل کی قیمت

دیکھئے انسان کے جتنے بھی اعضاء ہیں وہ اس دل کے تابع ہیں۔ دل کے سنور نے سے انسان سنورتا ہے اور دل کے بگڑنے سے انسان بگڑتا ہے۔

دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی
جس نے اسے سنوار دیا وہ سنور گیا

ایک دفعہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کی جامع مسجد میں خطبہ دیا۔ فرمایا مغل بادشاہو! تمہارے خزانوں کی بڑی تعریف سنی ہے۔ لیکن ولی اللہ کے سینہ میں ایک دل ہے۔ تمہارے خزانے سب مل کر بھی اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے، سوچو! یہ کتنا قیمتی بن گیا ہوگا۔

دل قیمتی کیسے بنتا ہے؟ اس دل کو قیمتی بنانے کے لئے اس پر محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس کو سنوارنا پڑتا ہے اس کو بنانا پڑتا ہے، اس سے دنیا کی محبت کو نکالنا پڑتا ہے، تب یہ دل سنورتا ہے الٹی سیدھی خواہشات دل سے نکالنی پڑتی ہیں تب انسان کا دل سنورتا ہے۔ اس میں سے دنیا کی محبت کیسے نکلے؟ اس کے لئے اللہ والوں سے سیکھ کر ذکر کرنا پڑتا ہے ذکر کرنے سے انسان کا دل سنور جاتا ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت "اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً" (النمل۔۳۴) ہے۔ اس کے تحت حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب تمثیل لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر "ان الملوک" سے مراد مالک الملک کا نام لیا جائے یعنی اللہ رب العزت اور ان کا نام اور "قریۃ" سے مراد دل کی بستی لے لی جائے تو فرماتے ہیں کہ پھر اس کے معنی بنیں گے "اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً" کہ جب اللہ رب العزت کا نام دل کی بستی میں سما جاتا ہے "افسدوھا" انقلاب مچا دیتا ہے۔ "وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً" اور دنیا جو دل میں معزز بنی ہوتی ہے اس کو ذلیل کر کے دل سے نکال دیا کرتا ہے۔ لہٰذا دوستو! اللہ رب العزت کے ذکر میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ یہ دنیا کی محبت دل سے نکالتا ہے۔ اللہ رب العزت کی محبت سے دل کو منور کرتا ہے اور جب یہ دل بنا ہوا اور سنورا ہوا تو پھر انسان کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

دل کا بگاڑنا آسان ہے

اس دل کا بگاڑنا بڑا آسان ہے۔ دیکھئے جیسے گھر کے اندر روشندان ہوتے ہیں اگر وہ کھلے رہیں تو پھر سارے کمرے میں مٹی آتی ہے۔ اسی طرح سے اگر آنکھ کان وغیرہ کا روشندان کھلا رہے تو دل کے کمرہ میں مٹی ہے اور آج کل کے نوجوانوں کا تو یہ روشندان بند ہی نہیں ہوتا۔

ایک شخص حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا کہنے لگا حضرت! پتہ نہیں ہمارے دل سو گئے ہیں۔ فرمایا وہ کیسے؟ عرض کیا کہ حضرت! آپ درس دیتے ہیں وعظ و نصیحت کرتے ہیں لیکن دل پر اثر نہیں ہوتا۔ حضرت نے فرمایا اگر یہ معاملہ ہے تو یہ نہ کہو کہ دل سو گئے تم یوں کہو کہ دل مو گئے مر گئے) وہ بڑا حیران ہوا کہنے لگا حضرت! یہ دل مر کیسے گئے؟ حضرت نے فرمایا دیکھو جو انسان سویا ہوا ہو اسے جھنجھوڑا جائے تو وہ جاگ اٹھتا ہے اور جو جھنجھوڑنے سے بھی نہ جاگے وہ سویا ہوا نہیں وہ مویا ہوا ہوتا ہے۔ جو انسان اللہ کا کلام سنے، نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان سنے اور پھر دل اثر قبول نہ کرے یہ دل کی موت کی علامت ہوتی ہے۔ تو ہم اس دل کو مرنے سے پہلے پہلے روحانی اعتبار سے زندہ کر لیں۔ جب یہ دل سنور جائے پھر اس میں اللہ رب العزت کی محبت بھر جاتی ہے پھر اس کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

دل گلستان تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
یہ بیاباں جب ہوا عالم بیاباں ہو گیا

یہ اللہ والوں کی کیفیت ہوتی ہے ان کا دل اللہ کی محبت سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ پھر اللہ کے سوا کسی اور کی جانب دھیان ہی نہیں جاتا۔ پھر بندہ کا دل قیمتی بن جاتا ہے۔ اس دل کو سنوارنے کے لئے مشائخ باقاعدہ ذکر بتاتے ہیں۔ ہم ان کو باقاعدگی سے کریں تاکہ دل اللہ رب العزت کی محبت سے لبریز ہوں پھر ہمیں راتوں کو اٹھنے میں مزہ آئے گا۔ پھر ہمیں راتوں کو اٹھنے کے لئے گھڑیوں کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ بستر ہی اچھال دے گا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب بیان میں اہل دل کے واقعات سناتے تو فرماتے تھے کہ ان لوگوں کا دل بنا ہوا تھا۔ اے اللہ ہمارے دل کو بھی سنوار دیجئے۔

کسی پہ حال دل اپنا عیاں نہیں ہوتا
بیاں ہزار کروں میں بیاں نہیں ہوتا

تجھے خیال یہ آساں نہیں ہوتا
کہ صبر ظلم تجھی رائیگاں نہیں ہوتا
ہم اپنے آپ کے ہوتے ہیں آپ ہی دشمن
وہ مہرباں کبھی نامہرباں نہیں ہوتا
میں ناتواں ہوں ترے سالکوں میں یوں جیسے
غبار راہ میں پس کارواں نہیں ہوتا
بڑھے گی حسن کی ہر روز گرم بازاری
گراں ہزار کرو تم گراں نہیں ہوتا
خدا کا حکم بجا لانا اس قدر ہے گراں
بتوں کی ناز اٹھانا گراں نہیں ہوتا
عبث ہے فکر مداوا کہ موت سے پہلے
سکوں پذیر یہ قلب تپاں نہیں ہوتا
وہ پوچھتے بھی ہیں آ کر کبھی جو حال مرا
تو لب پہ کچھ بجز آہ و فغاں نہیں ہوتا
میں اے طبیب! سراپا ہوں درد مجھ سے نہ پوچھ
کہاں تو ہوتا ہے درد اور کہاں نہیں ہوتا
نکالو یاد حسینوں کی دل سے اے مجذوب
خدا کا گھر پئے ذکر بتاں نہیں ہوتا

(کشکول مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

راحت القلوب

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خطابات میں سے سکون قلب سے متعلق ایک اہم وعظ بنام ''راحت القلوب'' ملخص ذکر کیا جاتا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

''اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔''

تلاوت کردہ آیت کی تفسیر:

یادرکھو سمجھ رکھو کہ خدا ہی کی یاد کی ساتھ دلوں کو چین ملتا ہے۔ فقط ایک چیز ہے جس سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ تمام عالم میں چراغ لے کر ڈھونڈ آ ؤ کوئی دوسری چیز نہ ملے گی۔

قرار وسکون صرف ذکر اللہ میں ہے:

لہٰذا خدا کے ارشاد ہے معلوم ہوا کہ سوائے اس کی یاد کے چین کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ قرآن وسکون اگر ملتا ہے تو خدا ہی کی یاد ہے۔ اس کے بیان فرمانے میں بہت اہتمام فرمایا ہے۔ چنانچہ ''اَلَا'' سے کلام شروع کیا یعنی دیکھو ہوشیار ہو کر سن لو اور سمجھ لو یادرکھو خدا ہی کی یاد ایک ایسی چیز ہی جس سے قلوب کو چین ملتا ہے۔ دنیا بھر میں کوئی اور چیز ایسی نہیں جو قلب کو راحت پہنچا سکے۔ واقعی بہت بڑا دعویٰ ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس میں قلوب کا چین منحصر ہے۔

فرماتے ہیں ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (الرعد ۲۸) کہ سوائے یاد خدا کے کسی چیز میں قلوب کا چین نہیں اور ہر چند کہ ترجمہ سے مقصود ترغیب ہی ذکر کی ہے، لیکن قرینہ مقام سے خود ترغیب ۔ سے مقصود اس کا امر کرنا وار اس کا ضروری بتلانا ہے۔ اس بناء پر اس کے متعلق میرے ذمہ دو باتیں ثابت کرنا ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر اللہ ضروری چیز ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے سوا اور کوئی چیز ایسی نہیں جس میں قلوب کو چین حاصل ہو سکے۔ اول جو ضروری ہوتا ہے سو ضرورت اس کی بالکل ظاہر ہے تو ہر شخص اس کی ضرورت کی چیز ہے۔ خیر آخرت کو ابھی رہنے دیجئے۔ دنیا ہی کے نفع کو دیکھئے۔ اسی سے شاید آخرت کی رغبت ہو جائے حالانکہ آخرت اور دنیا میں مسلمان کو ایسا تعلق رکھنا چاہئے تھا کہ اگر کسی چیز میں دنیا کا نفع بتلایا جاتا تو جب تک آخرت کا نفع معلوم نہ ہو جاتا مسلمان کو اس کی طرف رخ بھی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اگر دنیاوی چیزوں کے طالب کو حق کی رغبت دلائی جاتی تو وہ یہ سوال کرتا کہ اس میں کچھ دین کا بھی فائدہ ہے اور اگر دین کا فائدہ کچھ نہ بتلایا جاتا تو وہ یہ کہتا کہ جب دین ہی کا نفع نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں اور اس طرف توجہ بھی نہ ہوتی اسی طرح اگر کسی کام میں یہ کہا جاتا کہ اس میں دین کا فائدہ تو ہے لیکن دنیا کا نفع کچھ بھی نہیں تو طالب حق کی یہ شان تھی کہ فوراً اس کی زبان سے نکلتا کہ خیر بھائی دین کا فائدہ چاہئے۔ دنیا کا نفع نہیں ہے تو نہ سہی اور بے تامل اس کام کو کر لیتا۔ اب معاملہ بالکل برعکس ہو رہا ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ آج اگر ہم آخرت کی تعلیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اعمال آخرت کی ترغیب

دیتے ہیں تو ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیوں صاحب کچھ دنیا کا بھی نفع ہوگا۔ اب اس کے جواب کی فکر ہوتی ہے۔ واللہ مجھے تو بہت ہی شرم آتی ہے کہ اعمال آخرت میں دنیاوی منافع بیان کروں لیکن کیا کروں مزاج ہی بگڑ گیا ہے۔

دنیا وآخرت میں فرق مراتب کا لحاظ ضروری ہے:

میں دنیا کی تحصیل سے منع نہیں کرتا لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ مقصود اصلی کیا چیز ہے کیوں صاحب میں کہتا ہوں ہر شے اپنے مرتبہ پر ہونی چاہئے۔ یہ مسئلہ تمام عقلاء کا مسلمہ ہے جب یہ ہے تو دنیا اور آخرت میں بھی فرق مراتب ضروری ہے دونوں کو اپنے مرتبہ پر رکھو۔ دیکھئے ایک چیز تو ایسی ہو جو صرف دس دن کام آئے اور دوسری چیز ایسی ہو جس کی عمر بھر ضرورت پڑے تو کیا دونوں کو ایک ہی مرتبہ پر رکھو گے۔ ہرگز نہیں ایک تو مستقل رہنے کا مکان ہوتا ہے اور ایک سرائے ہوتی ہے دونوں کے ساتھ ایک ہی سا معاملہ ہوتا ہے۔

ہمارا اصلی گھر:

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارا اصلی گھر کون سا ہے۔ ظاہر ہے کہ آخرت ہی ہمارا اصلی گھر ہے۔ اگر آخرت پر عقیدہ نہ ہو تب بھی موت کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے بعض فرقوں نے خدا کا بھی انکار کیا لیکن موت کا سب کو قائل ہونا پڑا اور وہ بھی اختیار میں نہیں کہ کب موت آ جائے اور ''طوعاً و کرھا'' دنیا کو چھوڑنا پڑے۔ موت ایسی زبردست چیز ہے کہ اس کا سب کو قائل ہونا پڑا اور بالخصوص مسلمان کہ وہ تو موت کے بعد آخرت کی زندگی کے بھی قائل ہیں جو یقینی پیش آنے والی ہے اور زندگی طویل بھی اتنی ہے کہ جس کا کبھی خاتمہ ہی نہیں۔ بس وہیں کی زندگی اصلی زندگی ہے اور وہی ہمارا اصلی گھر ہے۔ اس کا سامان ہمارے اعمال ہمارا دین ہماری اطاعت ہیں ان کو ہم عارضی گھر یعنی دنیا جو وہاں کے مقابلہ میں سرائے سے بھی بدرجہا کم ہے اس کے نذر کر رہے ہیں اور ہم نے جو کم کہا وہ اس لئے کہ فرض کیجئے اگر گھر پر پچاس برس عمر ہوئی تو سرائے کے چار دن کو پچاس برس کے ساتھ کچھ تو نسبت ہے۔ لاکھوں کروڑوں کوئی حصہ ہوا۔ آخر دونوں متناہی ہیں۔ برخلاف اس کے دنیا اور آخرت میں وہ بھی تو نسبت نہیں۔ بہت سے بہت دنیا کی عمر سو برس آخرت کی ہزار کروڑ، سنکھ مہاسنکھ جتنا بھی گن سکیں گے لیکن اس سے بھی زیادہ وہاں کی عمر۔ بس

اتنی بڑی عمر جس گھر میں گزارنی ہے اس کے سامان کو اس چند روزہ سرائے دنیا میں نثار کر رہے ہیں۔ اسی طرح سے کہ اگر کسی نے مکان تعمیر کردیا تو ہلال حرام کی مطلق پروانہ کی۔ ایمان بھی گھر میں لگا دیا دین بھی سامان بہم پہنچانے میں صرف کر دیا۔ نماز بھی اس کی نذر کردی۔

بے نمازیوں کو وظیفہ بتانے کی ایک ضروری شرط:

مجھ سے تو اگر کوئی بے نمازی دنیا کا وظیفہ پوچھتا ہے تو میں ایسا وظیفہ تجویز کرتا ہوں جس میں پانچوں نمازیں کے پڑھنے کی قید ہوتا کہ اسی بہانے سے نماز کی پابند نصیب ہوجائے اور دنیا ہی کے طفیل آخرت کی طرف توجہ ہوجائے۔ وہ چیز ذکر اللہ ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا اس کی ضرورت ہے یا نہیں۔ دین کی حیثیت سے اس کا ضروری ہونا تو ظاہر ہے دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کے اعتبار سے بھی ضروری ہے یا نہیں۔ دوسری بات یہ دیکھنی ہے کہ یہ ضرورت کسی اور چیز سے بھی حاصل ہوسکتی ہے یا نہیں۔

دنیا میں ہر شخص بس چین کا طالب ہے:

اس کا ضروری ہونا تو اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا طالب ہے۔ ایک شخص اولاد کا طالب ہے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح میں صاحب اولاد ہوجاؤں دوسرا کسی بڑے عہدہ کا طالب ہے۔ وہ اس دھن میں ہے کہ کسی صورت میں ڈپٹی کلکٹر ہوجاؤں یا جج ہوجاؤں۔ تیسرا ترقی کا طالب ہے وہ اس فکر میں ہے کہ کوئی ایسی تدبیر ہو کہ دو چار گاؤں ہاتھ آجائیں اور رئیس اعظم ہوجاؤں۔ ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس مکان بڑا عالی شان ہوجائے۔ ایک شخص ہے کہ وہ رات دن اسی کوشش میں ہے کہ میری حکام میں وقعت ہوجائے۔ آنریری مجسٹریٹ ہوجاؤں درباروں میں کرسی ملنے لگے۔

غرض دنیا ہی کے مقاصد کو دیکھ لیجئے کہ ان میں کس قدر اختلاف ہے۔ کوئی کسی چیز کا طالب ہے کوئی کسی چیز کا اور ہر شخص دوسرے کے مقصد کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ یہ بھی کوئی طلب کرنے کی چیز ہے تو بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص ایک جدا چیز کا طالب ہے لیکن یہ بات نہیں بلکہ ان مقاصد کے محض نام مختلف ہیں معنی مختلف نہیں۔ غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ جملہ مقاصد صورۃً مختلف ہیں معناً ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ درحقیقت یہ سب ایک ہی چیز کے

طالب ہیں۔ وہ چیز کیا ہے؟ اس کا نام ہے چین۔ ہر شخص بس چین کا طالب ہے۔ جو شخص بے قرار ہے اولاد کے لئے وہ سمجھتا ہے کہ اولاد ہوجائے گی تو میرے قلب کو چین ہوجائے گا اور جو ترقی کا طالب ہوگا وہ خیال کرتا ہے کہ میرے پاس دس گاؤں ہوجائیں گے تو مجھے چین ہوجائے گا۔ غرض جو شخص جس چیز کا طالب ہے اسی لئے کہ اس کے مل جانے پر اس کے قلب کو سکون اور راحت ہوجائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ چین اور راحت ہی کے سب طالب ہیں، لیکن اس راحت کے حصول کے لئے سامان اور ذرائع ہر شخص نے اپنے زعم کے موافق مختلف تجویز کر رکھے ہیں۔ ان کا اختلاف محض نام کا اختلاف ہے۔

اہل دین بھی دراصل طالب راحت ہیں:

راحت کی طلب وہ چیز ہے کہ اہل دنیا تو اہل دنیا اہل دین بھی اس کے طالب ہیں چنانچہ آخرت کی راحت کا مقصود ہونا ظاہر ہے۔ خلاصہ اس تمام تقریر کا یہ ہوا کہ ہر شخص کو بالذات راحت اور چین ہی مقصود ہے۔ گو بظاہر ہر شخص ایک مختلف چیز کا طالب نظر آتا ہو ظاہر کا اختلاف تو یہاں تک ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص ایک چیز کا طالب ہوتا ہے اور دوسرا طالب ہوتا ہے اسی چیز کے عدم کا۔ کیونکہ دنیا میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں۔ آزاد بھی ہیں پابند بھی بعضے لوگ تو ایسے ہیں کہ انہیں کہیں سے مثلاً بیس ہزار روپے مل جائیں تو وہ زندہ ہوجائیں اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمائیں۔ برخلاف اس کے کہ دوسرے کو اگر اتنا روپیہ ایک ساتھ مل جائے تو اسے تو ہونے لگے وحشت کہ اتنے سارے روپے کو آخر کروں گا میں کیا۔ یہ کہا کا بکھیڑا پیچھے ہو گیا تو بظاہر ایک شخص بیس ہزار کا طالب ہے دوسرا طالب نہیں بلکہ اس کے عدم کا طالب ہے لیکن حقیقت میں نہ وہ طالب ہے زر کا نہ یہ بے زری کا دونوں راحت کے طالب ہیں۔ اسے راحت سے زر میں اسے راحت ہے بے زری میں۔

اسی طرح ایک شخص تو ایسا ہے کہ آنریری مجسٹریٹ اس کو دی جاتی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ خدا کے لئے ہمیں معاف رکھو ہم نہیں چاہتے آپ کی آنریری مجسٹریٹی وہ سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے کہ اللہ مجھے معافی دیجئے، میں یہ جھگڑا اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔ دوسرا کوشش کر کے اس کو حاصل کرتا ہے اور حکام کی خوشامدیں کرتا پھرتا ہے کہ کسی طرح یہ عہدہ مل جائے۔ بظاہر دونوں متضاد چیز کے طالب معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت دونوں ایک چیز کے طالب ہیں۔ یعنی دونوں راحت

کے طالب ہیں۔اس نے دیکھا کہ راحت اسی میں ہے کہ اس بکھیڑے سے الگ رہوں کہاں کی مصیبت ہے۔ خواہ مخواہ اپنا چین بھی کیوں کھویا۔ دوسرا اس میں راحت سمجھتا ہے کہ مجسٹریٹی مل جائے گی تو خوب تماشا مخلوق کو دیکھنے کو ملا کرے گا۔ طرح طرح کے مقدمے قسم قسم کے معاملات ایک کو اس میں راحت ہے کہ تماشا مخلوق کا دیکھئے ایک کو اس میں راحت ہے کہ کسی کا تماشا نہ دیکھئے۔

دیکھئے یہ کہتا ہے کہ اس میں راحت ہے کہ کسی کو نہ دیکھوں اور وہ کہتا ہے کہ اس میں راحت ہے کہ سب کو خوب دیکھوں۔ یہ الگ بات ہے رائے کس کی صحیح۔ اس کی اس وقت گفتگو نہیں میں ابھی یہ ثابت کر رہا ہوں کہ ہر شخص درحقیقت راحت کا طالب ہے۔ اور لیجئے خلفاء کو خلافت سے گھبراتے تھے بعضے سلطنت کے لئے لڑتے مرتے ہیں۔ کسی نے سلطنت حاصل کرنے کے لئے باپ کو مار ڈالا کسی نے بھائی کو قتل کروایا ان میں راحت ہے ان کو ایک راحت خیال ہی ہوا۔ اسی طرح بعضے روپیہ پیسہ کے عاشق ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ وہ اس کے ذکر سے بھی گھبراتے ہیں۔

تو دیکھئے ظاہر میں سب کے الگ الگ مطلوب ہیں لیکن حقیقت میں سب ایک ہی چیز کے طالب ہیں یعنی چین کے یہ دوسری بات ہے کہ وقعی چین کس چیز میں ہے جو آگے ثابت ہو جائے گا۔ جب یہ بت ہے تو دنیا کے طالب بھی واقع چین کے طالب ہیں تو چین دینوی ضرورت کی چیز ہے کوئی ایسا نہیں جس کو راحت اور چین مطلوب نہ ہو۔ رہی آخرت سو آخرت کے چین کا مطلوب ہونا بالکل ظاہر ہے۔ کس کو اس میں کلام ہی نہیں۔ بفضلہ ایک مقدمہ تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ چین دنیا اور آخرت دونوں کی ضرورت کی چیز ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ باقی رہا کہ چین کس چیز میں ہے۔ سو حق سبحانہ وتعالیٰ دعویٰ فرماتے ہیں کہ خدا ہی کی یاد میں چین منحصر ہے۔ اب ذکر کے ضروری ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اب اس کا ثابت ہونا رہا کہ چین صرف ذکر اللہ ہی میں ہے سو یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہو سکتی ہے کہ دنیا دار ہرگز راحت میں نہیں۔ ٹٹول لیجئے طالبان راحت اور اسباب راحت جمع کرنے والوں کو یعنی ایک وہ شخص ہے کہ جس کی عمر گزر گئی سامان راحت جمع کرنے میں اور سامان جمع بھی ہو گیا۔ اول تو سب سامان جمع ہوتا نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى (النجم:۲۴)

یعنی کبھی ہوائیں مخالف ہوتی ہیں جو کشتی کے مقتضا کے خلاف ہے لیکن اگر ہر شخص اپنی سب تمنائیں حاصل کر بھی لے تب بھی راحت نہیں یعنی فرض کرو ایک شخص ایسا ہے کہ اس کی سب

تمنائیں پوری ہو گئیں یعنی سامان راحت جسے وہ سمجھتا تھا وہ سب جمع ہو گیا لیکن خود راحت تو خدا ہی کے قبضہ میں ہے یعنی دیکھنا یہ ہے کہ سعی سے کیا چیز جمع ہو سکتی ہے۔ راحت یا سامان راحت۔

دنیا میں کوئی شخص فکر و غم سے خالی نہیں:

ایک شخص ہے کہ اس کا عہدہ بھی بڑا ہے گاؤں بھی ہیں نوکر چاکر بھی ہیں چشم و خدم بھی ہیں حکومت بھی غرض سارا سامان راحت اور عیش کا جمع ہے۔ اول تو بہت کم ایسے ہوتے ہیں لیکن خیر آخر کوئی ایسا ہو بھی تو اس کو پیش نظر رکھ کر اس کی حالت دیکھئے اور تفتیش کیجئے کہ آیا اسے چین میسر ہے یا نہیں۔ میں سچ عرض کرتا ہوں چین پھر بھی اسے نصیب نہیں کوئی نہ کوئی پریشانی وہاں بھی ضرور پاؤ گے۔ اپنی عمر میں کوئی دنیا دار آرام میں نہیں۔ ایک شخص ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی مدتوں اس غم میں رہا کہ اولاد نہیں ہوتی خیر اولاد بھی ہو گئی تو پھر اولاد کے اولاد نہیں ہوتی اب اس غم میں ہے غرض کسی وقت فکر و غم سے خالی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جتنا سامان بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی پریشانی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ومن یحمد الدنیا لعیش یسرہ
فسوف لعمری عن قلیل یلومہا

"دنیا ایسی چیز ہے کہ جب یہ آتی ہے تو سینکڑوں پریشانیوں کو اپنے ساتھ لاتی ہے اور جب یہ جاتی ہے تو حسرت و افسوس چھوڑ جاتی ہے نہ اس کا آنا پریشانی سے خالی نہ اس کا جانا پریشانی سے خالی۔ شروع سے اخیر تک بس پریشانی ہی پریشانی ہے۔"

اس کے برخلاف اگر اہل اللہ میں سے کسی کو کوئی صدمہ پہنچے یا اگر ان کا بیٹا مر جائے تو وہ محزون بھی ہوں گے آنکھ سے آنسو بھی جاری ہو جائیں گے لیکن قلب کے اندر پریشانی نہ ہو گی کہ ہائے یہ کیا ہو گیا ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہوتا میں بقسم کہتا ہوں پھر بقسم کہتا ہوں اور پھر بقسم کہتا ہوں کہ یہ نہیں ہوتا کہ حسرت ہو اور ارمان ہو کہ ہائے یہ رہتا بلکہ ان کا قلب نہایت مطمئن ہوتا ہے کہ یہ بالکل مناسب ہوا۔ "الحمد للہ" جو کچھ ہوا بہت ٹھیک ہوا بالکل حکمت ہے سراسر رحمت ہے بلکہ انہیں تفصیلاً حکمتیں معلوم ہو جاتی ہیں ایمان ان کا درجہ حال میں ہوتا ہے درجہ اعتقاد میں تو سب مسلمانوں کو ہے۔ ان کا حال کا درجہ حاصل ہوتا ہے یہی راز ہے کہ انہیں خدا سے زیادہ محبت ہوتی

ہے بہ نسبت مخلوق کے۔ یہ نہیں کہ انہیں مخلوق کی محبت نہیں ہوتی مخلوق کی محبت ہوتی ہے لیکن ’’واللہ ثم واللہ ‘‘ مخلوق کی محبت محبت حق کے مقابلہ میں بالکل مغلوب گویا معدوم ہو جاتی ہے۔ موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ غالب غالب ہی ہے اور مغلوب مغلوب ہے۔

جس وقت محبوب کے حق کا غلبہ ہوتا ہے چاہے محبت مخلوق بھی ہو اور مخلوق کے کسی صدمہ سے کلفت بھی ہو لیکن اندر سے پریشانی نہیں ہوتی۔ وہ کلفت پر بھی راضی ہے اور وہ خوش ہے کہ ہمارے لئے یہی مصلحت ہی۔ اسی میں حکمت ہے یہی حال اس کا دعا کے ساتھ ہے کہ عین دعا کے وقت بھی تقاضا نہیں ہوتا کہ ایسا ضرور ہو ہی جائے اگر نہ ہو تو بھی تنگی نہیں ہوتی وہ اس پر بھی دل سے راضی کہ خدا کی یہی رحمت ہے۔ خواہ غم ہو یا خوشی راحت ہو یا تکلیف ہر حالت میں وہ راضی اور خوش ہے۔

اب اس سے بڑھ کر کیا ہے کہ سب سے زیادہ اپنا مرنا ہے آدمی زبان سے تو کہتا ہے کہ مجھے مرنے کی کچھ پرواہ نہیں لیکن امتحان کے وقت اس کا دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے تو سب سے بڑھ کر اپنی موت کا معاملہ ہے لیکن اللہ والوں کو اپنی موت کی بھی پرواہ نہیں اور ایک حیثیت سے اپنے مرنے سے بھی زیادہ اہم اپنی اولاد کا مرنا ہے کیونکہ وہ محبوب ہوتی ہے اور محبوب کی جان اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہوتی ہے مگر ان کی حالت موت اولاد کے وقت بھی پرسکون ہوتی ہے۔

اکابرین کے صبر جمیل کے چند واقعات

ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوان صاحبزادہ کا عین عید کے دن انتقال ہوا ادھر جواں بیٹے کے نزع ہو رہی ہے ادھر نماز کا وقت قریب ہے۔ مولانا نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ لو بھائی خدا کے سپرد ہم تو اب جاتے ہیں کیونکہ ہمیں نماز پڑھنی ہے۔ انشاء اللہ اب قیامت میں ملاقات ہوگی۔ یہ کہہ کر رخصت ہو گئے اور نماز کا اہتمام شروع کر دیا آنکھ سے آنسو جاری تھے لیکن ایک کلمہ بھی بے صبری کا زبان سے نہیں نکلا خوش تھے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے جواں سال صاحبزادہ کا انتقال ہو گیا۔ لوگ تعزیت کے لئے آئے لیکن چپ بیٹھے ہیں کہ کیا کہیں۔ اہل اللہ کا رعب ہوتا ہے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ کہے اور آخر کہتے بھی تو کیا کہتے۔ اگر کہے کہ رنج ہوا تو اس کے اظہار کی کیا ضرورت اگر

کہے کہ صبر کیجئے تو وہ خود ہی کئے بیٹھے ہیں۔ آخر ہر جملہ خبریہ کی کوئی نہ کوئی غایت تو ہونی چاہئے۔ بڑی دیر کے بعد آخر ایک نے ہمت کر کے کہا کہ حضرت بڑا رنج ہوا۔ فرمایا معلوم ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ بس پھر سارا مجمع چپ، لوگ آتے تھے اور کچھ دیر چپ بیٹھ کر چلے جاتے تھے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا صدمہ حضرت مولانا کو اس درجہ ہوا تھا کہ دست لگ گئے تھے اور کھانا موقوف ہو گیا تھا لیکن کیا مجال کہ کوئی کچھ ذکر کر دے۔ میں بھی اس موقع پر حاضر ہوا اب میں وہاں پہنچ کر متحیر کہ یا اللہ کیا کہوں؟ آخر چپ ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک مولانا ذوالفقار علی صاحب تھے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ کے والد بڑی عاشق مزاج اور حضرت حاجی صاحب کے والا و شیدا۔ ان کا یہ رنگ تھا کہ جب میں حضرت حاجی صاحب کے انتقال کے بعد اول مرتبہ ان سے ملنے گیا تو میری صورت دیکھتے ہی بڑے جوش کے ساتھ کہا:

بنال بلبل اگر بامنت سر یاری ست
کہ ما و او عاشق زاریم کار ما زاری ست

’’اے بلبل اگر تجھ کو میری دوستی کا خیال ہے تو رو کیونکہ ہم دونوں لاغر عاشق ہیں اور ہمارا کام رونا ہی ہے‘‘۔

اور آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں آبدیدہ ہو گیا۔ خیر وہاں کچھ کی بھڑاس نکلی۔

حضرت مولانا گنگوہی پر اتنے بڑے بڑے صدمات پڑے ہیں لیکن کیا ممکن کہ کسی معمول میں ذرا فرق آ جائے۔ چاشت تہجد اوابین کوئی معمول قضا تو کیا کبھی مؤخر بھی نہیں ہونے پایا۔ یہاں تک کہ کھانا بھی جب سامنے آیا تو اسے بھی خدا کی نعمت سمجھ کر کھا لیا۔ آنے والے کو یہ حالت دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انہیں کچھ بھی رنج نہیں۔ حالانکہ رنج اس قدر ہوتا تھا کہ میں نے ایک عریضہ صاحبزادہ کی تعزیت کا لکھا تھا۔ اس کے جواب میں مجھے فقط یہ لکھا کہ شدت ضبط سے قلب و دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ مجھ کو حیرت ہوئی تھی کہ یہ بھی کیسے ظاہر فرما دیا بے حد عنایت تھی کہ اتنا لکھ دیا ورنہ وہاں ضبط کی یہ شان تھی کہ کسی طرز سے پتہ نہ چلتا تھا نہ چہرہ سے نہ زبان سے وہی معمولات وہی اذکار، اشغال، وہی تعلیم تلقین کسی معمول میں ذرا فرق نہیں۔ واللہ یہ تعلق مع اللہ کی قوت ہے۔

کسی چیز کا اثر ان پر نہیں ہوتا۔ یعنی عقل کو اور حواس کو پریشان نہیں کرتا۔ باقی اثر کیوں نہ ہوتا وہ بے حس تھوڑا ہی ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی سی حس تو کسی میں نہیں ہوتی۔ قلب پر بھی ان کے اثر ہوتا ہے مگر وہ اثر پریشانی کی حد تک نہیں پہنچتا۔ بات یہ ہے کہ وہ سب شقوں پر رضا مند رہتے

ہیں کہ یوں ہو جائے بہت اچھا یوں ہو جائے بہت اچھا کس حال میں ناراضی نہیں میرے پاس الفاظ نہیں ہیں اس کیفیت کے بیان کرنے کی خدا نصیب کرے تو معلوم ہو۔

حکایت، حضرت فرید الدین عطار رحمہ اللہ:

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ پہلے عطاری کی دکان کیا کرتے تھے ایک دن اپنی دکان پر بیٹھے نسخے باندھ رہے تھے۔ ایک درویش کمبل پوش دکان کے آگے کھڑے ہو کر انہیں تکنے لگے۔ دیر تک اسی حالت میں دیکھ کر حضرت عطار نے فرمایا کہ بھائی جو کچھ لینا ہو لو، کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ درویش نے کہا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری دکان میں خمیرے شربت، معجونیں بہت سی چکنی ہوئی چیزیں بھری پڑی ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ مرتے وقت تمہاری روح کیسے نکلے گی جو اتنی چپکتی ہوئی چیزوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت عطار کو باطن کا تو چسکا تھا ہی نہیں۔ بے دھڑک کہہ بیٹھے کہ جیسے تمہاری نکلے گی ویسی ہی ہماری بھی نکل جائے گی۔ درویش نے کہا میاں ہمارا کیا ہے اور کمبل اوڑھ کر وہیں دوکان کے سامنے لیٹ گیا۔ اول تو حضرت عطار یہ سمجھے کہ مذاق کر رہا ہے۔ لیکن جب بہت دیر ہو گئی تو شبہ ہوا۔ پاس جا کر کمبل اٹھایا تو وہ درویش واقعی مردہ تھا۔ بس ایک چوٹ دل پر لگی اور وہیں چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ افاقہ ہوا تو دیکھا کہ دل دنیا سے بالکل سرد ہو چکا تھا۔ اس وقت دکان لٹا کر کسی پیر کی تلاش میں نکلے۔ پھر وہ طریق کے اندر کتنے بڑے عارف ہوئے ہیں۔

کامل اطمینان قلب حاصل کرنے کی تدبیر

واقعات مذکورہ بالا کے بعد عرض کرتا ہوں کہ اگر اطمینان قلب چاہتے ہو تو قلب کے اندر اللہ کی یاد بسا لو یہ بھی نہیں کہتا کہ ذکر شروع کرتے ہی اطمینان کا درجہ کامل ہو جائے گا بلکہ ذکر سبب ہے اطمینان کا تو جتنا ذکر بڑھے گا اتنا ہی اطمینان کا درجہ بڑھے گا۔ جب ذکر کامل ہو جائے گا اطمینان بھی کامل ہو جائے گا۔ پھر اس دولت سے مشرف ہو گئے مرتے وقت اور صاحب سچ یہ ہے کہ ہزاروں زندگیاں قربان ایسے مرنے پر کہ ارشاد ہوگا:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ O وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ O (الفجر ۲۷ تا ۳۰)

''اے جان اطمینان والی جس کو ذکر اللہ میں چین تھا آ جا اپنے رب کی طرف اور لفظ ارجعی میں ایک لطیفہ ہے یعنی اس میں اشارہ ہے کہ تم تو خدا ہی کے پاس تھے۔ یہاں تو تم آ کر اجنبیوں میں مبتلا ہو گئے تو تمہارا امر نا اصل کی طرف واپس جانا ہے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے یہ سنا ہے کہ جنت میں آپس میں دوستوں سے ملاقاتیں ہوا کریں گی مجھے جنت کی تمنا ہو گئی ہے یعنی ملاقات احباب کی یعنی اللہ کے بندوں اور اللہ کے بندوں میں شمار ہونا یہ جنت کی بھی اصل ہے۔ جنت اس کی شاخ اور فرع ہے گویا بالقوۃ دنیا ہی میں جنتی ہے وہ شخص جس نے اللہ والوں کے ذریعہ سے اللہ سے تعلق پیدا کیا۔ اب تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ ثمرہ ہے اطمینان کا اور یہ طریقہ ہے اطمینان حاصل کرنے کا۔ دیکھا آپ نے اطمینان کیا چیز ہے؟ گویا دنیا کا بھی نفع اور دین کا بھی نفع اسی کو فرماتے ہیں۔ ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ '' (الرعد۔۲۸) ہوشیار ہو کر سن لو۔ قلوب کا اطمینان صرف ذکر اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور کسی چیز سے نہیں اس کے بعد اب ضرورت نہ ہو گی کسی کو پریشان ہونے کی۔

پریشانی کا اصلی علاج

اگر پریشانیوں سے بچنا چاہتے ہو مثلاً بے اولاد ہو یا کوئی بیماری ہے جس سے تنگ آ گئے ہو تو اصلی علاج یہ ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرو۔ پھر دیکھنا کہاں ہے پریشانی۔ امراء کو ناز ہے اپنے پلاؤ قورمہ پر، اہل اللہ کو اپنے روکھے سوکھے ٹکڑوں میں وہ مزا ہے جو ان کے پلاؤ قورموں میں بھی نہیں۔ میں ان چیزوں کے کھانے کو منع نہیں کرتا مطلب میرا اس کہنے سے یہ ہے کہ آپ کو ایک مزہ گھی کا ہے اور ایک مزہ گوشت کا ان کو تیسرا مزہ اس تصور کا ہے کہ یہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے محبوب کے ہاتھ کی ملی ہوئی مٹھاس ہے۔ جب یہ تصور جم گیا تو پھر واللہ ان کو اس تصور میں وہ مزہ آتا ہے جو امراء کو پلاؤ قورمہ میں بھی میسر نہیں۔ اصلی پڑیا جو لذت کی ان کے پاس ہے وہ تو یہ ہے۔ چوتھے بھوک کا مزہ ہے۔ ان کا معمول ہے کہ جس روز بھوک نہیں لگتی اس روز کھانا بالکل ناغہ کر دیتے ہیں پھر اگلے وقت کس مزہ سے کھاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سارے چین حالی، قالی، مالی، ظاہری، باطنی، روحانی، جسمانی، دنیوی، اخروی اگر ہیں تو اللہ سے تعلق رکھنے والوں کو۔ وہ افلاس میں بھی راضی، مرض میں بھی راضی، تکلیف میں بھی راضی مصیبت میں بھی راضی، غرض سب پر راضی کسی حالت پر ناراض ہی نہیں

اب میں ایک حکایت حضرت بہلول کی نقل کر کے پھر ختم کرتا ہوں۔

حضرت بہلول نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ فرمایا میاں اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جو اس کی خواہش کے موافق نہ ہوتا ہو۔ حضرت بہلول نے عرض کیا کہ حضرت ایسا کہاں سے ہو سکتا ہے یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ بزرگ نے فرمایا جس نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں فنا کر دیا ہو اس کی خواہش کے خلاف کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ظاہر میں جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے خدا کی خواہش کے موافق ہو رہا ہے اور اس شخص کی خواہش خدا کی خواہش میں فنا ہو کر عین خواہش حق ہو گئی ہے۔ لہٰذا جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اس کی خواہش کے موافق ہو رہا ہے اور جب خواہش کے موافق ہے تو خواہ کسی حالت میں بھی ہو چین میں ہے۔

خلاصہ

بس ذکر اللہ میں ہی ایک چیز ٹھہری، جس میں چین اور اطمینان منحصر ہے اور جس کا طریقہ بھی معلوم ہو گیا ہے۔ اس طریقہ کا معین ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا اور ان کی نعمتوں کا مراقبہ۔ اس مجموعی طریق پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ حالات پیدا ہوں گے جس کو ذکر حقیقی کہہ سکتے ہیں۔

خلاصہ طریق کا یہ ہے کہ کسی صاحب کو اپنا رہبر تجویز کرو اور ان کی پیروی کرو اور اس کے دامن کے سایہ میں رہ کر زندگی ختم کرو، اس کے سوائے نہ کہیں چین ہے نہ آرام۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے چند مقوی قلب ارشادات

اہل اللہ کے زندہ دل ہونے کا راز:

فرمایا: کہ ذکر اللہ سے لطافت کے ساتھ بشاشت بھی قلب میں بڑھ جاتی ہے اس لئے اہل اللہ زندہ دل ہوتے ہیں مردہ دل نہیں ہوتے۔

دل کی غذا:

فرمایا: کہ جیسے پیٹ کی غذا الگ ہے ماکولات و مشروبات اور آنکھ کی غذا الگ ہے مبصرات اور کان کی غذا الگ ہے مسموعات، اسی طرح دل کی بھی ایک غذا ہے اور وہ محبت ہے دل کی غذا محبت کے سوا کچھ نہیں۔ دل کو اس میں لذت آتی ہے پھر جس کا محبوب ناقص ہو اس کی لذت تو

ناقص ہی ہوگی اور جس کا محبوب ایسا کامل ہو کہ اس سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہ ہو اس کی لذت سب سے زیادہ ہوگی۔ ایمان و عمل صالح اختیار کرنے پر دنیا ہی میں غذائے روحانی یعنی حق تعالیٰ کی محبت کامل عطا ہوگی جس سے زیادہ دل کی کوئی غذا نہیں۔

قلب کا اثر:

فرمایا: کہ قلب کا اثر انسان کے کلام اور لباس تک ظاہر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے تبرکات میں اثر ہوتا ہے اور صحبت میں اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔

گناہوں سے دل کمزور ہو جاتا ہے:

فرمایا: کہ گناہوں کی آگ خدائی آگ ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ "نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ" (الھمزہ ۶،۷) اس کا اصل محل قلب ہے اور دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ گنہگار کا دل بے چین ہوتا ہے۔ اس کو راحت و چین نصیب نہیں ہوتا۔ گناہ سے دل ضعیف اور کمزور ہوتا ہے۔ جس کا تجربہ نزول حوادث کے وقت ہوتا ہے کہ متقی اس وقت مستقل مزاج رہتا ہے اور دیگر لوگ حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔

ہر وقت جمعیت قلب کی فکر میں نہ رہو:

فرمایا: کہ ایک باریک بات کہتا ہوں اس کی طرف کم التفات ہے لوگوں کو وہ یہ کہ اگر جمعیت قلب ہی کی طلب ہے تو اس کی فکر میں ہر وقت رہنا کہ جمعیت میسر ہو خود جمعیت کے بالکل منافی ہے۔ جب یہ فکر رہی تو جمعیت کہاں رہی۔ اور نہ اس صورت سے قیامت تک جمعیت میسر ہو سکتی ہے۔ جمعیت جب ہی ہو سکتی ہے کہ قلب اس کی تحصیل کے خیال سے خالی ہو۔

اللہ والوں کی راحت کا راز:

فرمایا: کہ ساری پریشانیوں کا مدار یہی تجویز ہے کہ انسان اپنے لئے یا اپنے متعلقین کے لئے ایک خیالی پلاؤ پکا لیتا ہے کہ یہ لڑکا زندہ رہے اور تعلیم یافتہ ہو اور وہ اس کی اتنی تنخواہ ہو پھر وہ ہماری خدمت کرے اور اسی طرح یہ مال ہمارے پاس رہے۔ اس میں یوں ترقی ہو اور اتنا نفع ہو اس طرح شیخ چلی کی طرح ہر چیز کے متعلق کچھ نہ کچھ منصوبے قائم کر لئے جاتے ہیں۔ اگر پہلے سے کوئی تجویز نہ

ہوتو پریشانی کبھی پاس نہ پھٹکے۔اس لئے اہل اللہ سب سے زیادہ آرام اور راحت ومسرت میں ہیں۔

پریشانیاں دور کرنے کی تدبیر:

ایک صاحب کا ایک لمبا خط آیا جس میں دین ودنیا دونوں کے متعلق پریشانیاں لکھی ہوئی تھیں۔اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اپنے معاملات خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہئے وہ جو کریں اس میں راضی رہے یہ بہترین تدبیر ہے کوئی تدبیر کر کے دیکھے۔

راحت حاصل کرنے کا گُر:

فرمایا: کہ ایک بار حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی سے کسی قسم کی توقع مت رکھو چنانچہ مجھ سے بھی مت رکھو۔ یہ بات دین ودنیا کا گُر ہے۔جس شخص کی یہ حالت ہوگی وہ افکار وہموم سے نجات پائے گا۔

راحت کی چابی:

فرمایا: کہ دنیا کو آدمی جس قدر مختصر کرلے اسی قدر راحت ہے۔

اہل اللہ کے قلب میں کسی کی ہیبت نہیں ہوتی:

فرمایا: کہ اہل علم کے دل میں کسی کی ہیبت نہیں ہوتی۔ یوں کسی مضرت کی وجہ سے ڈر جائیں اور بات ہے ایسے آدمی کٹ کھنے کتے سے بھی ڈرتے ہیں مگر ان کے دل پر کسی کی ہیبت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ قلوب کا آپریشن کرتے ہیں:

فرمایا: کہ جس طرح والدین بچے کے دنبل کا آپریشن کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قلوب کا آپریشن کرتے ہیں جب کہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کی ظلمت سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں تو مصیبت اور بلا کے نشتروں سے دلوں کا خراب مادہ نکالا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔پس یہاں بھی بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی مگر انجام دونوں کا راحت ہے فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت قریب ہے کہ پندرہ بیس ہی دن میں دنبل میں نشتر دینے کے بعد صحت ہوجاتی ہے اور یہاں بعید ہے کہ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا جب کہ مصائب کا ثواب ملے گا۔

سکون نہیں، عمل مطلوب ہے:

کسی بی بی کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔اس کے عدم سکون پر یہ تحقیق بیان فرمائی کہ سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے، ظاہری بھی باطنی بھی۔ظاہری تو معلوم ہے باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہے مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا سکون ودلجمعی اختیار میں نہیں اس لئے وہ مطلوب نہ ہوگا۔

مومن کو پریشان کرنے والی چیز:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے لڑکے بہت ہی بدشوق ہیں۔تعلیم کی طرف ان کو قطعاً التفات اور رغبت نہیں۔ اس سے میرا قلب پریشان رہتا ہے۔فرمایا کہ قلب کو پریشان اور مشوش رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔مومن کو پریشان کرنے والی چیز، بجز ایک چیز کے اور کوئی نہیں وہ حق تعالیٰ کی عدم رضا ہے اس سے تو مومن کے قلب میں جتنی بھی پریشانی ہو اور جو بھی حالت ہو وہ تھوڑی ہے اور جب کہ رضا کا اہتمام ہے اپنی وسعت اور قدرت کے موافق تو کوئی وجہ نہیں کہ مومن کا قلب پریشان اور مشوش ہو۔اس لئے کہ صرف تدبیر ہمارے ذمہ ہے مثلاً تعلیم اولاد کے لئے شفیق استاد کا تلاش کر دینا کاغذ قلم، دوات کا مہیا کر دینا کتابوں کا خرید دینا، مزید براں علم کے منافع وفضائل سنانا۔اس کے بعد جو نتیجہ ہو اس پر رضا وتفویض سے کام لینا مناسب ہے۔

قلب کی صفائی:

قلب کی صفائی اصلاح اعمال سے ہوتی ہے وظائف صرف معین ہوتی ہیں۔

دل کی اصلاح:

قلب کی اصلاح سے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔اصلاح ظاہر وباطن دونوں کی ضرورت ہے۔

دل کے اطمینان کا نسخہ:

اطمینان تب حاصل ہوگا جب خدا کی یاد بڑھے گی۔حزن گھٹے گا حق تعالیٰ کی یاد سے جمعیت

قلب حاصل ہوتی ہے۔

پریشانی کو لذیذ کرنے والی چیز:

اس وقت آپ کو ایسی چیز بتلانا چاہتا ہوں جو پریشانی کو لذیذ کر دے کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ پریشانی تو جنت سے پہلے ختم نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ سکتا ہے کہ پریشانی کو لذیذ کر دیا جائے اور یہ بھی ایک طرح پریشانی کا خاتمہ ہی ہے تو میں ایسی بات بیان کرنا چاہتا ہوں جو اعمال میں کام آئے اور غفلت سے روکتی رہے اور پریشانی کے وقت ہمت بندھائے اور وہ نئی بات نہیں بلکہ وہ وہی ہے جس کا نام قرآن میں کہیں تقویٰ ہے کہیں ''اعتصام بحبل اللہ'' ہے اور اسی کا نام ذکر نعمت بھی ہے۔

شوق وسکون دو حالتیں:

انسان پر دو حالتیں طاری ہوا کرتی ہیں کبھی شوق کبھی سکون۔ دونوں میں حکمتیں ہیں اپنے لئے کوئی خاص صورت تجویز نہ کرنا چاہئے۔ وصول دونوں سے ہو جاتا ہے جنت میں جزا ہر کیفیت کے مناسب ہوگی۔

پس صاحب سکون کو عدم التہاب سے پریشان نہ ہونا چاہئے اور نہ اپنے کو محبت سے خالی اور محروم سمجھنا چاہئے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ شراب مجھے بھی حاصل ہے مگر اس میں کافور ملا ہوا ہے جس کی وجہ سے حرارت کا غلبہ نہیں ہوتا پر اس کا حرج ہی کیا ہے تم بھی اللہ تعالیٰ کی ''مقربین'' میں داخل ہو اور اس جماعت میں سے ہو جن کو جنت میں کافور آمیز شراب دی جائے گی۔ پس ہر حال میں راضی رہو اور اپنی تجویز کو دخل نہ دو۔ حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں کافور ملا کر پلاتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں زنجبیل ملا کر پلاتے ہیں واصل دونوں ہیں۔

دل کی راحت:

ذکر اللہ ہی ایسی چیز ہے جس میں چین اور اطمینان منحصر ہے اور اس طریقہ کا معین ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور نعمتوں کا مراقبہ اور کسی صاحب تحقیق کو اپنا رہبر بنالو اور اس کے سایہ میں رہ کر اپنی زندگی ختم کر دو اس کے سوا کہیں چین ہے اور نہ آرام۔ (دوائے دل)

ارشادات حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

نسخہ سکون قلب:

''چین اگر آتا ہے تو پھر وہی ایک راستہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے توکل اعتماد اور ایمان چین اسی سے ملے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔'' اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (الرعد ۲۸) اللہ کے ذکر سے ہی دل چین پا سکتا ہے سامانوں سے چین نہیں پا سکتا سامان خود مصیبت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ جتنا زیادہ سامان ہوگا اتنی ہی زیادہ مصیبت ہوگی۔ وہ کسی عربی کے شاعر نے کہا ہے۔

اذا ادبرت كانت على المرء حسرة
وان اقبلت كانت كثيراً همومها

دنیا جب جاتی ہے تو حسرتیں چھوڑ جاتی ہے۔ آدمی برسوں روتا ہے اور جب آتی ہے تو سینکڑوں مصیبتیں ساتھ لاتی ہے۔ کہیں محافظ کی فکر کہیں سنتری کی فکر کہیں چور کی فکر کہیں ڈاکو کی فکر۔ ایک مصیبت میں مبتلا اور ایک وہ ہے کہ بقدر ضرورت کھانے پینے کو ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

کسی نیاید بخانہ درویش کہ
خراج زمین وباغ بدہ

''درویش کے گھر کوئی نہیں آتا کہ بھئی ٹیکس ادا کرو، خراج ادا کرو وہ اپنا بادشاہ بنا بیٹھا ہوا ہے۔''

قانون خداوندی کا مخاطب قلب انسانی ہے:

''دنیاوی بادشاہوں کا قانون صرف بدن پر لاگو ہوتا ہے لیکن خدائی قانون قلب پر بھی لاگو ہے۔ دنیاوی سلطنتیں بدعملی سے روک سکتی ہیں لیکن قلب نہیں بدل سکتیں وہ تو خدا کی حکومت سے بدلے گا۔ خدائی حکومت وقانون برے افعال کی نفرت دل میں ڈال دیتی ہے۔ تو جب تک اخلاقی حالت درست نہ ہو آدمی صحیح معنوں میں آدمی نہیں بن سکتا۔''

فہم کا مدار......دل:

''اگر دل میں ٹیڑھ رہ جاتی ہے تو صحیح سے صحیح کلام کا مطلب بھی ٹیڑھا سمجھتا ہے۔ سمجھ کا دا
ومدار دل پر ہے اور دل کا راستہ غلط ہو تو ہر مکتوب غلط ہو جائے گا۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کے دل
میں خدانخواستہ یہودیت بھری ہوئی ہے وہ قرآن پاک کی آیتوں سے یہودیت نکالنا شرو
کردے گا۔ نصرانی ذہنیت ہے تو اسے ہر آیت میں سے نصرانیت نکلتی ہوئی معلوم ہوگی۔ قادیا
ذہنیت ہے تو ہر آیت میں سے اسے قادیانیت نکلتی ہوئی معلوم ہوگی۔
اس کا حاصل یہ نکلا کہ جو کتب فکر بنا ہوا ہوگا ویسے ہی آدمی ہر آیت اور ہر روایت سے مطلب سمجھے گا۔''

قلب سے قالب کا فرق:

''جو اعمال ایک آدمی کرتا ہے وہی ایک ولی بھی کرتا ہے، فرق ہوتا ہے قلب کے راستے ہیں
اس کا کرنا لوجہ النفس ہوتا ہے اور اس کا کرنا لوجہ اللہ ہوتا ہے۔ عمل دونوں کا برابر ہی ہے کھا
دونوں ہی ہیں۔ بازار میں دونوں ہی جاتے ہیں۔ صورت عمل میں تو فرق نہیں مگر نیت عمل اور غر
وغایت میں فرق ہوتا ہے۔'' ولایت کہتے ہی اس کو ہیں کہ قلب کا راستہ درست ہو جائے۔ ولایت
کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی کھانا چھوڑ دے لباس چھوڑ دے گھر بار ڈھا دے گھر میں رہنا سہنا ترک
کردی بلکہ ولی کے معنی یہ ہیں کہ گھر میں رہے مگر حظ نفس کے لئے نہیں بلکہ خدا کی رضا کے لئے۔ کھ
نا کھائے مگر نفس کی لذت کے لئے نہیں بلکہ رضائے خداوندی کے لئے۔ ایک ولی اور عامل میں یہ
فرق ہی تو ہے۔ تو عمل دونوں کا یہ ہوتا ہے مگر قلب کا فرق ہوتا ہے اور نیتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔''

اصلاح قلب کی اہمیت:

''قلب کی حالت اگر درست نہ ہو فتنے میں پڑا ہوا ہو اور شکوک وشبہات میں پڑا ہوا ہو تو
شکی آدمی کبھی عمل نہیں کرسکتا۔ تذبذب اور تردد ہوگا تو کبھی عمل ظہور پذیر نہ ہوگا. قوت یقین پہلے
آئے پھر آدمی چلے گا اور اخلاق ابھاریں گے تو آدمی عمل کرے گا۔''

اصلاح قلب کی ضرورت:

''اس دور میں بدعملی جہالت کی وجہ سے نہیں ہے علم کے باوجود بدعملی ہے۔ علم کے راستے

اتنے پھیل چکے ہیں کہ قدم قدم پر آدمی کو علم ہوتا ہے اور بلکہ یہ بدعملی عدم تزکیہ کی وجہ سے ہے کہ
جب قلوب مانجھے ہی نہیں گئے اور قلب کے مقامات درست ہی نہیں ہوئے۔ دل کی کلیں درست
ہی نہیں ہوئیں تو جتنا بڑا ہی علم ہوگا اتنی بدعملی بھی ہوگی۔ اس لئے جہاں ظاہری علم حاصل کرنے کی
ضرورت ہے وہاں پر باطنی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر آدمی چلتا نہیں ہے۔''

نفس انسانی:

''نفس انسانی کی مثال محققین ''سرکش گھوڑے'' سے دیتے ہیں کہ جب سرکش گھوڑے پر
سوار ہو تو لگام سنبھال کر بیٹھنا چاہئے۔ گار لگام ڈھلی چھوڑ دے اور گھوڑا اچھل پڑا تو معلوم نہیں کہ
کس کنویں میں لے جا کر گرا دے گا پھر جان بچانا مشکل ہوگا تو انسان کا نفس جب تک جاہل ہے
اس وقت تک یہ سرکش ہے اس کی لگام سہارنی چاہئے۔''

انسان کسے کہتے ہیں:

''خالص طبعی جذبات کی پیروی حیوان کا کام ہے اور طبعیات سے کلیۃً باہر رہ کر محض عقل کلی
کی پیروی فرشتوں کا کام ہے لیکن طبیعات کو بحالہ قائم رکھ کر انہیں عقلی شعور کے ساتھ ساتھ عقل کی
ماتحتی میں انجام دینا اور حدود سے تجاوز نہ کرنا یہ انسان کا کام ہے۔''

دل کب دل بنتا ہے؟:

''انسان نہ اپنے مادے سے افضل بنتا ہے، نہ اپنی صورت سے اور نہ اپنے لباس سے افضل
بنتا ہے۔ ہاں بنتا ہے تو اپنے دل سے افضل بنتا ہے اور دل کب افضل بنتا ہے جب دل عرش الرحمٰن
بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی علمی تجلیات اس پر آنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے اندر
اتر جائے تب کہا جائے گا کہ اب انسان حقیقی معنی میں انسان بنا ہے۔''

دنیا کے مشغلوں میں بھی یہ باخدا رہے
یہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے
کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے
الٰہی میں تجھ سے طلب گار تیرا

باب دوم:

محبت الٰہیہ اور سکون قلب

کسی کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو
بس نام کا وہ گل ہے جس گل میں بو نہ ہو
حجروں میں لاکھ بیٹھئے خلوت مگر کہاں
جب تک کہ جان ودل میں بسا تو ہی تو نہ ہو

محبت کی تجلی سے کدورت دور ہوتی ہے
محبت وجہ تسکین دل رنجور ہوتی ہے
کلی بنتی ہے جنت کی جمال حور ہوتی ہے
یہی وہ آگ ہے جو مسکرا کر نور ہوتی ہے

ارشادات عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس سرہ

اللہ تعالیٰ سے محبت کا طریقہ:

فرمایا...... ایک صاحب کے سوال نے ہمارے دماغ کا تختہ کھول دیا، وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں ہم سے محبت کرو، اللہ سے محبت کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ کیسے محبت کریں؟

چاہ کا جب نام آتا ہے بگڑ جاتے ہیں
وہ طریقہ تو بتادو تمہیں چاہیں کیونکر!

تو جواب کے لئے عجیب عنوان اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا اس کے دو جواب ہیں۔ ایک جو بالکل سیدھا سادا ہے یہ ہے کہ اہل محبت کے ساتھ بیٹھو۔ اہل محبت کی سنوان کی کتابیں پڑھو، اہل محبت کے اشعار پڑھو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہ کی جانثاری اور فدایت کے واقعات پڑھو۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا استحضار کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ رفتہ رفتہ قلب کی تمام صلاحیتیں درست ہوجائیں گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہوجائے

گی۔ محبت تین چیزوں سے ہوتی ہے۔ جمال کمال اور نوال سے اور یہ بدرجہ اتم اللہ جل شانہ کی شان میں جمع ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سوال کا جواب خود اللہ میاں سے پوچھو کہ ہم کیسے آپ سے محبت کریں؟ اللہ میاں سے جب پوچھا تو اللہ میاں نے کہا کہ تم ناقص ہو اور ہم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اتنا بڑا حوصلہ لے کر آئے ہو؟ اچھا ہم تم کو ایک ترکیب بتاتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ وہ پیکر محبوبیت ہیں اور ان کی ہر ادا میں ہم نے محبوبیت رکھ دی ہے وہ جو بات کہتے ہیں ہمیں محبوب ہے تو ان سے پوچھا جائے۔ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر تم کو بتاتا ہوں۔ اتنا بڑا مسئلہ مجھ سے حل نہیں ہوسکتا۔ جب پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس مسئلہ کا حل کردیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ آپ میری طرف سے چونکہ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں لہٰذا لوگوں میں اعلان کردو (اس طرح سے میرے بندے زیادہ مطمئن ہوجائیں گے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ. (العمران، ۳۱)

"محبت کا طریقہ بتلایا گیا کہ اگر تم اللہ۔۔ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ یعنی ناقص ہی رہو گے ہاں اگر میری اطاعت کامل اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے اپنی محبوبیت کا اعلان کردیں گے۔"

فرمایا...... محبت کے ہزاروں عنوانات ہیں، محبت کا ہر لون اور ہر رنگ اپنی جگہ پر کامل ہے۔ دوسرے سے الگ ہے حل نہیں سکتا۔ ماں باپ کی محبت ایک رنگ رکھتی ہے اور دوسروں کی محبت دوسرے رنگ رکھتی ہے۔ محبت ایک فطری چیز ہے بیوی سے اولاد سے دوست احباب سے محبت فطری امر ہے اور ہر محبت اپنی نوع میں کامل ہے۔ بیوی کی محبت کبھی متزلزل نہیں ہوسکتی بہن کی محبت سے اسی طرح دیگر محبتوں کا یہی حال ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال خالقیت ہے کہ ایسا جذبہ پیدا کردیا ہے۔

فرمایا...... حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ "نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔" کیا معنی کہ مجھے نماز سے بہت ہی محبت ہے۔ تم اس اتباع میں پڑھو کہ ہمارے نبی ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ محبت کا عنوان لے کر نماز پڑھا کرو تا کہ آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔

اللہ کے لئے محبت اور اس کے تقاضے:

فرمایا......ایک بڑے میاں ہمارے ہاں آیا کرتے تھے۔ ہم نے ان سے ایک دن کہا کہ ہمارا بڑا جی چاہتا ہے کہ آج سے آپ اور ہم میں دوستی تعلق اور محبت صرف اللہ کے لئے ہو کیونکہ ایک جگہ دیکھا تھا کہ جو بندے اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں وہ ستر ہزار برس پہلے بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ رات کو ہم لیٹے تو سوچ میں پڑ گئے کہ ہم نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال تو دیا اور اپنے آپ کو کہا کہ تم نے بہت بڑا معاہدہ کر لیا۔ اگر بڑے میاں بیمار ہوئے تو تم تیمارداری کرو گے فلاں فلاں چیز کی ان کو ضرورت ہوئی تو تم پوری کرو گے۔ صرف محبت کا دعویٰ دعویٰ ہے۔ محبت کا حق کس طرح ادا کرو گے۔ صرف اس لالچ میں کہ ستر ہزار برس پہلے بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک جذبہ اٹھا اس کے تحت تم نے معاہدہ کر لیا۔ اب میں سوچ میں پڑ گیا' کیا کیا جائے؟ بڑی تشویش دل میں پیدا ہوئی۔ بڑے میاں جب صبح ملیں گے تو ہم ان سے کہہ دیں گے کہ ہم سے محبت کا حق ادا نہیں ہوگا اور نہ آپ ادا کر سکیں گے۔ ہم نے آپ سے اپنی حیثیت سے بالاتر معاہدہ کر لیا ہے۔ اس لئے ہم معاہدہ ختم کرتے ہیں۔ پھر بعد میں میں نے اس سلسلے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا تو آپ ؒ نے فرمایا کہ تم کاہے کو گھبراتے ہو، جس کو تم نے سامنے رکھ کر معاہدہ کیا ہے، جس کے لئے تم نے محبت کی ہے وہ خود تمہاری مدد کرے گا لہٰذا اپنے معاہد پر قائم رہو۔

سرد غم عشق بوالہوس را نہ دہند
سوز دل پروانہ، مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار
ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

محبت کا عنوان بہت وسیع ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نہ چھوڑ شائبہ تک دل میں احساس دو عالم کا
معاذ اللہ محبت کا یہ انداز حریفانہ!

فرمایا......ایک دفعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایسی محبت کے سلسلے میں ذکر چل رہا تھا آپ ؒ نے فرمایا کہ جو طالب ہمارے پاس آتا ہے اور ہم کو اللہ سے تعلق اور محبت کا

واسطہ بناتا ہے وہ یہ تشفی لے کر آتا ہے کہ ان کے ذریعے سے میرا یہ مقصود حل ہو جائے۔ اسی بزرگ کے پاس تو صرف عقیدتمندی اس کو لے گئی لیکن ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے، آنا جانا رہا، مکالمت ہوئی مخاطبت رہی شیخ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص طلب صادق رکھتا ہے اللہ کی محبت کے لئے آیا ہے۔ اس طرح عقیدت کے بعد مناسبت پیدا ہو گئی۔ اب ہمارا مقصود حاصل ہے۔ ہمارے شیخ کی بات ہمارے دل کی بات ہے اور ہمارے ذوق کے بالکل مناسب ہے۔

پھر یہ مناسبت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس وقت شیخ کو القاء ہوتا ہے کہ اظہار کر دو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے اس کی محبت کو قبول کر لیا۔ تو دراصل شیخ کو واسطہ بنایا تھا اللہ تعالیٰ کی محبت کا واسطہ مقصود حاصل ہو گیا اب طرفین میں جو محبت ہے وہ محض اللہ کے لئے ہی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ہم بھی محتاج ہیں آپ بھی محتاج ہیں۔ شیخ کی ساتھ تعلق سے یہ مقصود حاصل ہو گیا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور کہے

اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔

فرمایا......اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبوبیت کے بہت سے عنوان ہیں۔ ان عنوانات کا کہاں تک احاطہ کرو گے۔ پس دیکھتے جاؤ سمجھتے جاؤ اور بڑھتے جاؤ اور آج سے یہ نیت کر لو کہ جو چیز محبوب نظر آ گئی اس میں ہم ضرور نبی کریم ﷺ کا اتباع کریں گے۔ اتباع محبوبیت اور محبت کے پہلو کو سامنے رکھ کر کریں گے۔

اس پر ساتھ ساتھ شکر بھی ادا کرتے رہیں کیونکہ یہ محض اسی کی توفیق سے ہے۔ جتنی شکر میں زیادتی ہو گی اتنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت میں زیادتی ہو گی۔

محبت الٰہی حاصل کرنے کا طریقہ:

فرمایا......اگر اللہ تعالیٰ کی محبت چاہتے ہو تو کسی اللہ والے کے دل میں بیٹھ جاؤ اور اس کے ساتھ رہو۔ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جائے گی۔ دوسرے ذکر اللہ کی کثرت کرتے رہو۔

اب تو اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے:

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ:

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے

جو آرزوئیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں وہ چاہے برباد ہو جائیں چاہے ان کا خون ہو جائے اب میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ تیرے قابل مجھے اب اس دل کو بنانا ہے۔ اب اس دل میں اللہ جل جلالہ کے انوار کا نزول ہوگا۔ اب اس دل میں اللہ کی محبت جاگزیں ہوگی۔ اب یہاں گناہ نہیں ہوں گے۔ پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور آدمی اس راہ پر چل پڑتا ہے۔ یاد رکھو کہ شروع شروع میں تو یہ کام کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ دل تو کچھ چاہ رہا ہے اور اللہ کی خاطر اس کام کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ اس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن بعد میں اس تکلیف میں ہی مزہ آنے لگتا ہے۔

اللہ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ:

فرمایا...... کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ:

- ...... اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دھیان کرو اور ان پر شکر ادا کرتے رہو۔
- ...... اہل محبت کی صحبت اختیار کرو اور ان کے حالات و اشعار اور کتابوں کو پڑھتے رہو۔
- ...... زندگی کے سب کاموں میں اتباع سنت کا اہتمام کرو۔

پھر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی محبت کا مصرف یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور مخلوق خدا سے محبت کرو۔"

شکر، تعلق مع اللہ اور معرفت الٰہیہ کا خاص الخاص جوہر ہے:

فرمایا...... شکر کے بہت سے مقامات اور کیفیات ہیں۔ اس میں تعلق مع اللہ ہے استغفار ہے، خشیت ہے اور خشیت کی کیفیات صرف اہل حق کو نصیب ہوتی ہیں۔ اہل حق ہر مقام پر شکر ادا کریں گے استغفار کریں گے۔ کامل شکر اور کامل استغفار نہ کر سکنے کی وجہ سے ان دونوں کو ناقص سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، کانپتے ہیں اور ان کے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔ اسی کا نام خشیت ہے۔ اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ "رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ" (البقرہ۔ ۱۲۷) وقت کے نبی کہہ رہے ہیں یعنی کہ عمل تو میں کر رہا ہوں لیکن شرف قبولیت صرف آپ ہی دینے والے ہیں۔ یہ مقام مقام خشیت ہے اور یہ بہت اونچا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مقام خشیت عطا فرمائے (آمین) خشیت کے ادا کرنے کے لئے اور بھی الفاظ ہیں۔ یعنی شکر ہو استحضار قلب کے ساتھ اور استغفار ہو ندامت قلب کے ساتھ۔ جب یہ دونوں ملتے ہیں تو خشیت پیدا ہو جاتی ہے۔

تعلق مع اللہ کی حقیقت:

فرمایا...... تعلق مع اللہ کیا چیز ہے اور کیسے حاصل ہوگا؟ تعلق مع اللہ کا ذریعہ تعلق مع الخلق ہے۔ پہلے مخلوق کے ہو جاؤ پھر خالق کے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تعلق کے تمام آداب مخلوق کے ساتھ رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کے لئے خالق ہیں رب ہیں ارحم الراحمین ہیں کارساز ہیں تمام صفتیں مخلوق سے وابستہ ہیں، مخلوق کا حق ادا کرو تعلق مع اللہ خود بخود حاصل ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کس دن اپنا جلوہ دکھائیں گے؟ میں آپ کا منتظر ہوں۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں!
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا آئیں گے وعدہ کر لیا اب حضرت عیسیٰ منتظر ہیں کہ اللہ میاں کب جلوہ نمائی فرماتے ہیں۔ کچھ عرصہ گزر گیا عرض کیا یا اللہ میں تو بہت منتظر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاں میں تو آیا تھا مگر تم نے التفات ہی نہیں کیا۔ کیا تم سے ایک سائل نے سوال کیا تھا؟ مگر تم نے اس کو رد کر دیا وہ ہم ہی تو تھے اور تمہارے پڑوس میں ایک شخص بیمار تھا تم عیادت کو نہیں گئے؟ تم ہماری عیادت کو نہیں آئے کیونکہ وہ ہم ہی تھے تو معلوم ہوا کہ ان کے جلوے مخلوق میں نظر آتے ہیں۔

عالم خلق میں صفات الٰہیہ کا ظہور ہے۔ جب تک صفات سے آشنا نہ ہوں گے ذات سے آشنا نہیں ہو سکتے اور ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ عالم خلق میں صفات کا ظہور اس طرح سے ہے کہیں وہ "تواب رحیم" ہے کہیں صفت خالقیت کہیں ربوبیت ہے کہیں گنہگاروں کے لئے ستاریت اور غفاریت کا پرتو ہے تو جو شخص صفات سے آشنا ہو جاتا ہے وہ حقیقت میں ذات سے آشنا ہو جاتا ہے۔

صفات میں بڑی کشش ہے۔ حسن اگر ذات میں ہے تو صفات میں بھی ہے۔ حسن ایک چیز ہے جو اگر ذات سے تعلق رکھتا ہے تو صفات میں اس کے جلوے ہیں۔ سورج میں اگر روشنی ہے تو اس کے مظاہر بھی ہیں ان میں بھی روشنی آئے گی۔ اللہ تعالیٰ حسین و جمیل ہیں تو ان کے جمال کے بھی مظاہر ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کی صفات کیسے معلوم ہوں گی؟ وہ اس طرح سے کہ اپنی ذات پر انعام الٰہیہ کو دیکھو کہ کس طرح حیرت انگیز طور پر ہم پر انعامات کی بارش ہو رہی ہے۔

مراقبہ رحمت الٰہی:

فرمایا...... مراقبہ سحری کے متعلق۔ طلوع فجر کے وقت یعنی طلوع آفتاب سے قبل پانچ منٹ خاموش بیٹھ کر یوں سوچے اور اللہ تعالیٰ سے یوں مناجات کرے۔ یا اللہ اس وقت آپ عالم کائنات کو حیات تازہ و نو عطا فرما رہے ہیں۔ میں بھی ان میں شامل ہوں۔ جتنی چیزیں ظہور میں آچکی ہیں وہ سب آپ کی نعمتیں ہیں۔ سب آپ کی مظاہر صفات ہیں۔ ہر ایک کا میری ذات سے تعلق ہے ہر چیز مجھ سے مطالبہ کرے گی کہ میں نعمت الٰہی ہوں۔ میری قدر کر اور میرا حق ادا کر، ہر لحہ زندگی، ہر شعبہ زندگی، ہر تقاضا زندگی، ہر کیفیت باطنی ہر معاملہ ظاہری، ہر اوقات عبادت، اوقات معاملات، اوقات معاشرت ہر چیز اپنا حق طلب کرے گی، یا اللہ میں عاجز و ناتواں ہوں میرے بس کی بات نہیں کہ میں ہر چیز کا حق ادا کرسکوں۔ میرے اوپر رحم فرمائیے۔ میری نصرت و حمایت فرمائیے۔

یا اللہ مجھے توفیق استحضار عطا فرمائیے اور صحیح استعمال کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔

اپنا فرمانبردار اور شکرگزار بندہ بنا لیجئے۔ میری کوتاہی و غفلت پر مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیے۔

بیماری اللہ کی رحمت:

فرمایا...... بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نعمت ہے لیکن اس سے پناہ مانگتا رہے اور اس کو دور کرنے کی تدبیر اور دعا دونوں کرنی چاہئیں پھر صبر کرے۔

اللہ کی رحمت سب کو بقدر ظرف حاصل ہوتی ہے:

فرمایا...... رمضان المبارک کے گزر جانے پر ایک شعر یاد آ گیا۔

آئے بھی وہ چلے گئے پا کے بے خبر
ہم اپنی بے خودی میں نہ جانے کہاں رہے

ماہ مبارک آئے اور اپنی برکات و ثمرات دے کر چلے بھی گئے ہم جہاں تھے وہیں رہ گئے مگر واقعتاً ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جو موعود ہیں وہ سب مسلمانوں میں بہ قدر ظرف اور بقدر استطاعت پہنچی ہیں سب کو ملی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی محروم نہیں رہا۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ بادل آئے بارش خوب تیز ہوئی جب تھم گئی اب پتھروں پر بھی نمی آ گئی لیکن وہ تھوڑی دیر میں خشک ہو گئے۔ زمین بھی خشک نظر آتی ہے لیکن اس نے تمام پانی

جذب کرلیا چاہے محسوس ہو یا نہ ہو۔ مزید فرمایا اللہ تعالیٰ کی عطا ظرف کے مطابق ہوتی ہے مگر ظرف مختلف ہوتے ہیں۔ ظرف کا مختلف ہونا لازمی اور فطری امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تمام علوم عطا فرما دیئے۔ آپ نے ان علوم کی تشریح کر دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب جذب کرلیا اور ایسا جذب کرلیا کہ ایک لفظ کی زیر و زبر میں کہیں فرق نہیں آنے دیا۔ آپ ﷺ کا ایک اعجاز ہے۔ عالم امکان میں آپ کو کہیں ایسی شخصیت نہیں ملے گی جس کے ماننے والوں نے اس کی ایک ایک ادا ضبط کر لی ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ ہم تک بعینہ وہی امانت پہنچائی جو ان کو آپ ﷺ سے ملی۔ آپ ﷺ والا ظرف سب سے پہلے صحابہ کرام میں منتقل ہوا۔

آپ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو اتنی گرانی ہوتی تھی کہ آپ کو پسینہ آ جاتا تھا۔ جب کبھی اونٹ پر تشریف فرما ہوتے تھے تو اونٹ بیٹھ جاتا تھا (لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منتقل کر دیتے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم آسانی سے ضبط کر لیتے تھے)۔

اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ: "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" (الحشر ۲۱) اللہ تعالیٰ کے کلام کا اعجاز ہے کہ ہم لوگوں کے لئے آسان کر دیا گیا۔ آج بھی یہ قرآن ہزاروں لاکھوں انسانوں کے سینہ میں محفوظ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا ظرف ہے پھر تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم۔ آج تک اس طرح سے ظرف بدلتے رہے مگر چیز وہی ہی جو پہلے تھی اس کی خالص ہونے میں کوئی شک نہیں۔

فرمایا...... اگر اس نعمت عظمیٰ کا احساس قوی ہو جائے کہ کیا چیز ہم کو ملی ہے؟ تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے اور کہنا چاہئے "اللّٰھم لک الحمد و لک الشکر" اور مسلسل کہتے رہنا چاہئے اس سے انشاء اللہ تعالیٰ ظرف میں وسعت ہوتی چلی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ" (ابراہیم۔ ۷)

"اگر تم شکر کرتے رہو تو میں زیادتی (انعامات) کرتا رہوں گا۔"

فرمایا...... اس کی مثال ایسے ہی کہ ایک فنجان ہے ایک گلاس ہے، ایک جگ ہے، ایک مٹکا ہے، ایک ٹنکی ہے وغیرہ۔ ان میں سے کون کامل ہے سب کامل ہیں۔ فنجان کہتا ہے میں اپنے ظرف کے اعتبار سے کامل ہوں لبریز ہوں گلاس کہتا ہے میں لبریز ہوں سب اپنی اپنی جگہ پر لبریز ہیں لیکن فنجان کو ایک احساس کمتری ہے۔ وہ کہتا ہے یا اللہ میں لبریز ضرور ہوں لیکن میرا ظرف چھوٹا ہے۔ اگر فنجان شکر ادا کرتا رہے گا تو گلاس بن جائے گا اور اسی طرح بڑھتا ہی رہے گا اسی طرح ہمیں حکم ہے

کہ اگر تم ظرف میں بڑھنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احسان کرو اور شکر ادا کرتے رہو۔

فرمایا...... ایک اور مثال بھی ہے وہ یہ کہ آفتاب نکلا ہوا ہے اس کی روشنی وتابانی پوری طرح سے ہمالیہ پہاڑ پر پڑ رہی ہے۔ اسی طرح سے ذروں پر بھی تو ہمالیہ پہاڑ نے مخاطب ہو کر ذرے سے کہا ارے تیرے پاس کیا ہے ساری روشنی تو میں نے لی ہے ذرہ کہتا ہے کہ تو نے روشنی اپنی بساط اور ظرف کے مطابق لے لی اور میں نے اپنے ظرف کے مطابق لے لی۔ سورج کی روشنی تو میری طرف بھی کامل پڑ رہی ہے۔ ناز نہ کر! فرق صرف یہ ہے کہ تجھ کو عروج اور سرفرازی حاصل ہے اور مجھ کو پستی پر ناز ہے۔ تو اپنی سرفرازی پر ناز کر لیکن میں اپنی پامالی پر نازاں ہوں۔ سرفرازی تجھے مبارک مجھے تو اپنی پستی مبارک یہ پستی مقام عبدیت کی عین مطابق ہے۔

اللہ کی ہر نعمت کی قدر کرنا چاہئے:

فرمایا...... بعض نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عام فرما دی ہیں جو نعمتیں عمومیت میں آ جاتی ہیں عمومیت کی وجہ سے ان کی قدر نہیں ہوتی لیکن جس دن ان کا فقدان ہو جائے یا ذرا بھی کمی ہو جائے تب ان کی قدر ہوتی ہے جیسے ہوا چلتی رہے، چلتی رہے، جب بند ہو جاتی ہے تب اس کی قدر ہوتی ہے۔ اسی طرح ٹھنڈا پانی اور دیگر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اگر بھوک لگی ہوئی ہے اس وقت کھانا نہ ملے تب کھانے کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح اپنے اعمال اور معمولات کی یعنی روحانی غذاؤں کی ناقدری نہیں کرنا چاہئے جس دن ایک نماز قضا ہو جائے یا معمولات غفلت یا سستی کی وجہ سے کچھ رہ جائیں یا ان میں کمی ہو جائے اس دن ان کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ اگر آپ نے اشراق نہیں پڑھی تو کون سی بڑی بات ہو گئی لیکن آپ کا دل جانتا ہے کہ آج غفلت یا سستی ہو گئی۔ ایسا مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔

بردل سالک ہزاراں غم بود
گرز باغ دل خلالے کم بود

انعامات الٰہی:

فرمایا...... ہم سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے بن جاؤ ہم سے تعلق جوڑ لو پھر ہم جانیں اور ہمارا کام جانے۔ تم ہمیں راضی کر لو ہم تم سے خوش ہو جائیں گے۔ فرمایا اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ اور صدر مملکت نے بہت بڑی دعوت کی اس میں امراء اور بڑے بڑے

رؤسا سب شریک ہوئے۔ کھانا جو تیار کیا گیا تھا وزراء، رؤسا سب نے وہی کھانا کھایا۔ کھانا کھلانے والوں نے بھی وہی کھانا کھایا۔ نعمت ایک ہی ہے کھانا ایک ہی ہے کھانے کی نوعیت کسی کے لئے نہیں بدلی لیکن مراتب وفضائل الگ ہیں۔

فرمایا...... اسی طرح سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومراتب الگ ہیں اور عام لوگوں کے مراتب الگ، مگر غذا سب کے پاس ایک ہی ہے۔ ان کے انعامات واحسانات کی بارش سب پر ایک طرح کی ہے پھر سب کا اپنا اپنا ظرف ہے ہر ایک نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق لے لیا۔

نیز فرمایا...... اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ان انعامات کی وجہ سے ہم ممتاز ہو جاتے ہیں اور ہمیں اختصاص حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ تم اپنے نقص کو نہ دیکھو بلکہ ہمارے انعامات کو دیکھو۔ ملازمین پکانے والے ڈرائیورز کھانا کھلانے والے وہ اپنی ہستی کو نہ دیکھیں صرف اس خصوصیت کو دیکھیں کہ دعوت کس کی طرف سے ہے۔ یعنی صدر مملکت کی طرف سے جہاں اس دعوت میں بڑے بڑے امراء رؤسا کا شمار ہے وہاں میرا بھی شمار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی ہستی کو نہ دیکھو اللہ تعالیٰ کے بے حد حساب انعامات کو دیکھو، تخصیص اور تعلق کو دیکھو اس پر اس کی قدر دانی کرتے ہوئے شکریہ بجا لاؤ۔

فرمایا...... (دعا کرتے ہوئے) یا اللہ آپ کے انعامات برحق ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے اعلانات برحق ہیں ان کی رحمتیں برحق ہیں یا اللہ ہمارے ماحول ہمارے معاشرے ہمارے نفس اور شیطان نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ ماحول اور معاشرے کا ہم پر زبردست اثر پڑ رہا ہے اور ہم اس کے دباؤ میں ہیں اور اس طرح تمام عمر زندگی کا بھی اثر پڑ رہا ہے۔ یہ انعامات واحسانات بھی ہم دیکھ رہے ہیں۔ یا اللہ ہم ان انعامات واحسانات کی حفاظت کیسے کریں۔ خاص کر وہ انعامات جو ہم پر رمضان شریف میں ہوئے ہیں یا اللہ ان کی حفاظت کی توفیق عطا فرما اور ان کی صحیح استعمال کی ہم کو توفیق عطا فرما۔ کفران نعمت سے ہم سب کو محفوظ فرما۔ یا اللہ آپ کے انعامات برحق ہیں لیکن یا اللہ ہمارا فہم ان کا تحمل نہیں کر سکتا۔ آپ ہماری قابلیت اور صلاحیت کے بھی مالک ہیں آپ ہماری بگڑی ہوئی صلاحیتوں کو صحیح اور روبکار کر دیجئے۔ آمین۔

انعامات الٰہی کے استحضار سے معرفت حاصل ہوتی ہے:

فرمایا...... اللہ تعالیٰ کے انعامات کے استحضار کرنے سے معرفت خداوندی حاصل ہوتی ہے

اور ندامت قلب سے عبدیت پیدا ہوتی ہے نہ اس کی انتہاء ہے نہ اس کی انتہاء ہے۔ یہی بات عالم امکان میں سب سے بڑے عارف کہتے ہیں۔ ''ما عرفناک حق معرفتک، ما عبدناک حق عبادتک'' اور ''الا لیعبدون'' کے معنیٰ ''الا لیعرفون'' کے ہیں۔ عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ آپ کی معرفت حاصل ہو جائے۔ کیونکہ (عبادت کے لئے) جو بندہ مخصوص ہو جاتا ہے تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ انعامات سے نوازتے ہیں اور اپنی معرفت کے دروازے اس پر کھول دیتے ہیں۔

فرمایا...... قابل اعتبار چیز ایمان ہے اس کی ناقدری ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔ ہر حال میں ایمان ہمارا محافظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان عطا فرمایا ہے تو وہ اپنے ناچیز بندے کے حالات سے بھی خوب واقف ہے۔ ایمان کی دولت، بہت بڑی دولت ہے۔ یہ ہر آن انسان کی ضرور مدد کرتا رہا ہے۔ خصوصاً جب بندہ بالکل عاجز ہوتا ہے اور اس دنیا کو چھوڑ رہا ہوتا ہے اس وقت ساری ایمانی قوتیں عود کر آتی ہیں۔ اس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ یاد آ گیا۔

ایک شخص نے حضرت والا کو لکھا کہ میں آپ سے وابستہ ہوں مدتیں گزر گئیں آپ سے اپنی کوئی اصلاح نہ لے سکا اور مجھے شرم محسوس ہوتی ہے کہ آپ سے نسبت رکھتے ہوئے بھی کوئی حق ادا نہیں کر پاتا۔ رات دن دنیا کی کاموں میں مشغول رہتا ہوں۔ میرے پیش نظر میری اولاد اور عزیز واقارب ہیں، ان ہی کے لئے کماتا ہوں اور ان ہی پر صرف کرتا ہوں دعائیں بھی مانگتا ہوں تو صرف ان ہی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مجھ میں تو توکل بالکل نہیں۔ اگر اس حالت میں میرا خاتمہ ہو گیا تو ''خسر الدنیا والاخرۃ'' قبر میں دنیا کی محبت لے کر اپنے ساتھ جاؤں گا میرے پاس سرمایہ آخرت نہیں ہے۔ اللہ میری رہنمائی فرما دیجئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ تم نے جو لکھا ہے مجھے توکل حاصل نہیں ہے تم دعا مانگتے ہو یہ اللہ تعالیٰ سے تمہارا مانگنا خود توکل ہے۔ توکل کے بہت سے درجات ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے۔ جب تم نے اس کارساز کے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے تو یہی توکل ہے کہ تم نے اس ذات پر بھروسہ کر لیا۔

اور تم جو کہتے ہو کہ رت دن کی مشاغل ہیں۔ بیوی بچوں کی پرورش کے امور میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہوں تو یہ جہاد زندگی ہے۔ اگر اسی حالت میں انتقال ہو گیا تو شہادت کا درجہ مل گیا

اور جو تم کہے ہو ''خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ'' تو تم کو جب یہ احساس ہے کہ تمہارا ہاتھ خالی ہے تو یہ تمہارے لئے بشارت ہے جب کہ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (الملک-۱۲)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ تو ضابطے کا جواب ہے، بالکل معتبر اور مستند ہے لیکن عادت اللہ یہ ہی کہ جب مومن کا آخری وقت ہوتا ہے تو اس سے دنیا کی جائز محبت بھی سلب کر لی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبے ہی میں دم نکلتا ہے۔ یہ کتنی بڑی بشارت ہے۔ سبحان اللہ!

دعا کرو کہ ہمارا اور آپ سب کا دم اسی طرح نکلے۔ ہم غفلت زدہ بندے ہیں مگر اس کے مقبول بندوں سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری غفلتیں اور لغزشیں معاف فرمائے۔

فرمایا...... اللہ تعالیٰ کے سب وعدے سچے ہیں مگر عبدیت کا مقام یہ ہے کہ پھر مانگوان کی عطا لامتناہی ہے۔ احسانات وانعامات لامتناہی ہیں ہمارا سارا وجودان کے انعامات واحسانات کا مرہون ہے مگر بایں ہمہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو جن کا استحضار اور جن اپنی غفلتوں اور لغزشوں کا استحضار ہو جائے ہمیشہ ان پر استغفار کرتے رہو یہ کیمیا کا نسخہ ہے بس پر عمل کرتے رہو۔

ذکر اللہ و تعلق مع اللہ:

حضرت سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پایہ کے بزرگ ہیں اور ان کے ہم عصر بھی ہیں۔ دنیا میں ان کے ساتھ ایک خصوصی واقعہ پیش آیا ہے۔ اولیاء کرام سب ہی عاشق ہیں رسول پاک کے مگر ان کا جذبہ کچھ عجیب تھا۔ دربار نبوت میں حاضری ہوئی مزار قدس کے سامنے جا کر دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ ہے کہ ''جب تک دور تھا دور سے سلام بھیجتا تھا اب دربار میں حاضر ہوں اپنا دست مبارک دیجئے، میں اس کو بوسہ دوں۔'' نوے ہزار مسلمان اس وقت موجود تھے اکابر علماء بھی ان میں شامل تھے۔ دن کا وقت تھا سب نے دیکھا کہ روضہ اقدس میں سے ہاتھ نکلا اور انہوں نے بوسہ دیا سب نے زیارت کی۔ ان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بھی تھے۔ یہ مقام تھا ان کا مگر اتنے بڑے اعزاز والے کیا کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں ہم تو بہت خوش ہوں گے۔ مگر انہوں نے کیا کیا...... دروازہ میں آ کر لیٹ گئے سب کو قسم دی کہ مجھ پر پیر رکھ کر گزر جائیں۔ حقیقت میں یہی اولیاء اللہ ہیں۔ دین کتابوں سے باتوں سے نہیں پھیلا اپنے بزرگوں سے دین پھیلا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دل وابستہ ہونا:

حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے بھیک مانگنے والوں کا ڈھیلہ نہ بناؤ میری تعریفیں نہ کرو۔ میری خانقاہ کو حرم کی طرح زیارت گاہ نہ بنانا اور مرنے کے بعد میری قبر کو بت نہ بنانا۔ میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ مجھے دنیا میں اپنی ذات کا دھیان عطا فرمانا۔ سو بحمد اللہ یہ بات جمعیت قلب کے ساتھ حاصل ہوگئی ہے۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ کہنے کو آسان ہے کہ کسی چیز میں دل اٹکا نہ ہو صرف اللہ سے تعلق ہو ایسے شخص کو دنیا ہی میں جنت مل جاتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے دل کا حال:

ایک مرتبہ حضرت کے پاس حاضر تھا، فرمایا میاں بات کہنے کی نہیں، کہیں دعویٰ نہ ہو جائے مگر اللہ کی نعمت کا اظہار کرتا ہوں کہ میں اب اپنے کو تنہا پاتا ہوں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ بیوی بچے، طلباء، مریدین ایک تماشا لگا ہے مگر کچھ نظر نہیں آتا۔ صرف اپنے آپ کو تنہا پاتا ہوں۔ یہ ہے جلوت میں بھی خلوت، یہ بڑوں کا مقام ہوتا ہے۔ یہ ہوتی ہے مجمع میں بھی اور دل اللہ سے لگا ہو۔ فرماتے ہیں، الحمد للہ یہ مجھے حاصل ہے اور امید ہے کہ دنیا سے جدا ہو کر بھی وہاں بھی وہ خیریت کے ساتھ گزار دیں گے۔ جس کو اللہ مل گیا پھر وہ کسی کی کیا پرواہ کرے گا۔ اس دنیا میں کچھ حاصل کرنے کی چیز ہے تو وہ اللہ سے تعلق ہے۔ سیاست ریاست سب یہاں رہ جانے والا ہے بس یہ تعلق سب پر پانی پھیر دیتا ہے۔ یہ بیوی بچے دولت دکان جب ہی یاد آتی ہے جب تک اللہ کی یاد دل میں جگہ نہ کرلے۔ کل کے وزیر آج قیدی بنتے دنیا میں بھی دکھائی دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو فنا نہیں اس کے تعلق کو بھی فنا نہیں جو تعلق اللہ کے واسطے سے قائم ہو وہ بھی باقی رہنے والا ہے اس کو بھی فنا نہیں اللہ کو یاد کرو تو اللہ بھی باقی رہتا ہے جس طرح اس کی ذات باقی ہی اس کی یاد میں بھی بقا ہے۔

کسی کا شعر ہے:

ذکر اتنا کیا ترا ہم نے
قابل ذکر ہوگئے ہم بھی

آگے فرمایا اللہ کے تعلق کو لازم سمجھو، یہی اصل سرمایہ ہے۔ بینک کا بیلنس باقی رہنے والا نہیں، لہٰذا اس اصل سرمایہ کو جمع کرو اللہ کے حق کی قسم کہ اس کے سوا نہ کوئی نفع دے سکتا ہے نہ ضرر۔ جو یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا رب بنالیا ہے۔ کہنے کو ہم بھی اللہ کو

رب العالمین کہتے ہیں مگر جب واسطہ پڑتا ہے خدا معلوم کس کس کو راضی کرنے کی فکر کرتے ہیں افسروں اور سرداروں کو راضی کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ اگر اس سے آدھی فکر بھی ہم خدا کو راضی کرنے کی کرلیں، وہ آسانی سے راضی ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے:

"یقین کرو کہ اگر ساری دنیا کے انسان اور جنات تم کو ضرر پہنچانا چاہیں تو تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتے اور جو اللہ پاک تم کو نہ دینا چاہیں وہ ساری زمین و آسمان کی طاقتیں تم کو دینا چاہیں تو ہرگز نہیں دے سکتے۔"

اہل اللہ کی بادشاہت:

عقیدہ تو ہمارا یہی ہے اگر اس کا رنگ رچ جائے وہی کام آنے والی بات ہے اگر کسی پر یہ حالت غالب ہو جائے تو دنیا میں اس سے بڑھ کر کون بادشاہ ہوگا۔ کسی سے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے۔ فرمایا کیا بات ہے ہمارا مزاج بگڑتا کب ہے۔ ہماری خواہش سے ہی سب ہو رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے مزاج کو اللہ کی رضا میں فنا کر دیا ہے۔ اللہ کی مرضی ہے ہم کو بخار آجائے تو اس میں خوش ہیں بادشاہت مل جائے اس میں خوش ہیں۔ فاقہ آجائے اس میں خوش ہیں، پھر مزاج خراب کیوں ہوتا۔ حقیقت میں خوشحال تو وہ ہیں جو ہر حال میں خوش ہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ایک درویش پر ایک بادشاہ خفا ہوا۔ وہ ہنس پڑے بادشاہ کو غصہ آیا کہ بڑا گستاخ ہے، فرمایا اس کو قید کر دو۔ انہوں نے کہا اگر اتنی عمر دو چند ہو جائے اور اسے بھی قید میں ڈال دو پھر بھی کیا پرواہ ہے؟ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

صحبت کا اثر:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگر ہار گئے اور پھر مسلمان ہوگئے۔ فرعون نے کہا میں تم کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ جواب دیا جو تیرا جی چاہے حکم دے۔ دنیا کی زندگی میں ہی تو ہم پر قابو پا سکتا ہے اس کے بعد کیا کرے گا؟ یہ تو چند دن کی زندگی ہے ہم کو اس کی پرواہ نہیں۔ اتنی جلد مسلمان ہونا اتنا پختہ ایمان ہونا، یہ کیا ہے؟ نبی کی صحبت۔ بس اللہ والوں کی صحبت میں یہ کایا پلٹ جاتی ہے کہ ستر برس کا مسلمان ایسا پختہ ایمان والا نہ ہوگا جیسا ایک لمحہ کے مسلمان کا ایمان پختہ ہوا یہ اثر صحبت ہی کا تو تھا۔ تم دنیا بھر کے سامان کرتے پھرتے ہو۔ اگر ایک اللہ کے ہو جاؤ سب تمہارے ہو جائیں گے۔ کوئی کسی کو دولت ظاہری باطنی نہیں دے سکتا۔ بس ہماری نظریں اسباب

پر ہوتی ہیں۔ ہم نے انہیں کو رب بنالیا ہے۔ اصل دینے والا اللہ ہے۔ مگر وہ پردہ میں رکھ کر اسباب سے دیتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ظاہری اسباب پر کون ایمان رکھتا ہے اور غیب پر کس کا ایمان ہے۔

ماں کی محبت کی حقیقت:

مولانا روم رحمہ اللہ والدین کی اطاعت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

کہ ماں کی خدمت بڑی نعمت ہے۔ بڑا احسان ہے مگر آنکھیں کھولو ماں کی شفقت کہاں سے آئی، اللہ نے ہی سب کو پیدا کیا، ماں بیچاری کیا کر لیتی وہ خود کہاں سے آئی۔ ایک عجیب عالم سامنے کرتے ہیں ایک لڑکی کو ماں باپ نے پالا جان سے عزیز اس کو رکھا اپنی جان کو دکھ اور اولاد کو سکھ میں رکھا۔ نہ ان کو خبر ہے کہ ہم کس کے واسطے یہ پال رہے ہیں نہ لڑکی کو کچھ خبر ہے اور ایک جگہ لڑکا پالا جا رہا ہے۔ دونوں کی پرورش ہو رہی ہے۔ کسی کو خبر نہیں یہ کیا ہو رہا ہے۔ دونوں کی شادی یہ کوئی اتفاق نہیں یہ سوچی سمجھی ایک تدبیر ہے۔ یہ اتفاقاً کہنے والا بے خبر ہے۔ حق تعالیٰ کے یہاں کہیں اتفاق نہیں ہے۔ سب کچھ دل میں ڈالتا ہے۔ تم کو ہم کو سب کو وہ اپنی خاص مشیت سے چلا رہا ہے، وہی ملاتا ہے وہی جدا کرتا ہے، ماں کو باپ سے ملاتا ہے، کس نے ملایا یہ لکھ رکھا تھا یہاں لڑکی ہوگی یہاں لڑکا ہوگا وہاں جا کر دونوں کا جوڑ ملے گا تب وہ ایک بچہ پیدا ہوگا ماں کے اندر کیا کیا کل پرزے لگائے ہیں۔ محبت اس کے دل میں کس نے ڈال دی ہے اور کس لئے ڈال دی؟ یہ سب نظام قدرت ہے تم اتفاق کہتے ہو۔ ماں باپ کی خدمت اس لئے فرض ہے کہ وہ سبب ہے ہماری پرورش کا مگر یہ سبب پرورش کا کس نے پیدا کیا وہی ذات حقیقی ہے وہی رب ہے سب کا۔ تم نے سب دوست پالے، نیک دوست تو جنت میں گئے فاسق دوست جہنم میں گئے۔ تم اکیلے رہ گئے اِدھر نہ اُدھر تمہارا دوست کون ہے۔ دامن اس کا پکڑو جو نہ اوپر جائے نہ نیچے جائے۔ تیرے ساتھ ہر وقت رہے۔ قبر میں ساتھ، حضر میں ساتھ، سفر میں ساتھ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوستی رکھو گے آسمان پر جاؤ گے قارون سے دوستی کرو گے زمین میں دھنس جاؤ گے تعلق رکھو اس ذات سے جو "حی وقیوم" ہے محبت لگانی ہے تو اس سے لگاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

آج تیرے پاس مکان دکان، ساز و سامان بھی ہے۔ ایک دن وہ آنے والا ہے نہ دکان ہوگی نہ مکان نہ ساز و سامان۔ اس وقت جو کام آنے والا ہے اس کے ساتھ دوستی رکھو۔

عزیز اس کا انکار نہیں ہے کہ اللہ تک پہنچنے کی لئے وسیلہ ضروری ہے، مثلاً اعمال صالحہ وغیرہ

اور کچھ واسطے ہیں ان کی بھی ناشکری نہیں ہو سکتی۔ ماں باپ و پیر کا بھی شکر کرنا ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان کو رب بنالو اور ان کو واسطہ کا درجہ دو مگر یقین اللہ تعالیٰ پر رکھو کہ جو دکھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کے معنی ہیں دل سے اس کو معبود برحق اور یکتا سمجھو اور جو رسول تم کو دیں وہ لے لو جس سے روکیں اس سے رک جاؤ اور وسیلوں کی بھی تعظیم کرو جو تم کو خدا کا راستہ بتاتے ہیں مگر ان کو رب نہ بناؤ۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ:

حضرت بشر حافی تصوف کے امام ہیں۔ شروع میں مالدار اور عیش پرست تھے، کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ باندی گئی اس نے کہا اس گھر کا مالک غلام ہے یا آزاد۔ باندی نے کہا میاں وہ تو آزاد ہے۔ سائل نے کہا بے شک وہ غلام نہیں ہے اگر غلام ہوتا تو ایسے کام نہ کرتا۔ اس کلمہ نے چوٹ لگائی۔ ننگے پیر بھاگے اس کو پکڑ لیا پوچھا، یہ کیا بات ہے۔ اس نے کہا یہ عیش چند گھنٹوں کا ہے۔ اگر اس کے غلام ہوتے تو یہ رنگ نہ ہوتا۔ بس وہ قدموں پر گر پڑے اور کہا مجھ کو اللہ کا بنا دو پھر رنگ پلٹ گیا پھر انہوں نے عمر بھر جوتا نہیں پہنا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات ہے انہوں نے کہا ننگے پیر ہی یہ دولت مجھ کو ملی اس لئے اس کو کیسے چھوڑ دوں۔

واسطہ کی قدر:

ایک مرید تھے حضرت حاجی صاحب کے کانپور میں دیکھا ایک دفعہ جوتا ٹوٹا ہوا سر پر رکھا زار زار رو رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد پوچھا یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کبھی کبھی یہ جوتا سر پر رکھتا ہوں تو حالت کچھ اور ہو جاتی ہے۔ یہ جوتا ٹوٹا ہوا حضرت حاجی صاحب کا تھا تو کبھی واسطوں کی بھی عظمت کرنا پڑتی ہے۔ مگر وہ صرف واسطہ ہوتا ہے مقصد نہیں ہوتا جیسے سارے بجلی کے بلب صرف ایک مرکزی پاور ہاؤس سے تعلق رکھتے ہیں لیکن روشنی بلب سے ہی ملتی ہے۔ پاور سے ہوا اور روشنی نہیں ملتی۔ روشنی اور ہوا کے لئے بلب اور پنکھا لانا ہی پڑے گا تو یہ واسطے ہیں یہ بھی قابل قدر ہیں لیکن حق تعالیٰ کی ذات اصل مقصود ہے۔ (از مجالس مفتی الاعظم)

سکون قلب کا لاجواب نسخہ:

کتنی تسکین وابستہ ہے تیری نام کے ساتھ

نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

اللہ رب العزت کی یاد میں کچھ ایسا لطف اور مزہ ہے کہ انسان کی سب پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمادیا گیا۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (الرعد۔۲۸)

"جان لو کہ اللہ رب العزت کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے۔"

ذکر الٰہی سے سکون ملنے کی وجہ:

اللہ کے ذکر کی اندر ایک فنائیت ہے، اور اسی فنائیت کے ذریعے انسان کے غم دور ہوتے ہیں جس سے اس کے دل کو سکون ملتا ہے اور وہ اللہ رب العزت کی محبت میں آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اسی لئے ذکر کرنے کی بار بار تاکید کی جاتی ہے۔ اگر ہم اللہ کا ذکر کثرت سے اور باقاعدگی کے ساتھ کریں گے تو ہمیں دین اور دنیا دونوں میں فائدہ ہوگا۔ اب تو یہ بات سائنس سے بھی ثابت ہو چکی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

ذکر اللہ شفاء القلوب.

"اللہ کی یاد دلوں کے لئے شفا ہے۔"

تعلق مع اللہ سے متعلق چند ارشادات

اصل دین:

فرمایا دنیا محض خادم دین، تعلق مع اللہ، خدا کا خوف خدا کا شوق دنیا سے بے رغبتی یہ اصل دین ہے۔

تعلق مع اللہ:

خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا چاہئے اور غیر اللہ سے تعلق کم کرنا چاہئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا. (المزمل۔۸)

"اور تو اپنے پروردگار کا ذکر کر اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو۔"

آدمی کو چاہئے کہ خدا سے صحیح تعلق پیدا کرے پھر اللہ تعالیٰ بڑے متکبروں اور فرعونوں کی

گردنیں اس کی سامنے جھکا دیتے ہیں۔

غیر اللہ کی دوستی کا آخر دشمنی ہے:

غیر اللہ کی دوستی کا انجام عداوت ہے، جس دوستی کی بناء فاسد ہوگی آخر میں عداوت ہوگی۔

ذکر الٰہی کی اہمیت:

ذکر کی کثرت سے انسان کی فکر کی گندگی دور ہوتی ہے۔ یہ بات دل میں بٹھا لیجئے کہ فکر کی گندگی ہمیشہ ذکر سے دور ہوتی ہے۔ جو لوگ شیطانی وساوس ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہوں وہ اس بات کو پلے باندھ لیں کہ ہماری ان تمام پریشانیوں کا حل اللہ تعالیٰ کی یاد میں موجود ہے۔

"اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (الرعد۔۲۸)

جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے۔

توحید کا سبق:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے تو ایک عورت نے توحید سکھادی، کسی نے پوچھا کہ حضرت وہ کیسے؟ فرماتے لگے کہ میرے پاس ایک عورت آئی جو پردے میں تھی۔ کہنے لگی کہ میرا خاوند دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ آپ یہ فتویٰ لکھ دیں کہ اس کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ انہوں نے سمجھایا کہ اللہ کی بندی اگر وہ اپنی ضرورت کے تحت دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو شریعت نے چار تک کی اجازت دی ہے۔ میں کیسے لکھ کر دے سکتا ہوں؟ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو اس عورت نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگی کہ حضرت! شریعت کا حکم راستے میں رکاوٹ ہے ورنہ اگر اجازت ہوتی اور میں آپ کے سامنے چہرہ کھول دیتی اور آپ میری حسن و جمال کو دیکھتے تو آپ اس بات کو لکھنے پر مجبور ہو جاتے کہ جس کی بیوی اتنی خوبصورت ہو اس کو اب دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ تو یہ بات کہہ کر چلی گئی مگر میرے دل میں یہ بات آئی کہ اے اللہ! آپ نے ایک عورت کو عارضی حسن و جمال عطا کیا اس کو اپنے حسن پر اتنا ناز ہے کہ وہ کہتی ہے کہ جس کی بیوی میں ہوں اب اس کو محبت کی نظر دوسری کی طرف ڈالنے کی اجازت نہیں۔ تو میرے پروردگار! تیرے اپنے حسن و جمال کا کیا عالم ہے......!!! آپ کہاں پسند کریں گے کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی بندہ محبت کی نظر کسی غیر کی طرف اٹھا سکے۔

دل کی سوئی اللہ کی طرف:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب دیکھا جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا کہ:

"حضرت...... میں اپنے دل کی یہ کیفیت محسوس کرتا ہوں کہ جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف رہتی ہے اسی طرح اب میرے دل کی یہ کیفیت ہوگئی ہے کہ چاہے کہیں پر بھی کام کر رہا ہوں...... چاہے مدرسے میں ہوں یا گھر میں...... دوکان پر ہوں یا بازار میں ہوں...... لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل کی سوئی تھانہ بھون کی طرف ہے۔"

اب ہم لوگ اس کیفیت کو اس وقت تک کیا سمجھ سکتے ہیں جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہم لوگوں کو عطا نہ فرمادے لیکن کوشش اور مشق سے یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس ہوتا رہے تو پھر آہستہ آہستہ یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ زبان سے دل لگی کی باتیں ہو رہی ہیں مگر دل کی سوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کیفیت عطا فرمادے۔ آمین۔

ارشادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

اللہ تعالیٰ ہم سے بے انتہا محبت کرتا ہے:

دوا اور توکل:

فرمایا...... خدائے تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے اور انہی کی دی ہوئی تاثیر ہے جب تک انہیں منظور ہے دواؤں میں تاثیر رکھتے ہیں جب منظور نہیں ہوتا تاثیر نہیں ہوتی اور لاکھ علاج کرو بیماری نہیں جاتی۔ اس واسطے کسی دوا کو یہ نہ سمجھو کہ یہ اچھا کرتی ہے۔ اچھا تو خدا تعالیٰ کرتے ہیں۔ اگر اس وقت اچھا کرنا منظور ہوگا، اس میں اثر دیں گے ورنہ نہیں۔

ہمیں علاج کا حکم ہے ہم کرتے ہیں مگر انہی پر بھروسہ ہے اسی لئے ان ہی سے دعا کرتے رہو وہ چاہیں گے تو خاک میں اثر دے دیں گے نہیں چاہیں تو کشتوں کو خاک کر دیں مگر علاج ضرور کرتے رہو کہ حکم ہے۔ ہاں جن واطمینان ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو اور علاج نہ کریں تو جن کو

اطمینان ہو ان کے دل میں کوئی برا خیال نہ آئے گا۔ ہر وقت شکر ہی ادا کریں گے ان کو دوا نہ کرنا بھی جائز ہے۔ ہمارے حضور ﷺ نے دوا کی ہے، دوا بتائی ہے۔ اس لئے افضل یہی ہے اور ہر وقت صبر و شکر کریں اور یقین رکھیں کہ خدائے تعالیٰ کو ہم سے بے انتہا محبت ہے۔ اس قدر کہ ماں کو اپنے بچے سے بھی نہیں ہوتی اور جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہماری بھلائی ہی ہوتی ہے جب بیماری آتی ہے تو ہمارے گناہ کم ہوتے ہیں اور ہم صبر کرتے ہیں تو ہمارے درجے بڑھتے ہیں اور ہم سے اور آفتیں ٹل جاتی ہیں اور ہمارے دماغ میں جو بڑائی کے خیالات ہوتے ہیں وہ کم ہو جاتے ہیں عاجزی اور لاچاری دیکھ لیتے ہیں۔ اپنی کو جو بے نیاز سمجھتے ہیں اب ہر ہر بات میں محتاج ہو جاتے ہیں۔ صحت اور تندرستی کی جو بے شمار نعمت ہے قدر نہ تھی اب قدر معلوم ہوتی ہے۔ آگے کو اس پر شکر کرتے ہیں۔ غرض ہم مسلمانوں کے واسطے تو بیماری بھی بہت بڑے رحمت ہے بلکہ نعمت ہے۔ مگر اس میں سخت امتحان بھی ہے کہ ہم صبر و شکر کریں گے اور خدائے تعالیٰ نے جو کچھ مقدر کر دیا ہے اس کو اچھا سمجھیں۔ ایسا نہ ہو کہ گھبرا اٹھیں اور بڑے برے الفاظ زبان سے بکنے لگیں کہ "نعوذ باللہ" اللہ میاں کو بھی ہم ہی ملے تھے بیمار کرنے کو، ہماری تقدیر پھوٹ گئی۔ قدرت بھی اندھی ہو کے کام کرتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہت سی بیبیاں گھبرا گھبرا کر ایسے لفظ کہہ جاتی ہیں اور بعض باتوں سے تو ایمان بھی جاتا رہتا ہے۔ اب ذرا سوچو تو تکلیف کی تکلیف بھی اٹھائی اور سارا ثواب بھی گیا روپیہ خرچ ہوا اور کفر کی باتوں سے ایمان بھی گیا۔ دنیا بھی گئی دین بھی گیا اور اگر خدانخواستہ پھر توبہ بھی نہ کی۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار:

دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر قبضہ جمائے مگر اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کو مسلط کر دیا۔ انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے لشکر کو کھائے ہوئی بھوسے کی طرح بنا دیا۔ بالکل سی طرح انسان کا دل بھی اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھنا چاہے آپ "لا الٰہ الا اللہ" کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کی اوپر تیروں کی بوچھاڑ کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان سے محفوظ فرمالیں گے۔ اس لئے قرآن پاک میں فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ. (الانفال۔۲۰۱)

"کہ جو لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں جب ان پر شیطان کی جماعت حملہ آور ہوتی ہے تو وہ ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ذکر کی وجہ سے انہیں شیطان سے محفوظ فرما لیتے ہیں۔"

خدا کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ:

فرمایا...... خدا کی محبت اگرچہ امر غیر اختیاری ہے لیکن اس کی اسباب بندے کے اختیار میں ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(۱)...... کثرت ذکر اللہ۔

(۲)...... اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اور اپنے برتاؤ کو سوچنا۔

(۳)...... کسی اہل اللہ سے تعلق رکھنا۔

(۴)...... طاعت پر مواظبت کرنا حق تعالیٰ سے دعا کرنا۔

اس تدبیر میں تو کوئی غلطی نہیں صرف ایک غلطی علمی محتمل ہے۔ وہ قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ اپنے ذہن سے کوئی درجہ محبت کا تراش کر اس کا منتظر رہے، یہ غلطی ہوگی بلکہ اس تدبیر کی مداومت سے جو درجہ محبت کا حاصل ہوتا ہے وہی اس درجہ میں مطلوب ہے۔ پھر خواہ اس میں مزعوم ترقی ہو خواہ ایک حالت پر رہ جائے البتہ رسوخ میں ترقی لازم ہے صرف لون محبت میں تفاوت ہوتا رہتا ہے۔

اللہ پاک کی محبت میں بے چینی کی طلب:

فرمایا...... اس کے ساتھ یہ بھی دعا کرو کہ اس بے چینی میں چین رہے (اس جواب میں شریعت وطریقت دونوں کے اصول کی رعایت ہے اس لئے کہ اگر یہ جواب دیا جاتا کہ بے چینی مطلوب نہیں تو ان کا یہ خیال رخصت ہو جاتا کیونکہ طریقت میں حال مہمان عزیز ہے۔ اگر اس کی قدر نہ کی جائی تو یہ روٹھ جاتا ہے تو اس جواب میں طریقت کے اصول کی مخالفت ہوتی اور اگر یہ جواب دیا جاتا کہ بے چینی محمود ہے تو شریعت کی خلاف ہوتا۔ اس واسطے کہ شریعت میں اطمینان اور چین مطلوب ہے۔ "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (الرعد۔۲۸) اس جواب پر بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

ہزار نکتہ باریک تر زموں ایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

شوق وولولہ:

فرمایا...... شوق بمعنی ولولہ نہ بالذات مطلوب ہے نہ شرائط قبول سے ہے۔ اخلاص کے ساتھ عمل ہونا کافی ہے۔ گو ولولہ نہ ہو بلکہ طبعاً گرانی ہو۔ حدیث "اسباغ الوضوء علی المکارہ" اس کی نقلی دلیل ہے جس سے دعا مذکور سے زائد یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے "مکارہ" سے اجر وفضل بڑھ جاتا ہے اور عقلی حقیقت اس کی یہ ہے کہ طاعات بعض کے لئے مثل غذا کی ہیں اور بعض کے لئے مثل دوا کے اور ظاہر ہے کہ دعا کا نافع ہونا اس کی رغبت پر موقوف نہیں ہے۔ نیز ایسی حالت میں اس کا استعمال اور زیادہ ہمت اور مجاہدہ ہے۔ اس میں حکمتیں بھی ہوتی ہیں جیسے عجب سے حفاظت اور اپنے نقص کا مشاہدہ و نحو ہما پس عبد کامل کا مذہب یہ ہونا چاہئے۔

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف ست

محبت عقلی کی شناخت:

فرمایا...... محبت عقلی یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت کو شریعت پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرے۔

دردو محبت پیدا کرنے کا طریقہ:

فرمایا...... محبت و درد اور دلجمعی پیدا ہونے کے لئے "مثنوی" و "دیوان حافظ" کے دو صفحے کا روزانہ مطالعہ کیا جائے تو زیادہ نافع ہوگا۔

محبت کی قسمیں اور ان کا حکم:

فرمایا...... محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقلی ایک طبعی اور مطلوب محبت عقلیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ محبوب کے احکام کی اطاعت کرے اور اپنی خواہش وارادہ کو اس کے احکام کے سامنے فنا کر دے اور اس کے حکم پر کسی چیز کو ترجیح نہ دے اور محبت طبعیہ میلان وانجذاب و وابستگی کا نام ہے اور قاعدہ ہے کہ محبت طبعیہ خاص درجہ میں ایک ہی ہو سکتی ہے دو سے ایک درجہ کی نہیں ہو سکتی اور یہ امر غیر اختیاری ہے کیونکہ

اس کا مدار مناسبت طبع پر ہے جو بندہ کے اختیار میں نہیں بلکہ مامور بہا محبت عقلیہ ہے۔ چنانچہ ہر مومن کو محبت عقلیہ اللہ ورسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ ہے۔ گو طبعاً اپنی جان سے زیادہ محبت ہو۔

محبت طبعی بھی ہر مسلمان میں ہے اور اس کی شناخت کا طریقہ:

فرمایا...... خدانخواستہ خدا اور رسول ﷺ کی شان میں کوئی کافر گستاخی کرے تو اس وقت ہر مسلمان کو جوش آتا ہے اور جان لینے اور دینے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت طبعی بھی ہر مسلمان میں ہے۔ پس اتنا فرق ہی کہ بعض میں ہر وقت اس کا ظہور رہتا ہے اور بعض میں کسی محرک قوی سے ظہور ہو جاتا ہے۔

محبت عقلیہ کی کمی کی شناخت:

فرمایا...... محبت عقلیہ کی کمی یہ ہی کہ مخلوق کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دی جائے۔

ایمان کے لئے حب عقلی ضروری ہے نہ کہ حب طبعی:

فرمایا...... "لایؤمن احدکم حتی یکون اللّٰہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما"۔ یہاں بھی مراد محبت عقلیہ ہے یعنی حضور ﷺ کے ساتھ حب عقلی سب سے زیادہ ہونا چاہئے جس کا معیار یہ ہے کہ احکام حضور ﷺ کی اطاعت ہو اور تعارض کے وقت حضور کے حکم کو دوسرے احکام پر ترجیح دی جائے۔ گو حب طبعی میں کمی ہو اگر چہ طبعی محبت بھی ہر مسلمان کو حضور ﷺ ہی سے زیادہ ہے مگر تحقیق یہی ہے کہ طبعی محبت اگر کم بھی ہو تو مضائقہ نہیں نری عقلی تو کافی ہے مگر نری طبعی محبت کافی نہیں۔

زیادتی محبت کا سہل نسخہ:

فرمایا...... ایک درجہ حظوظ کا بھی مطلوب ہے وہ یہ کہ حظوظ کا استعمال کیا جائے تا کہ منعم کی محبت بڑھے۔ پانی جب پیو خوب ٹھنڈا پیو۔ بال بال سے "الحمدللہ" نکلے گا۔

عشق کی حقیقت تفویض ہے:

فرمایا...... عاشقی نام بندگی کا ہے کہ ہر وقت حکم کا تابع رہے۔ جہاں جان دینے کا حکم ہو

وہاں جان دے اور جہاں جان بچانے کا حکم ہو وہاں بچائے۔ خلاصہ یہ کہ عشق کی حقیقت تفویض ہے کہ اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ تشریعاً بھی اور تکویناً بھی اور یہ ہر حال میں راضی رہے۔ یہ حقیقت ہے تفویض کی جس کی ابتداء شیخ کے ہاتھ میں اپنے کو سپرد کرنے سے ہوتی ہے۔

تبتل کی تعلیم:

فرمایا...... بس جی چاہتا ہے کہ سب سے الگ ہو کر حق تعالیٰ کے ساتھ لو لگائی جائے اور سب جھگڑوں کو حذف کیا جائے۔

لقب ابو یحییٰ کی پسندیدگی کا عجیب راز:

فرمایا...... ابو یحییٰ ملک الموت کا لقب ہے اور واقع میں یہ لقب عمدہ ہے۔ ابو یموت لقب نہیں رکھا۔ اس کی وجہ ہم سے پوچھو تو ہم یہی کہیں گے کہ جس کو تم موت کہتے ہو حقیقت میں حیات وہی ہے کیونکہ وہ بقائے حق کا وسیلہ ہے۔

محبت عقلیہ ہی افضل ہے محبت طبعیہ سے اور اس کا راز:

فرمایا...... محبت عقلیہ ہی افضل ہے کیونکہ اس کا مدار اعتقاد پر ہے اور اعتقاد بہت کم بدلتا ہے۔ "الانادراً والنادر کالمعدوم" اور محبت طبعیہ کا منشاء ہیجان نفس ہے اور جوش وخروش میں ہمیشہ تبدیل ہوتا رہتا ہے تو اس میں خطرہ زیادہ رہتا ہے۔

غیر خدا سے محبت ہو ہی نہیں سکتی:

فرمایا...... محققین کا دعویٰ ہے کہ غیر خدا سے محبت ہو ہی نہیں سکتی اور جس کو غیر سے بظاہر محبت ہے وہ بھی حقیقت میں خدا ہی سے محبت ہے (باقی اس پر جو مواخذہ ہے بوجہ نیت کے ہے کیونکہ یہ نیت تو غیر ہی کی کر رہا ہے) تقریر اس کی یہ ہے کہ محبت کے جتنی اسباب ہیں یعنی حسن و جمال، عطاو نوال، فضل و کمال یہ سب صفات حقیقت میں حق تعالیٰ کے ہیں۔ جیسے دیوار پر دھوپ پڑ رہی ہو اور کوئی دیوار کی روشنی پر عاشق ہو جائے تو ظاہر میں یہ تو نور دیوار کا عشق ہے مگر حقیقت میں آفتاب کا عشق ہے۔

عشق الٰہی کو چھپاؤ نہیں:

فرمایا......اپنی طرف سے تو اخفاء کا اہتمام کرو ہاں اگر ڈھول خود ہی گلے میں پڑ جائے اور خود بخود بجنے بھی لگے تو اس کو بند نہ کرو، اگر رونا آئے تو رو لو، چیخیں نکلیں تو نکلنے دو اور عشق الٰہی جس طرح ظاہر ہونا چاہئے ظاہر ہونے دو۔

عشق معشوقاں نہاں است و ستیر
عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر

محبت و عشق رافع شبہ ووسوسہ ہے:

فرمایا......حضرت محبت وعشق وہ چیز ہے کہ جب یہ دل میں گھس جاتی ہے تو پھر محبوب کے کسی قول وفعل میں شبہ اور وسوسہ پیدا نہیں ہوتا۔

جہنم میں مومن کو مشاہدہ راحت کا ہوگا بوجہ محبت الٰہی کے:

فرمایا......جہنم میں اوّل تو کفار کے برابر تکلیف نہ ہوگی پھر مسلمانوں کو خدا تعالیٰ سے محبت زیادہ ہو جائے گی اس لئے مومن کو عذاب میں بھی مشاہدہ راحت کا ہوگا۔

محبت کا مقتضاء رضا وتفویض ہے:

فرمایا......محبت کا مقتضاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سارے تصرفات پر راضی رہے۔ اپنی ساری تجویزوں کو فنا کر دے۔ دل لگنے نہ لگنے کا طالب نہ ہو، لذت وذوق کی ہوس نہ کرے بلکہ کام میں لگا رہے۔

موت سے وحشت دور ہونے کی تدبیر:

فرمایا......اگر یہ چاہو کہ موت آسان ہو جائے اور اس سے وحشت نہ رہے اس کا اشتیاق ہو جائے تو خدا کی محبت اور اطاعت حاصل کیجئے۔ اکثر طبائع پر موت کا خوف ہی غالب ہے اور اس سے طبعاً وحشت ہوتی ہے اور اس طبعی وحشت میں کوئی گناہ بھی نہیں مگر اس کی ضرور کوشش کرنا چاہئے کہ طبعی وحشت موت کے وقت نہ رہے۔ اس اشتیاق کی حالت غالب ہو جائے اس وقت اگر شوق غالب رہا تو موت کی ذرا بھی تکلیف نہ رہے گی اور اشتیاق موت ولقاء اللہ کی تمنا پیدا

ہونے کی تدبیر کثرت ذکر و کثرت طاعت اور اجتناب معصیت ہے۔

محبت کا منشاء:

فرمایا......اولاد اور بیوی کے ساتھ طبعی محبت ہے عقلی محبت نہیں ور طبعی محبت تو جانوروں کو بھی اولاد وغیرہ سے ہوتی ہے۔ یہ کچھ کمال نہیں اور نہ خدا اور رسول کے ساتھ یہ محبت مامور بہا ہے بلکہ محبت عقلیہ مامور بہا ہے۔ جس کا منشاء محبوب کا کمال ہوتا ہے سو یہ محبت اللہ اور رسول کے ساتھ زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ ان کے برابر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی صاحب کمال نہیں اور خدا تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے برابر کوئی صاحب کمال نہیں۔

ترغیب شدت تعلق مع اللہ:

فرمایا......محبوب کے راستہ میں ایک سر کیا ہزار سر بھی پھوٹ جائیں تو تھوڑے ہیں اور اگر جان بھی جاتی رہے تو عین سعادت ہے۔

مقصود حب عقلی ہے:

فرمایا...... جیسے غلبہ خشیت سے کثرت بکا حالت محمود ہے گو مقصود نہیں اسی طرح غلبہ محبت طبعی گو محمود ہے مگر مقصود نہیں مقصود حب عقلی ہے۔

جوش کی کمی علامت محرومی نہیں:

فرمایا...... جوش کا اکثر قاعدہ ہے کہ جب تک مطلوب حاصل نہیں ہوتا اس وقت رہا کرتا ہے۔ حصول مطلب کے بعد جوش نہیں رہا کرتا، ہاں اگر مطلوب سے تعلق رہے تو بجائے شوق کے انس پیدا ہو جاتا ہے بس اس کا کم ہونا محرومی کی علامت نہیں بلکہ وصول علامت ہے۔

محبت طبعی پر محبت عقلی کی وجوہ کی ترجیح:

فرمایا...... محبت عقلی راجح ہے محبت طبعی پر کیونکہ محبت طبعی اختیاری نہیں اس کا حدوث وبقاء بالکل غیر اختیاری ہے اور امر غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا۔ بخلاف محبت عقلی کے کہ اس کا حدوث وبقاء اختیاری ہے تو اس پر دوام بھی ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے محبت طبعی سے محبت عقلی

انفع بھی ہے کیونکہ محبت طبعی منشاء جوش طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ نہیں رہتا اور محبت عقلی بناء علی الکمالات ہوتی ہے تو جب تک کمالات باقی ہیں اس وقت تک محبت بھی رہے گی اور محبوب حقیقی کی کمالات ختم نہیں ہو سکتے تو ان کی محبت بھی ختم نہ ہوگی۔

نماز روزہ میں اہل اللہ کی لذت کی مثال:

فرمایا...... اہل اللہ کو نماز و روزہ میں ایسی لذت آتی ہے جیسے عاشق کو محبوب کے پیر دبانے اور پنکھا جھلنے میں۔

محبت مجازی سے محبت حقیقی کے تحصیل کا طریقہ:

فرمایا...... جس چیز سے کسی کو محبت ہو اس میں یہ غور کرے کہ کمال اس کے اندر کہاں سے آیا مسلمان کا دل فوراً جواب دے گا کہ حق تعالیٰ نے پیدا کیا تو اب دل کو سمجھانا چاہئے۔

چہ باشد آں نگار خود کہ بندد آں نگار ہا

کہ جس نے ایسی ایسی چیزیں پیدا کی ہیں وہ خود کیا کچھ ہوگا اور اس کے ساتھ ہی محبوب مجازی کے فنا و نیست ہونے کو بھی ذہن میں حاضر کیا جائے کہ یہ چند روز میں فنا ہو کر خاک ہو جائے گا۔ اس کا کمال وحسن عارضی ہے اور حق تعالیٰ کا کمال ذاتی اور باقی۔

عشق بامردہ نباشد پائدار
عشق را باحی وبا قیوم دار

خدا تعالیٰ سے لو لگانے کا طریقہ:

فرمایا...... خدا تعالیٰ سے لو لگانے کے طریقے مختلف ہیں۔ کہیں محبت قائد ہوتی ہے کہیں خوف سائق ہوتا ہے۔ اول کا طریقہ نعمائے الٰہیہ پر غور کرنا اور ثانی کا طریقہ عذاب وعقوبت کا استحضار ہے۔

مسلمانوں کو طبعی محبت بھی اللہ ورسول سے ہی زیادہ ہے مع دلیل:

فرمایا...... ہر مسلمان کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی ذلت اور ماں باپ کی ذلت کو گوارہ کر سکتا ہے مگر اللہ ورسول اللہ ﷺ کی شان اس میں ذرا سی گستاخی کا تحمل نہیں کر سکتا تو اس سے معلوم ہوا کہ "بحمد اللہ" مسلمان کو طبعی محبت بھی اللہ ورسول اللہ ﷺ ہی سے زیادہ ہے۔

درحقیقت حق تعالیٰ ہی کو ہم سے محبت ہے:

فرمایا...... محبت معرفت سے ہوتی ہے۔ سو حق تعالیٰ کو تو ہماری معرفت ہے مگر ہم کو ان کی معرفت کہاں۔ پس ہماری محبت جو کہ بلا معرفت ہے۔ محض برائے نام محبت ہے ورنہ حقیقت میں حق تعالیٰ ہی کو ہم سے محبت ہے۔

آثار محبت:

فرمایا...... محبت، محبوب کے عیوب کو بھی محاسن کر دیتی ہے۔

اہل اللہ کی راحت کا راز:

فرمایا...... اہل اللہ کی راحت کا راز یہ ہے کہ مخلوق سے ان کی امیدیں منقطع ہو چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر فعل کو حکمت اور مصلحت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ نیز ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت بھی ہے اس لئے اگر حکمت ومصلحت معلوم بھی نہ ہو تو محبت کی وجہ سے وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود برجان من
دل فدائے یار دل رنجان من
زندہ کنی عطائے تو در بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

بخلاف دنیا والوں کی کہ ان کو کچھ راحت نہیں وہ کھانا کھاتے ہیں اور کھانا ان کو کھاتا ہے۔

اہل اللہ کا خدا کی محبت میں حال:

فرمایا...... اہل اللہ کا خدا کی محبت میں یہ حال ہوتا ہے کہ تمام مصائب ان کو آسان ہو جاتے ہیں نہ قید خانہ سے ان کو تکلیف ہوتی ہے نہ فاقہ سے کلفت۔ ان کی شان یہ ہوتی ہے کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے مگر خوش ہیں۔ کیونکہ ایک چیز ان کے پاس ایسی ہے کہ اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی ان کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی وہ کیا ہے وہ آغوش محبوب ہے رضائے محبوب ہے لذت طاعات ہے، لذت مناجات ہے، لذت قرب ہے۔

خدا تعالیٰ سے واسطہ کسی وقت قطع نہ کرو:

فرمایا...... خدا تعالیٰ سے کسی وقت واسطہ کو قطع مت کرو کیونکہ ان سے ہر دم واسطہ ہے۔ پس توبہ واستغفار سے کوئی مصیبت ہٹ جائے تب بھی اس سبق کو نہ چھوڑو۔

خدا تعالیٰ کو جن سے محبت ہوتی ہے ان ہی کو اپنا عشق دیتے ہیں:

فرمایا...... عشق اول در دل معشوق پیدا می شود۔ یعنی خدا اپنا عشق اسی کو دیتے ہیں جس سے پہلے ان کو محبت ہوتی ہے۔

ولایت کا مدار اطاعت پر ہے:

فرمایا...... لوگوں نے محبوبان خدا کو محبوبان دنیا پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح دنیا والوں کے محبوب تکالیف اور احکام سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح محبوبان خدا بھی مستثنیٰ ہو جاتے ہوں گے اور خبر نہیں کہ محبوب ہی وہ بنتا ہے جو آئندہ بھی دوسروں سے زیادہ احکام کا بجالانے والا ہو۔ حق تعالیٰ کی محبت اضطراری نہیں کہ بلاوجہ کسی سے خواہ مخواہ محبت ہو جائے۔ ان کی محبت اختیاری ہے اور وہ محبت اسی سے کرتے ہیں جو ان کا زیادہ مطیع ہے۔ پس جو چیز محبت کا سبب ہے وہی اگر جاتی رہی تو محبوب کہاں رہے گا۔

عاشق کے نامراد ہونے کی وجہ:

فرمایا...... عاشق ہر وقت نامراد ہے کیونکہ اس کی طلب کم نہیں ہوتی وہ حد درجہ پر پہنچ کر اس سے آگے کا طالب ہے اس لئے وہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے۔

تعلق مع اللہ ہی دوائے ہموم ومصائب ہے:

فرمایا...... توبہ واستغفار کرو اور ہر روز پانچ سو مرتبہ کم از کم ''لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم'' کا وظیفہ مقرر کر لو۔ ایک ہفتہ میں سب مصیبت دور ہو جائے گی کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ ''لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ کنز من کنوز الجنۃ وھو دواء تسعین داء ایسرھا الھم۔'' غرضیکہ حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو۔ اس کے سوا سب سے قطع نظر کرو کیونکہ راحت وکلفت سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کو راضی کرو انشاء اللہ تعالیٰ وہ تمام مصائب

کا انتظام فرما دیں گے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. (النمل۔۶۲)

محبت کے مختلف لون ہیں:

فرمایا...... محبت کا ایک رنگ یہ ہے کہ اپنی طرف سے تو محبوب کے سوا سب کو چھوڑ کر اسی کے مشاہدہ میں لگا رہے لیکن اگر خود محبوب کسی جماعت کا ہم کو حاکم بنا دے تو حکومت کے انتظام میں مشغول ہونا یہ بھی عین مشاہدہ ہے۔

حکومت محض حکم محبوب کی وجہ سے کرنے کا معیار:

فرمایا...... یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم اپنے نفس کو خوش کرنے کے واسطے انتظام کر رہے ہیں یا محض حکم محبوب کی وجہ تو اس کا معیار یہ ہے کہ اگر یہ شخص ان محکومین کو اپنے سے کم نہ سمجھے گا گو کام تو کرے بڑا ہو کر مگر اعتقاد میں سب کو اپنے سے بڑا سمجھے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ یہ محض محبوب کے حکم کی وجہ سے سیاست خلق میں مشغول ہے۔ نفس کے لئے کام نہیں کر رہا ہے۔

خدا کے نزدیک زیادہ محبوب کون ہیں:

فرمایا...... خدا کے نزدیک زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی عیال سے اچھا برتاؤ کرے یعنی مخلوق سے ''احبکم الی اللہ احسنکم الی عیالہ''۔

حیات طیبہ کی علامات:

فرمایا...... خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھاؤ اور غیر خدا سے حالاً وقالاً تعلق کم کرو۔ پھر دنیا وآخرت دونوں کی راحت تمہارے ہی لئے ہے۔ اگر فقر وفاقہ بھی ہو جب بھی تم کو راحت وچین ہی ہوگا اور بدوں سرمایہ اور سامان کے تم سلاطین سے بڑھ کر سلطان ہو گے۔

اے دل آں بہکہ خراب از مے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

خدا تعالیٰ سے محبت بڑھانے کا نتیجہ یہ ہوگا۔

(۱)......مرتے ہوئے فرشتے بشارت دیں گے۔ خوشخبری سنائیں گے جس سے ہر نیک بندہ کو اصل گھر کا اشتیاق اور انتظار ہوگا اور اسی لئے تعجیل جنازہ کا امر ہے۔

(۲)......قبر میں یہ ہوا کہ جنت کی طرف کھڑکیاں کھل جائیں گی۔ وہاں بھی فرشتے بشارتیں سنائیں گے۔

(۳)......میدان حشر میں یہ حال ہوگا:

"لَایَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ"

میں نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

عاشقاں را با قیامت روز محشر کار نیست
عاشقاں راجز تماشائے جمال یار نیست

حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کا دن کافر کے لئے پچاس ہزار سال کا ہوگا اور مومن کو ایسا معلوم ہوگا جیسے فرض نماز کا وقت۔

(۴)......پل صراط سے گزرتے وقت دوزخ یوں کہے گی کہ اے مومن جلدی پار ہو جا کہ تیرے نور کی برودت نے تو میری نار کی حرارت کو بجھا دیا۔ بتلایئے یہ پاکیزہ زندگی ہے یا یہ [illegible] جس میں ہم پھنسے ہیں۔ (انفاس عیسیٰ)

سکون دل کہاں؟

اگر آپ غور سے دیکھیں تو آپ کو اس دور میں ہر شخص مضطرب اور پریشان نظر آئے گا۔ جسے دیکھیں اسے روزگار کی عزیز و اقارب کی اور دوست احباب کی شکایت کرتا ہوا پائیں گے کسی کو سکون اور راحت حاصل نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ نہ جمہوریت ہے اور نہ حقوق ہے۔ نہ معاشی مسائل ہیں بلکہ سب سے بڑا مسئلہ دل کا سکون اور اطمینان کا فقدان ہے حالانکہ آج کے انسانوں کو راحت اور آسائش کے وہ وسائل اور سامان حاصل ہیں جن کا اس کے آباؤ اجداد نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا۔ چنانچہ مضطرب اور بے قرار انسان نے دل کا سکون حاصل کرنے کے لئے بے شمار غلط راستے اختیار کئے لیکن اسے سکون نہ مل سکا۔ کسی نے سوچا کہ راحت اور سکون اقتدار میں ہے لیکن اقتدار ملنے کی بعد پتہ چلا کہ یہاں تو ایک لمحے کا سکون نہیں۔ عبدالرحمٰن الداخل اموی رحمۃ اللہ علیہ اسپین میں پچاس برس تک مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت

سے حکومت کرتا رہا۔ جب دنیا سے رخصت ہوا تو لوگوں نے سنا وہ کہہ رہا تھا میں نے اپنی پوری زندگی میں صرف چودہ دن سکون کے دیکھے ہیں۔ کوئی سمجھتا ہے سکون دولت کی کثرت سے ملتا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کا یہ حال ہے کہ انہیں کاروباری اور دوسری پریشانیوں کی وجہ سے رات کو گولی کے بغیر نیند نہیں آتی۔ کسی کا خیال ہے کہ اگر انسان کی جنسی خواہشات پوری ہو جائیں تو اسے سکون مل سکتا ہے۔ چنانچہ یورپ میں جنسی خواہشات کے لئے زنا عام کر دیا گیا۔ زنا کاری اور لواطت کو قانونی تحفظ دیا گیا۔ باہمی رضامندی سے جب چاہیں جہاں چاہیں جس سے چاہیں زنا ہو سکتا ہے۔ بیویوں کا آپس میں تبادلہ ہو سکتا ہے۔ عورتیں کرائے پر مل جاتی ہیں۔ یہ تمام ذرائع انسان کو حقیقی سکون نہیں دے سکے اور انسان سکون کی تلاش میں دیوانوں کی طرح مارا مارا پھر رہا ہے۔ اب خدا کی طرف سے پکار آتی ہے میرے بندے تو نے دولت کے انبار لگائے مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔ تو نے فحاشی عریانی بدکاری کی انتہا کر دی مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔ تو نے ساغر اور مینا شراب، ہیروئن، چرس اور بھنگ کا استعمال کر کے دیکھا مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔ تو نے نت نئے فیشن اختیار کئے مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔

اے بھولے بھٹکے انسان میرے دروازے پر آ میں تیرا رب ہوں۔ میں تیری ضروریات کا مالک ہوں میں تجھے حصول سکون کا راستہ دکھاؤں گا۔ یہ چیزیں تجھے سکون نہیں دے سکتیں۔ اے ظالم اور جاہل انسان تو بھی کتنا پگلا ہے۔ انگاروں پر بیٹھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے ٹھنڈک نصیب ہو گی۔ گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر چاہتا ہے کہ تجھے خوشبو کے دلنواز جھونکے آئیں۔ کانٹوں پر بستر بچھایا ہے اور چاہتا ہے کہ چبھن نہ ہو۔ تیل چھڑک کر تیلی جلاتا ہے اور چاہتا ہے کہ آگ بھی نہ جلے۔ اپنے خالق و مالک کو بھلا رکھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے پریشانیاں بھی نہ آئیں۔ او میرے پاگل بندے تجھے سیم و زر کی چھنا چھن سکون دے سکتی ہے نہ تخت و تاج تیری دل کی اضطراب کو دور کر سکتا ہے۔ نہ رقص و سرود اور میوزک تیری قلبی بیماریوں کا علاج ہے نہ زنا کاری اور فحاشی تجھے مطمئن رکھ سکتی ہے۔ اگر تجھے سکون ملے گا تو میری چھاؤں میں ملے گا۔ میرے ذکر کی خوشبو سے ملے گا۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد۔۲۸)

تمہیں دل سکون اور سچی خوشی اللہ کے ذکر کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک گناہوں کو نہیں چھوڑو گے تمہاری پریشانیاں کبھی دور نہیں ہوں گی۔

آیئے! ہم آج عہد کریں آج کے بعد ہم کبھی بھی زندگی کے کسی شعبے میں بھی شریعت کی مخالفت نہیں کریں گے پھر دیکھئے گا ہمیں سکون قلب کیسے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارا گھر جنت کا نقشہ پیش

کرے گا۔ ہمیں روکھی سوکھی روٹی میں وہ لذت نصیب ہوگی جو امراء کو مرغن غذاؤں میں نصیب نہیں ہوتی۔ ہمیں گھاس پھوس کے بستر پر ایسی نیند آئے گی جو اللہ کے باغیوں کو ریشم کے بستر پر نہیں آتی۔
اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں نافرمانی چھوڑ کر فرمانبردار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دل کی سختی کا علاج

(۱۹)...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ میرا دل بہت سخت ہے۔
آپ ﷺ نے فرمایا کہ یتیموں کے سروں پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو (دل نرم ہو جائے گا)۔
(مشکوٰۃ، صفحہ ۴۲۵)

تشریح:

کسی انسان کا دل کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو لیکن ایک سلیم الفطرت کا دل کسی یتیم کو دیکھ کر بھر آتا ہے۔ جب وہ یہ سوچتا ہے کہ جس طرح میں اپنی اولاد کا ایک مشفق اور مربی باپ ہوں اس کا بھی اسی طرح کوئی مشفق اور مربی باپ ہوگا جس کی شفقت سے آج یہ محروم ہے۔ اگر اس نیت سے وہ کسی یتیم کے ساتھ رحم وکرم کا برتاؤ کرنے لگتا ہے تو قدرت آہستہ آہستہ اس کی قلبی سختی کو نرمی سے بدل دیتی ہے۔ اس حدیث میں ایک طرف یتیم پر شفقت کی تعلیم ہے اور دوسروں طرف اس شفقت کرنے والے کا ذاتی نفع بھی بیان کیا گیا ہے۔ مگر آہ! افسوس کہ آج ہمارے مسلمان بھائیوں کے یتیم بچے ایک طرف اگر قسمت سے اپنے والد کی شفقت سے محروم ہوتے ہیں تو دوسری طرف عام مسلمانوں کی شفقت سے صرف محروم ہی نہیں ہوتے بلکہ ان کی بے رحمی کا شکار ہوتے ہیں۔ اسلام نے بیواؤں یتیموں اور مساکین کی طرف بے حد توجہ کی ہے جبکہ دوسرے مذاہب میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔
ڈاکٹروں نے ہر بیماری کے لئے الٹے سیدھے علاج گھڑ رکھے ہیں مگر کیا ہے کوئی جس کو قلبی قساوت یعنی دل کی سختی کا علاج معلوم ہو؟ یہ صرف رسول اعظم ﷺ کا احسان ہے کہ انہوں نے اس لا علاج مرض کی دوا تجویز کی اور وہ بھی ایسی کہ جو ایک طرف تو مفت اور بے خطا ہے اور دوسری طرف یتیموں کی شیرازہ بندی اور پرورش کا ایک باعزت اور مضبوط نظام ہے۔ باعزت اس لئے کہ اس نظریہ میں یتیم سے زیادہ خود اس کا فائدہ ہے۔

باب سوم

صبر و شکر سے سکون قلب

حدیث قدسی:

"جو میرے فیصلے پر راضی نہ ہوا اور میری آزمائش پر صبر نہ کیا اور میری نعمت پر شکر نہ کیا اور میرے دیئے ہوئے پر قناعت نہ کی تو اس کو چاہئے کہ میرے علاوہ کوئی اور رب تلاش کر لے۔"
(از مجموعہ احادیث قدسی)

خود میرے دل نے تراشے ہیں غموں کے پیکر
مرے مولا نے تو ہر غم سے بچا رکھا ہے
دل کا ہر داغ تبسم یاد بنا رکھا ہے
ہم نے ہر غم کو غم یار بنا رکھا ہے

صبر کی حقیقت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ صبر کی حقیقت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:
شریعت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی پریشانی یا مصیبت آئے تو اس پر صبر کیا جائے۔ مثلاً اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو "انا للہ وانا الیہ راجعون" (البقرۃ۔۱۵۶) پڑھے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کے باوجود اپنی گم شدہ چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور ادھر ادھر دوڑ رہا ہے تو ایسا شخص بھی صابرین میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ صبر کا تعلق ہاتھ پیر سے نہیں بلکہ قلب سے ہے اور قلب کا وظیفہ یہ ہے کہ صبر کرے اور صبر کے معنی یہ ہیں کہ بندہ رضا کا اظہار کر دے کہ جو کچھ من جانب اللہ ہوا اور ٹھیک ہے۔ باقی ادھر سے امر ہے کہ جدوجہد بھی کرو اور کوشش بھی کرو۔ ہاتھ پیر سے سعی بھی کرو یہ صبر کے منافی نہیں ہے۔ سعی کا حاصل یہ ہے کہ اس چیز کو پانے کے لئے جدوجہد کرو جو گم ہے لیکن جو کچھ نتیجہ نکلے اس پر راضی رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنا بھی صبر ہے۔ اس میں چوں وچرا بالکل نہ کریں۔

صبر کی تدبیر

رہا یہ صبر کس طرح سے کرے تو اس کی بھی تدبیر ہے۔ یعنی قلب کے اندر تشویش نہ ہو کہ ہائے میری فلاں چیز کھو گئی۔ اب کیا ہوگا۔ جب کسی چیز کے تلف ہونے یا فقدان پر صبر کرے گا تو جب تک اس کا کوئی بدل موجود نہ ہوگا جس کی طرف رجوع کرے تو اس وقت تک صبر نہیں ہو سکتا ہے اس لئے مصیبت آنے پر اس کے بدل پر غور کرے کہ کیا گیا اور کیا باقی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عجیب وغریب تدبیر بتلائی ہے۔ فرمایا ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو سب سے پہلے یہ غور کرو کہ یہ مصیبت میرے دین پر آئی ہے یا دنیا پر۔ اگر دین محفوظ ہے تو خوش ہونے کی بات ہے کہ اصل سرمایہ محفوظ ہے۔ بس اس خیال کے ساتھ صبر آجائے گا۔ باقی دنیا یہ تو خود ہی جانے والی ہے۔ بعض دفعہ زندگی میں یہ چھن جاتی ہے ورنہ موت سے تو چھن جانا ضروری ہے۔ تو جو چیز چھننی تھی وہ چھن گئی وہ جانے ہی والی تھی اور جو چیز رہنے والی تھی وہ "الحمد للہ" محفوظ ہے۔ اس طرح صبر آجائے گا کہ بڑی چیز قبضے میں ہے اور چھوٹی چیز چلی گئی۔ اب وہ چھوٹی چیز مثلاً دولت یا صحت گئی اور مصیبت آئی تو اس پر بھی غور کرے کہ اس کے آنے سے کچھ فائدہ بھی پہنچا یا نقصان ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر غور کرو کہ بدل میں کیا چیز ملی اور باقی کیا چیز رہی تو صبر سہل ہو جائے گا۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ نگاہ کرے کہ کون سے چیز گئی اور کون سی چیز باقی ہے اور کس بڑی مصیبت سے میں بچ گیا۔ اسی لئے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ نے شکر کا موقعہ دیا ہے۔ مصیبت میں بھی شکر کا موقع ہی کہ اس معمولی مصیبت کی ذریعہ بڑی مصیبت سے بچالیا گریا اور فلاں مرض سے رہائی نصیب ہوئی۔ اس لئے کہ مصیبتیں لاانتہا ہیں اور بڑی سے بڑی مصیبتیں ہیں۔ جب بڑی بڑی مصیبتوں پر غور کرے گا تو اپنی مصیبت ہلکی معلوم ہوگی۔

صبر ہو تو بیماری بھی نعمت ہے

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرمار ہے تھے کہ دنیا میں کوئی چیز مصیبت نہیں ہے بلکہ ہر چیز نعمت ہے۔ مصیبت بھی ایک نعمت ہے اس لئے کہ اس سے بندہ کو اجر ملتا ہے ترقی مدارج ہوتی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ مصیبت پر نگاہ نہ کرے بلکہ ترقی مدارج اور کفارہ سیئات پر نگاہ کرے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مصیبت آتی ہے وہ مصیبت نہیں بلکہ نعمت

ہوتی ہے۔ ہم اپنی تنگ دلی سے اس کو مصیبت سمجھ جاتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس وقت یہ مضمون بیان فرمار ہے تھے اس وقت ایک شخص آیا جس کے بازو میں ایک بڑا دنبل نکل رہا تھا اس نے ہائے ہائے کرتے ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں۔ بڑی سخت تکلیف ہے۔ ایک ہفتہ ہو گیا مگر ایک دانہ میرے منہ میں نہیں گیا۔ ہر وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں بچھو ڈنگ مار رہے ہیں۔ کسی کروٹ مجھے چین نہیں ہے۔ دعا کیجئے کہ یہ مصیبت دور ہو جائے۔

فرمایا کہ اے اللہ! یہ بندہ ضعیف ہے۔ اس نعمت کے تحمل کی اس میں طاقت نہیں۔ اس لئے مرض کی اس نعمت کو صحت کی نعمت سے بدل دیجئے۔ اس کی اندر اسی کی طاقت ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض نعمتوں کی صورت بھی نعمت ہی ہوتی ہے اور حقیقت میں بھی نعمت ہوتی ہے اور بعض نعمتوں کی صورت مصیبت کی سی ہوتی ہے۔

ہر مصیبت سے بڑھ کر مصیبت

فرمایا کہ ایک شخص کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے اور ان کی کمر اوپر سے نیچے تک بالکل چپاں تھی۔ ڈاکٹروں کو جمع کیا گیا کہ یہ دو بچے ہیں اور جڑے ہوئے ہیں اس کو حل کر وان کو آپریشن کر کے الگ کر دو۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ اگر آپریشن کیا گیا تو دونوں مر جائیں گے۔ اس لئے کہ جو شہ رگیں ہیں وہ دونوں کی جڑی ہوئی ہیں۔ دونوں کی پرورش کی گئی۔ اب ماں بے چاری ایک کو دودھ پلاتی تو دوسرا الٹا پڑا ہوا اور جب دوسرے کو پلاتی تو پہلا الٹا پڑا ہوا ہے۔

غرض وہ اس طرح سے پالتی رہی۔ یہاں تک کہ بچے پانچ چھ برس کے ہو گئے۔ ان کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا۔ خدا کی قدرت کہ ایک کی دل میں جذبہ پیدا ہوا علوم دین حاصل کرنے کا اور ایک کے دل میں جذبہ پیدا ہوا علوم معاش حاصل کرنے کا۔ دونوں کے لئے عالم متعین کئے گئے۔ ایک اچھا عالم بن گیا اور ایک بڑا گریجویٹ بن گیا۔ دونوں بھائی آپس میں باتیں کیا کرتے۔ جو بھائی دنیا طلب تھا وہ کہتا کہ ہم سے زیادہ کوئی مصیبت میں نہیں ہے۔ ہر وقت کی مصیبت، میرا جی کھیلنے کو چاہتا ہے اور تیرا دل نہیں چاہتا مگر مجبوراً تجھ کو جانا پڑتا ہے۔

اور اگر میں استنجاء کے لئے جانا چاہتا ہوں اور تیرا جی نہیں چاہتا تو بھی تجھ کو جانا پڑتا ہے تو کوئی اپنے دل کی بات نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ہم سے زیادہ کوئی مصیبت میں نہیں۔ یہ سن کر دیندار بھائی کہتا کہ بھائی صبر کرو اس سے بڑھ کر بھی تو مصیبت آنی ممکن ہے۔ اس نے کہا کہ اس سے بڑھ کر مصیبت ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ نصیحت کرتا کہ یہ مت کہو اللہ کے یہاں مصیبتوں کے خزانے بھی بہت ہیں۔ خدا کی قدرت کہ دیندار بھائی کا انتقال ہوگیا تو پھر ڈاکٹروں کو جمع کیا گیا کہ اس لاش کو کاٹو تو انہوں نے کہا کہ اگر لاش کاٹی گئی تو یہ بھی مر جائے گا۔

اب لاش دنیا دار بھائی کی کمر پر ہے۔ سوتا ہے تو مردہ کمر کے اوپر، بیٹھا ہے تو مردہ کمر کے اوپر، کھانا کھاتا ہے تو مردہ کمر پر، استنجا کو جاتا ہے تو مردہ کمر پر، اس وقت چھوٹے بھائی نے کہا کہ میرا بھائی صحیح کہتا تھا وہ مصیبت لاکھ درجہ بہتر تھی جب کہ بھائی زندہ تھا۔ تو اس نے توبہ کی اور صبر کیا اور کہا کہ اے اللہ بس کر۔ اگر اس سے بڑھ مصیبت آگئی تو کیا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ہر مصیبت سے بڑھ کر مصیبت ہے۔

صبر کی ایک صورت یہ ہے کہ اہل مصائب کو سامنے رکھے۔ بالخصوص ان کو جن پر زیادہ مصیبت آئی ہے تو خود بخود وہ شکر کرے گا کہ ہم سے زیادہ مصیبت فلاں پر آئی ہے۔

دنیا کی نعمت بھی ہو تو اس میں بھی مصائب ملے ہوئے ہیں۔ کوئی نعمت ایسی نہیں ہے کہ جس میں مصیبت کا دروازہ کھلا ہوا نہ ہو اور کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ جس میں نعمت کا رستہ نہ نکلتا ہو تو یہاں کی نعمت محدود ہے اور مصیبت بھی یہاں کی لازوال نہیں ہے۔ اکبر نے ایک قطعہ لکھا ہے وہ لسان العصر ہیں اور مانے ہوئے شاعر ہیں۔ انہوں نے بڑے ہی کام کی بات کہی ہے۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے
یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی
وہ فقط وقت کا گزرنا ہے

نہ یہ ٹھہرنے والی نہ وہ ٹھہرنے والی۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے بڑے کام کی بات بتائی ہے کہ مصیبتوں کا خیال مت کرو اور منزل کی طرف متوجہ رہو مگر منزل کا پتہ نہیں دیا۔

مطلب یہ ہے کہ تکلیف آئے تو صبر کرو اور خیال کرلو کہ یہ تو وقت کا گزرنا ہے لیکن جاؤں کہاں اس قطعہ میں منزل مقصود کا پتہ نہیں دیا تو میں نے اس میں اپنے تین شعر بڑھا دیئے تاکہ

منزل کا پتہ بھی چل جائے۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے
یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی
وہ فقط وقت کا گزرنا ہے
رہ گیا عز و جاہ کا جھگڑا
یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے
اور قابل ذکر بھی نہیں خورد و نوش
یہ بہیمی کی خو سے لڑنا ہے
مقصد زندگی ہے طاعت حق
نہ کہ فکر جہاں میں پڑنا ہے

اگر اس مقصد کو پیش نظر رکھو تو ہر مصیبت ہلکی ہوجائے گی۔ یعنی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں گزر جائے یہ مقصد نہیں ہے کہ دنیا کی فکروں میں پڑ کر اصل حقیقت کو بھول جائے۔

(مجالس حکیم الاسلام، جلد۲)

میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ کا قصہ

حضرت مولانا اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ جب علیل تھے، جب ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو شمار کرنا شروع کیا جو ان کو حاصل تھیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے جسم کے اعضاء صحیح سالم ہیں۔ آنکھیں ٹھیک ہیں کان ٹھیک ہیں ہاتھ پاؤں تندرست ہیں اور بہت سی نعمتیں شمار کرنے کے بعد اپنی بیماری کے بارے میں فرمایا کہ معمولی سا بخار ہے حالانکہ اس وقت آپ کو ۱۰۵ درجہ حرارت کا بخار تھا۔

اہل اللہ کے انداز بیان کو دیکھئے کہ نعمت کی جہت کو خوب تفصیل سے بیان کیا اور تکلیف کو بہت ہلکا کر کے ظاہر کیا۔ حالانکہ اس وقت آپ کو انتہاء درجے کی تکلیف تھی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بے شمار مصیبتیں

جھیلیں۔ پریشانیاں برداشت کیں۔ آپ کی جدائی کے صدمہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔ حضرت یوسف علیہ السلام تقریبا چالیس سال سے زائد عرصہ تک باپ سے جدا رہے۔ بعض روایات میں ستر سال تک جدائی کا عرصہ بیان کیا گیا ہے۔ جدائی کے یہ صدمات برداشت کرنے کے علاوہ حضرت یوسف علیہ السلام نے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں آپ کو کنویں میں ڈالا گیا بازار میں فروخت کیا گیا غلام بنایا گیا۔ اسی پر بس نہیں آپ پر جھوٹی تہمت بھی لگائی گئی اور بے گناہ آپ کو قید و بند کی مشقتوں میں ڈالا گیا۔ غرض طویل عرصہ تک مصیبتیں برداشت کرتے رہے وار جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصائب و پریشانیوں سے نجات دی اور اپنے والد سے ملاقات کی صورت پیدا ہوئی اور چالیس سال تک والد سے جدا رہنے کے بعد ملے تو اپنے والد ماجد سے چالیس سال کی پریشانیوں اور دکھڑوں کا تذکرہ نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا شروع کیا۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ. (یوسف۔۱۰۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا جب کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور باہر لے آیا جب کہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا حالانکہ اگر کسی عام آدمی پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ اس کو عمر بھر گاتا پھرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام نے چالیس سال تک جدائی کی روئیداد دو منٹوں میں بیان فرمادی۔

یہ ہے پیغمبر کی شان کہ مصیبت کو بھی نعمت شمار کرتے ہیں۔ شکر کرنے والوں کی نظر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہوتی ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال سے مزید وضاحت فرمائی کہ یک شخص اگر کسی کا مہمان بنے اور میزبان اس کو پینے کے لئے دودھ کا گلاس دے دے تو شکر گزار بندہ جب اس واقعہ کو بیان کرے گا تو اس طرح کہے گا کہ میزبان نے پینے کے لئے دودھ کا گلاس پیش کیا جو آدھا بھرا ہوا تھا اور اسی بات کو اگر اس طرح بیان کیا جائے کہ میزبان نے دودھ کا گلاس دیا جو آدھا خالی تھا تو مطلب تو ایک ہی بنتا ہے لیکن انداز بیان کا اثر مختلف ہے۔ جس نے یہ کہا کہ آدھا بھرا ہوا تھا اس نے نعمت کی جہت کو اختیار کیا اس طرح اس نے شکر ادا کیا اور جس نے کہا کہ میزبان نے دودھ کا آدھا خالی گلاس پیش کیا اس نے ناشکری کا انداز اختیار کیا تو اہل اللہ کی نظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے منعم سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

افلاطون کا قصہ

موت کا علاج بڑے بڑے سائنسدان اور فلسفی نہیں کر سکے۔ کہتے ہیں کہ افلاطون نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ موت کا علاج کر سکتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کو موت کا آخری وقت اور آخری لمحہ بتا دیا جائے۔ اس کی دعا قبول ہوگئی اور اس نے موت سے بچنے کا علاج اس طرح ڈھونڈا کہ طے شدہ وقت پر موت سے بچنے کے لئے اپنی شکل کی اٹھارہ مورتیں بنائیں۔ ان تمام کو سلیقے سے کرسیوں پر رکھا اور ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب ملک الموت آئے گا تو دیکھ کر حیران ہوگا کہ یہاں تو بہت سے افلاطون موجود ہیں میں کس کی روح قبض کروں۔ فرشتہ کو اسی الجھن میں دیر ہو جائے گی اور موت کا آخری مقررہ لمحہ گزر جائے گا۔ اس طرح وہ مرنے سے بچ جائے گا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر موت کا فرشتہ آیا اور دیکھ کر بولا کہ اے افلاطون! تو نے بڑا ہی کمال کر دکھایا ہے لیکن پھر بھی ایک فرق رہ گیا ہے۔

اس پر افلاطون بول پڑا کہ وہ کون سا ہے؟ تو فرشتے نے کہا یہی فرق ہے کہ تو ناطق (بولنے والا) اور دیگر ناطق نہیں۔ اس طرح یہ مدعی بھی اپنے دعویٰ میں ناکام رہا۔

خلاصہ یہ کہ موت سے کسی کو مفر نہیں (کوئی بھاگ نہیں سکتا) لہٰذا ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر کرنا چاہئے۔

حضرت قاری حارث رحمۃ اللہ علیہ حدیث و تفسیر کے امام ہیں اور صوفیاء کرام میں اکثر ان کے شاگرد ہیں۔ آپ کی ملفوظات میں سے ہے۔ فرمایا۔

ان الصبر من الایمان.

"صبر ایمان میں سے ہے۔"

صبر اور ایمان میں ایسی نسبت ہے جیسے سر کو سارے بدن میں۔ اگر سر کاٹ دیا جائے تو سارا بدن بے کار ہے صبر نہ رہے تو ایمان نہ رہے۔ حدیث پاک میں ہے دنیا میں کسی کو صبر سے زیادہ وسیع تر نعمت نہیں ملی۔ جب ایک دفعہ اس حدیث کا درس ہوا تو خیال ہوا ایمان سے بڑھ کر دین میں آخرت سے کے اعتبار سے کوئی نعمت نہیں۔ پھر ان دونوں میں ایسا اختلاف کیوں؟ پھر مندرجہ بالا قول سے حدیث کی شرح نکل آئی کہ صبر ایمان کا سر ہے۔ اب صبر کے جو معنی ہیں اس پر تعجب ہوتا ہے کہ ہم نے سمجھ رکھا ہے صبر کہتے ہیں کسی کے مرجانے پر خاموش ہو جانے کو لیکن حقیقت یہ

ہے کہ کسی کے مرجانے پر ہی صبر موقوف نہیں ہے بلکہ ایمان بھی اس کی ایک فرع ہے۔

گھروں میں گمراہی ہو رہی ہے ہمارا نفس تقاضا کرتا ہے کہ ان رسموں کو جاری رکھیں خواہ حرام ہوں یا حلال، عرب میں آخر تک بہت سے مشرکین اسی وجہ سے ایمان نہ لائے کہ رسموں کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔ ابو طالب جن کی وفات شرک پر ہوئی ہے باوجود ایمان پر قائم نہ ہونے کے ان کا نام عظمت سے لینے کو جی چاہتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی پوری زندگی حضور ﷺ کی خدمت ہمدردی اور اعانت میں گذری تھی۔ آپ ﷺ نے ابو طالب کو اس کی موت کے وقت بار بار فرمایا کہ اے میرے چچا ایک دفعہ کلمہ پڑھ لو آپ کی نجات ہو جائے گی۔ تمنا اس کی تھی وہ نہ مانے۔ ابوجہل، ابولہب وغیرہ نے گھیرا ڈال رکھا تھا کہ کہیں آخر وقت میں اپنا آبائی دین نہ چھوڑ دیں مگر چچا نے کہا میں جانتا ہوں آپ کے دین سے بہتر کوئی دین نہیں ہے۔ آپ سچ فرماتے ہیں مگر یہ لوگ گالی دیں گے کہ موت کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔ اس لئے ہمت نہیں۔ تو ایمان لانے کے لئے بھی صبر کی ضرورت ہے۔ اپنے نفس پر قابو پایا جائے جب ہی ایمان لا سکتا ہے اس لئے حدیث کی شرح بھی ہو گئی ہے کہ سب سے بڑی نعمت صبر ہے۔ صبر کے معنی بری خواہشات سے رکنے کے ہیں۔

نفس کو قابو میں رکھنے کا نام صبر ہے

جب صبر کا یہ مقام ہے تو اپنے کسی حریف مقابل سے ایسا کلمہ سنو جس سے آپ کو غصہ آجائے تو اس کو معاف کر دو اور اس کا کوئی انتقام نہ لو۔ نفس کو قابو میں رکھنے کا نام صبر ہے۔ کہا ہوا تو گزر جائے گا معاف کر دو گے تو دنیا میں کوئی نقصان نہ ہو گا آخرت میں درجات بڑھیں گے۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیا۔ اسلام کے لئے تو جذبہ انتقام ہوا مگر اپنے لئے کبھی ایسا نہ کیا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا کر دیا ہے ان کو ایسی بیہودہ باتوں کا کوئی خیال بھی نہیں ہوتا کوئی برا کہے بھلا کہے دونوں یکساں ہیں کسی کی تعریف اور برائی کا اثر نہ ہوتا۔

ایک درویش کا واقعہ

گلستان میں واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ کے یہاں ایک درویش پہنچے۔ کوئی بات ان کو ناگوار گزری، انہوں نے کہا بند کر دو۔ وہ ہنس پڑے: بادشاہ نے کہا اچھے ہنستے ہو۔ ساری عمر جیل میں

بند رکھو۔ پھر ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ مجھے یہ نہیں معلوم کتنی عمر میری ہے چاہے قید میں گزرے چاہے باہر گزرے اس میں کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے اس میں کوئی خوشی یا غم نہیں اور فرمایا دنیا کی زندگی کے بعد آگے تیرے بس میں نہیں ہے۔ تو اتنی قلیل مدت کی کیا پرواہ ہے؟ جس طرح بھی گزر جائے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جب جادوگر ایمان لائے اور فرعون نے ان کو دھمکایا تو وہ کہنے لگے ہم کو کیا ہے جو تیرا جی چاہے کر لے ہم اس سے نہ پھریں گے۔ یہ جب ہوتا ہے جب آدمی عادی بنا لے نفس کے خلاف سننے کا تو سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

جو تقویٰ اختیار کرے گا وہ اپنے ہر ارادہ کو پورا نہیں کرے گا۔ آج کل لوگ چاہتے ہیں کہ کام تو یہ کرنا ہے اور تجارت کو یوں کرنا ہے۔ مولوی سے پوچھو کسی طرح اس کو حلال کر دے۔ مسلمان دس کام کا ارادہ کرے گا ان میں سے پانچ کو تو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ جس میں احکام الٰہی روکتے ہوں۔

خیالات کا محاسبہ

دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں ان کا محاسبہ کرو۔ ان کی حفاظت کرو۔ کہیں کسی غلط راستہ میں نہ پڑ جاؤ۔ دیکھو دل میں اور خیال میں لوگوں کے عیب آتے ہیں۔ فلاں میں یہ عیب ہے اس میں یہ عیب ہے۔ مگر اپنے عیب کی خبر نہیں اور یہ عیب سب سے بڑا ہے اس لئے کہ جو بیمار خود کو بیمار سمجھے وہ دوائی کرے گا مگر جو خود کو بیمار نہ سمجھے وہ یقیناً ہلاکت کی طرف جائے گا۔ جب خدا سے کسی کو تعلق ہو جاتا ہے نظر تیز ہو جاتی ہے۔ اپنے عیوب اس پر آشکارا ہو جاتے ہیں۔ اللہ پاک ان کی نظر کو خوردبین عطا کر دیتا ہے اور وہ اپنے معاملہ میں اتنے باریک بین ہو جاتے ہیں کہ ذرا اوری اپنی برائی ان کو نظر آتی ہے اور دوسروں کے معاملہ میں وسیع نظر ہو جاتے ہیں۔

اپنے عیوب کی فکر کریں

دوسروں کے عیوب کو دیکھنے کی بجائے اپنے عیب کے دور کرنے کی فکر کرو تو یہ کر لو۔ اگر اپنے عیوب نظر آنے لگیں تو دوسروں کے عیوب باوجود نظر آنے کے اس کی طرف نظر جا ہی نہیں سکتی۔ کسی کا سارا بدن زخموں سے چور ہو تو دوسرے کی پھانس یا خراش پر کیا اثر کرے گی۔

بہادر شاہ ظفر نے لکھا ہے۔

تھے جو اپنے عیوب سے بے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر
تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

ایک شاعر کا قصہ ہے جو آزاد منش تھا۔ دینداری کی بھی پرواہ نہ تھی۔ انتقال ہوا خواب میں دیکھا جنت میں ٹہل رہے ہیں۔ پوچھا تم کہاں؟ کہنے لگے تم کو معلوم ہے کہ میں کیسا آدمی تھا مرنے سے پہلے چند شعر کہے۔ یا اللہ تجھ کو معلوم ہے ساری عمر آوارہ رہا۔ کوئی نیک کام نہ کیا ہاں ایک تیری ذات پر ایمان ضرور ہے اور تیرے رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہے۔ پھر میں نے چند اشعار کہے جو کسی کو سنائے بھی نہیں۔ بس مالک کا کرم ہوگیا۔ بعض اوقات یہ بھی کام آجاتا ہے۔

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

توکل اور کمانے میں اعتدال

"اپنی عقل کو کام میں لاؤ کہ تدبیر چھوڑ دو اللہ کی حوالہ کرو۔"

مراد اس کی یہ ہے دوائی پاس رکھی ہے کھاتا نہیں۔ وہ گناہگار ہے۔ کما کر لانا یہ بھی فرض ہے۔ ضروریات زندگی حاصل کرنا فرض ہے۔ ان کو چھوڑنا گناہ ہے۔ اسباب تو اختیار کرنا ضروری ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جتنے اختیار اور اسباب تم کو ملے ہیں وہ کرلو پھر رضائے الٰہی کا انتظار کرو اللہ نے کیا ملے یا نہ ملے۔ آدھا ملے پورا ملے اس پر راضی رہو۔ پلے باندھنے کی چیز ہے۔

فرمایا:

اجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ.

اختصار کرو طلب میں اور توکل کرو اللہ پہ۔ یہ ہے اصل توکل۔ جتنے اسباب اپنے اختیار میں ہیں ان کو استعمال کرو مگر تھکو نہیں۔ اس میں اختصار کرو پھر اللہ پر توکل کرو۔ ایک بیمار ہے اس کا علاج موجود ہے۔ اس کا علاج نہ کرنا جائز نہیں، ڈاکٹر کے پاس جائے دوا لے، پرہیز کرے مگر اس کے بعد ایک قدم مومن کا ہے کہ ڈاکٹر یا دوا کو شفاء نہ سمجھے بلکہ اللہ پاک کی طرف سے شفاء ہے جب اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہوتا تو بڑے سے بڑا ڈاکٹر ایسی لغو غلطی کرتا ہے کہ مریض بچتا نہیں۔

اختصار ہے تدبیر میں۔ یہ نہیں کہ فلاں جگہ جو تمہارے فی الحال پہنچ سے باہر ہے اس کا بڑا نام ہے وہ ماہر ہے اس کام کا زیادہ لمبی فکروں میں نہ جاؤ۔ قریب قریب کی تدبیریں کرو تھکو نہیں علاج ہو مقدمہ ہو تجارت ہو ظاہری آسانیوں سے ہونے والی تدبیریں اکٹھی کر کے دماغ پر بوجھ نہ ڈالو۔ آسانی سے ہونے والی تدبیریں حاصل نہ کرنا تو کفر ہے مگر جان کھپا دینا اپنی اس کی اندر یہ اس توکل کے خلاف ہے۔

دنیا میں جان مت کھپاؤ

جن پر اللہ تعالیٰ حقیقت کھول دیتے ہیں، یہ کہاں کا فسانہ سود و زیاں جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا کہو ذہن سے فرصت کم ہے کچھ یاد دلا تو خدا ہی کو یاد دلا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تدبیروں میں اتنی جان کھپا دینا کہ اصل دینے والے بھول جائے یہ مومن کا کام نہیں۔ بس مختصر اسباب کرے پھر اللہ کے حوالے کردے۔ نقصان پہنچ جائے تب بھی راضی رہے۔ نفع ہو تب بھی راضی رہے۔ آخر لوگ باوجود لاکھ کوششوں کے بھی ہار جاتے ہیں، جرمنی اور امریکہ میں علاج کرانے والے بھی مر جاتے ہیں۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ اس پر جان کھپا دو۔ عقل کا مقتضی یہ ہے کہ ہماری بصیرت محدود ہے۔ کرنے والا تو وہ ہے ہم نے جو اختیار میں تھا وہ کرلیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے آدم کے بیٹے! مالداری پر بہت خوش نہ ہو اور فقر و فاقہ آگیا تو بہت مایوس مت ہو۔ دونوں حالتیں ہمیشہ قائم ہونے والی نہیں۔ اس پر جان کا کھپانا عقلمندی نہیں ہے اور بیماری یا نقصان یا کچھ اور حادثہ ہو جائے اس پر زیادہ غمگین نہ ہو۔

تکالیف گناہوں کا کفارہ ہیں

جس طرح سونا نکھارا جاتا ہے آگ میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو بھی دنیا میں اس طرح تکلیف دے کر ان کے گناہوں کو دھویا جاتا ہے اور یہ سمجھ لو گے تو گناہوں کا کفارہ بھی ہو جائے گا۔ ورنہ تکلیف تو یوں بھی آتی ہے جو اہل جنت ہیں ان کو دنیا میں تکالیف پہنچتی ہیں کیونکہ یہ جنت کے تحفے ہیں اور اہل جہنم کو دنیا میں راحت اور عیش ملتا ہے کہ یہ جہنم کے گرد کے پھل ہیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت نعمتوں کی جگہ بنائی اور جہنم تکالیف کی جگہ بنائی مگر ان کے گرد ایک باڑ لگائی۔ جہنم کے گرد لذت اور عیش اور راحت، شہوات، دل لبھانے والی

چیزوں کی باڑ لگائی ہے۔ جنت کے گرد محنت، تکلیف اور مشقت کی باڑ لگائی ہوئی ہے۔ لہٰذا کا
مصیبت اور تکلیف اٹھانے کے بعد ہی جنت میں داخلہ ہوگا۔

جنت کے تحفے

مومن کا ایمان سلامت رہے تو یہ تکالیف غم بیماری اور مصیبت یہ تحفے ہیں جنت کے یہ کانٹا ہٹا جنت کا راستہ ملا۔ جو لذائذ میں مبتلا ہیں وہ سوچ سمجھ کر قدم رکھیں کہ اس میں کہیں خلاف شرع تو کچھ نہیں کہ یہ جہنم کا تحفہ ہو اللہ پاک ہر مومن کو اس سے بچائے۔

عقلمند اور متقی کی دوستی اور اس کا معیار

فرمایا...... مجلس رکھو عاقل اور متقی سے بیوقوف سے آرام کی بجائی تکلیف پہنچ جاتی ہے اور غیر تقویٰ والا جو خدا کا خوف نہ رکھے اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ حدیث میں سوال کیا گیا ہم کن لوگوں کے پاس بیٹھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جن میں تین وصف ہوں۔ آج سمجھ لو یہ شیطان کا دعوکہ ہے جو ہم کو بتاتا ہے کہ کوئی عالم بھی خالص نہیں کہاں بیٹھیں؟ شیخ پیر کہاں ہیں آج کل تو یہ غلط ہے۔ بے شک جنید رحمۃ اللہ علیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ تو نہ ملیں گے مگر ایک کسوٹی ہے اس پر شیخ کو دیکھ لو۔ کوئی کہے میں تو افلاطون سے علاج کراؤں گا تو مر جائے بو علی سینا نہ ملے گا۔

(۱)...... جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے تو اس کی یاد کا نور ایسا ہے جو چہرہ سے فوراً عیاں ہوتا ہے۔

(۲)...... جب وہ بولے تو علم کی بات کہے فضولیات میں وقت برباد نہ کرے۔

(۳)...... اس کے عمل سے آخرت کی یاد آئی قول سے نہیں بلکہ اس کے عمل سے تم کو آخرت کی فکر غالب ہو وہ آسمان پر اڑے نہ کوئی کرامت ضروری ہے۔

بس یہ تین صفات دیکھ لو اور وہ انہی لوگوں میں ہوگا۔

صبر کی برکات

حالات کا تغیر:

انسانی زندگی کے حالات ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی خوشی کی گھڑیاں ہوتی ہیں اور کبھی غم کی کیفیت ہوتی ہے۔ کبھی انسان کا ہاتھ کھلا ہوتا ہے اور کبھی قرضوں کے بوجھ نیچے دبا ہوتا ہے کبھی

جوانی اور صحت کا عالم ہوتا ہے اور کبھی بیماری کی وجہ سے چار پائی کے ساتھ لگا ہوتا ہے زندگی غم اور خوشی کے درمیان گزرتی چلی جا رہی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ وقت گزر رہا ہے مگر موت کے وقت پتہ چلتا ہے کہ وقت کیا گزرنا تھا میں ہی اس دنیا سے گزر گیا۔

سب کے لئے ایک ہی کام ہے کہ جینا ہے اور مرنا ہے۔ یعنی عمل کرنے ہیں اور حساب دینا ہے۔ رہ گئی خوشی اور غم کی بات تو یہ زندگی کی ترتیب ہے۔

خوشی اور غم کے اسباب

جب انسان پر اللہ رب العزت کے جمال کی تجلیات وارد ہوتی ہیں تو اسے خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ ایسے میں اگر وہ مٹی کو بھی ہاتھ لگائے تو سونا بنتی ہے۔ الٹے کام بھی اللہ تعالیٰ سیدھا کر دیتے ہیں۔ فیصلوں میں بھی برکت ڈال دیتے ہیں۔ دنیا میں ہر طرف سے ایسے انسان کے لئے واہ واہ کی صدائیں آتی ہیں اور جب کبھی انسان پر جلال کی تجلیات پڑتی ہیں تو پھر انسان کے لئے دنیا میں مشکلات ہی مشکلات ہوتی ہیں۔ ہر طرف سے پریشانیاں، دایاں قدم اٹھائے تو پریشانی، بایاں قدم اٹھائی تو پریشانی۔ سونے کو ہاتھ لگائے تو وہ بھی مٹی بن جاتا ہے چلتے کام کو ہاتھ لگائے تو رہ اٹک جاتا ہے۔ سوچ سمجھ کر عزت کے حصول کے لئے قدم اٹھاتا ہے مگر بدنامی اور ذلت مل جاتی ہے۔ ہر طرف سے بڑی خبریں پریشانیاں مصیبتیں اور بیماریاں گھیر لیتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی تجلیات ہوتی ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

"وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ" (البقرۃ ۲۴۵)

اللہ تعالیٰ ہی قبض کرنے والا اور کھولنے والا ہے تو قابض اور باسط اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں۔

قابض کا مطلب ہوتا ہے قبضے میں لینے والا چھین لینے والا اور باسط کہتے ہیں کھول دینے والے کو۔ لہٰذا جب انسان اللہ تعالیٰ کے اسم قابض کا مظہر بنتا ہے تو پھر اس کے اوپر غم اور اندوہ ہوتا ہے اور جب اسم باسط کا مظہر بنتا ہے تو پھر اس کے اوپر خوشی اور فراخی کا معاملہ ہوتا ہے۔ کبھی خوشی اور کبھی غم ہوتا ہے۔ کبھی خزاں اور کبھی بہار ہوتی ہے۔

کبھی جوش جنوں ایسا کہ چھا جاتے ہیں صحرا پر
کبھی ذرے میں گم ہو کر اسے صحرا سمجھتے ہیں

شیطان کا ورغلانا

شیطان ان دونوں حالات میں بندے کو ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔ خوشی کے حا ہوں تو غفلت میں ڈال دیتا ہے اور غم کے حالات ہوں تو نا امید بنا دیتا ہے۔ غفلت میں پ والا بھی راستے سے ہٹ گیا اور نا امید ہونے والا بھی راستے سے ہٹ گیا۔

داخلہ جنت

شکر ادا کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی۔ گویا شکر اور صبر دونوں داخلہ جنت اسباب ہیں۔ انسان خوشی کے حالات میں ہو تو شکر ادا کرے اور غم اور پریشانی کے حالات میں تو صبر کرے۔

چراغ بجھ جانے پر اجر و ثواب

مومن کو اس دنیا میں جو بھی پریشانی آتی ہے چھوٹی ہو یا بڑی اللہ رب العزت کی طرف اس کا اجر اور بدلہ ملتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ دیکھا کہ رات کو چ جل رہا ہے ہوا کا جھونکا آیا اور چراغ بجھ گیا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فوراً پڑھا "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" (البقرۃ۔۱۵۶) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی حیران ہوئیں۔ عرض کیا اے اللہ محبوب ﷺ یہ آیت تو بڑے غم اور مصیبت کے آجانے پر پڑھی جاتی ہے۔ فرمایا عائشہ! مومن کے لئے اس کا چراغ بجھ جانا بھی ایک مصیبت ہے اور اس چراغ کے بجھ جانے پر جو یہ آیت پڑھے رب العزت کی طرف سے اس پر بھی اجر ملے گا۔ جب گھر کا چراغ بجھ جائے اس پر صبر کر والے کو اجر ملتا ہے تو جس کے بیٹے کی زندگی کا چراغ بجھ جائے اگر اس پر صبر کرے گا تو اس کا ک اجر عطا کیا جائے گا۔

مریض کے لئے اجر و ثواب

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کو ح دیتے ہیں کہ اس مریض کے منہ سے کراہنے کی جو آواز نکل رہی ہے یعنی "ہوں ہوں" ہر ہر مرتب

کراہنے پر "سبحان اللہ" کہنے کا اجر لکھا جائے۔ اور اگر درد کی وجہ سے وہ مریض چیخنے لگے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم "لا الہ الا اللہ" پڑھنے کا اجر اس کے نامہ اعمال میں لکھو۔ جب وہ مریض سانس لیتا ہے تو ہر ہر سانس کے بدلے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کرنے کا اجر اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ جب وہ مریض بستر پر سوتا ہے تو بستر پر لیٹنے سے اس کو اس طرح اجر دیا جاتا ہے جس طرح کہ مصلے کے اوپر کھڑے ہو کر تہجد پڑھنے والے کو اجر دیا جاتا ہے۔ اور جب وہ آدمی اپنی بیماری اور تکلیف کی وجہ سے کروٹ بدلتا ہے تو اس کو اللہ رب العزت کے راستے میں دشمن پر پلٹ پلٹ کر حملے کرنے کا اجر دیا جاتا ہے۔

آیت کریمہ کی فضیلت

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی آدمی بیمار ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ یہ پڑھے:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" (الانبیاء۔۸۷)

اسے آیت کریمہ کہتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیماری میں اس کو چالیس مرتبہ پڑھ لے تو اگر صحت ملی تو اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک فرما دیں گے اور اگر اس بیماری میں اس کی موت آگئی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شہداء کی قطار میں کھڑا فرما دیں گے۔

مریض مستجاب الدعوات ہوتا ہے

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب تم عیادت کرنے کے لئے کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس سے اپنے لئے دعا کرواؤ اس لئے کہ مرض کی حالت میں اللہ رب العزت بندے کی دعا کو اس طرح قبول کرتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے فرشتوں کی دعا کو قبول کر لیا کرتے ہیں۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کا صبر

سیدنا ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو مال دیا، اولاد دی، حتیٰ کہ ہر طرح کی نعمتیں دی تھیں۔ شیطان کہنے لگا کہ ان کی ساری عبادتیں اس لئے ہیں کہ ان کو دنیا کا مال و متاع ملا ہوا ہے۔ ذرا لے کر دیکھیں تو پھر پتہ چلے۔ اللہ رب العزت کے حکم سے ان کا جتنا مال تھا وہ سارا کا سارا کسی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ کہنے لگا اولاد تو ہے۔ ایسی بیماری آئی کہ

ان کی جتنی اولاد تھی وہ ساری کی ساری ان کی آنکھوں کے سامنے فوت ہو گئی۔ شیطان کہنے لگا، صحت تو ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کو جسم پر چیچک کے دانوں کی طرح دانے نکال دیئے۔ حتیٰ کہ ان کی زبان اور آنکھوں کے سوا پورا جسم ان دانوں سے بھر گیا۔ وہ دانے اتنے بڑے زخم بن گئے کہ اس میں کیڑے بھی پڑ گئے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس بیماری میں اٹھارہ سال گزر گئے اور ہر دن اللہ رب العزت کی طرف سے ان کے صبر کی وجہ سے ان کے درجات بلند ہوتے، زبان سے شکوہ اور شکایت کی کوئی بات نہ نکلتی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی کیڑا جسم کے زخم سے گرتا تھا تو وہ اس کو بھی اٹھا کر واپس رکھ دیتے تھے کہ جب میرے جسم کو اللہ تعالیٰ نے تیری غذا بنایا تو نیچے کیوں گر رہا ہے۔

اٹھارہ سال کے بعد شیطان بہت پریشان ہوا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ایسے مقرب بندے ہیں کہ اتنی آزمائشوں میں بھی اپنی زبان سے کوئی بے صبری یا ناشکری کا لفظ نہیں نکلا۔ شیطان کو پریشان دیکھ کر اس کے چیلوں نے اسے کہا میاں! تم نے جس طرح ان کے جد امجد کو بھول میں ڈالا تھا۔ کیوں نہ ہم ان پر وہی گر آزمائیں۔

کہنے لگا، ہاں! چنانچہ وہ ان کی بیوی کے پاس ایک حکیم اور طبیب کی شکل میں گیا اور کہنے لگا کہ دیکھو میں تمہیں ایک بات بتانے کے لئے آیا ہوں تاکہ تمہارے میاں کو صحت حاصل ہو جائے۔ وہ خوش ہوئیں، ہر بیوی چاہتی ہے کہ خاوند کو صحت ملے۔ کہنے لگا کہ اس کا علاج میرے پاس موجود ہے، مگر ہمارے ہاں دستور یہ ہے کہ جیسے تم عرش کے خدا کو سجدہ کرتے ہو ایک دفعہ مجھے بھی سجدہ کر لو تو میں ایک ایسا علاج آزماؤں گا کہ تمہارا خاوند صحت مند ہو جائے گا۔ بیوی نے سنا تو خاموش ہو گئیں۔ کہنے لگیں کہ میں ان کے پاس جاؤں گی اور ان سے پوچھوں گی۔ چنانچہ تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ آپ کے پاس آئیں اور آ کر پوچھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو بڑا غصہ آیا اور فرمایا..... تو نے اسی وقت اس مردود کو کیوں نہ کہا کہ تو شیطان ہے۔ یہ کیوں کہا کہ میں پوچھ کر بتاؤں گی؟ اگر اللہ نے مجھے صحت دی تو میں تجھے سو کوڑے لگاؤں گا کہ تو نے ایمانی غیرت کا مظاہرہ کیوں نہ کیا اور ایسے شیطان مردود کو اسی وقت منہ پر جواب کیوں نہ دے مارا۔ آپ کا جواب سن کر شیطان اور ناامید ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ دو چار سال اور اسی طرح گزریں تو ہو سکتا ہے کہ یہ بیماری سے پریشان ہو جائیں۔

ایک دن اس نے کیا سنا کہ حضرت ایوب علیہ السلام دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! میری

زندگی کا جو وقت گزرا وہ تو گزر گیا۔ جب یہ بیماری اور غم تیری ہی طرف سے ہے تو اگر آپ مجھے سو سال کی زندگی بھی دیں گے تو میں سو سال بھی اس حال میں آپ کو فراموش نہیں کروں گا۔ جب شیطان نے یہ سنا تو وہ کہنے لگا کہ واقعی یہ اللہ رب العزت کے وہ مقرب بندے ہیں کہ جن کے اوپر میرا کوئی داؤ نہیں چل سکتا۔

اللہ رب العزت نے پھر اپنے اس پیارے نبی علیہ السلام کو صحت دی۔ بیماری کی حالت میں بیوی کو کہا تھا کہ سو کوڑے لگاؤں گا۔ لہٰذا اب بات بھی پوری کرنی تھی۔ اب اللہ رب العزت نے ان کی بیوی کے اوپر رحم کھایا اور حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا کہ تم درخت کی چھوٹی، پتلی پتلی ٹہنیاں مسواک کے برابر اکٹھی کر لو اور ایک سو کو باندھ کر اس کے جسم پر ایک مرتبہ مار دو گے تو ایک سو کوڑے سمجھے جائیں گے۔ یہاں سے ایک بات نکلی کہ جب پروردگار عالم کسی بندے کی غلطی اور کوتاہی معاف کرنا چاہتے ہیں تو رب کریم اس کا رستہ خود بتا دیا کرتے ہیں۔

حدیث پاک میں آیا کہ اللہ رب العزت جب کسی بندے کی بخشش کرنا چاہتے ہیں تو اس کے ”کراماً کاتبین“ یعنی جو فرشتے روزانہ بدل رہے ہوتے ہیں نیکی اور برائی لکھنے والے ان میں سے نیکی کے فرشتے تو روزانہ بدلتے رہتے ہیں مگر گناہ کے فرشتے کو نہیں بدلتے۔ وہ وہی فرشتہ رہتا ہے چنانچہ اس کی زندگی میں نیکی کا فرشتہ روزانہ آ کے بدل رہا ہوتا ہے اور گناہوں کا فرشتہ ایک ہی رہتا ہے۔ قیامت کے دن اس بندے کے نامہ اعمال میں گناہ تو لکھے ہوں گے اور ان گناہوں پہ گواہی دینے کے لئے ایک فرشتہ ہو گا جب کہ اس کی نیکیوں کی گواہی دینے کے لئے جتنے اس کی زندگی کے دن تھے اتنے ہی فرشتے کھڑے ہوں گے۔ رب کریم فرمائیں گے میرے بندے کی نیکیوں پر جب اتنے گواہ ہیں تو میں اس کے گناہوں والے ایک گواہ کو کیسے قبول کر لوں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ میں نے بندے کو معاف فرما دیا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کے تین انعامات

اللہ رب العزت نے سیدنا ایوب علیہ السلام کو فرمایا: ”اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا“ (ص۔۴۴) ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ ”نِعْمَ الْعَبْدُ“ میرا کیسا اچھا بندہ تھا۔ ”اِنَّهٗ اَوَّابٌ“ وہ میری ہی طرف رجوع کرنے والا تھا۔ تین باتیں کہیں اور ان کے ۱۸ سال کی تکلیف کا حق ادا کر دیا۔ قیامت تک ان صفات کے ساتھ حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیمار پرسی

کسی بزرگ کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے ان کی بیماری کے ایام کے بعد پوچھا گیا کہ حضرت! یہ صحت کا زمانہ اچھا ہے یا وہ بیماری کا زمانہ اچھا تھا۔ فرمانے لگے کہ صحت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے بیماری بھی اللہ کی نعمت ہے لیکن ایک بات عجیب ہے کہ جب میں بیمار تھا اور صبح ہوتی تھی تو اللہ رب العزت پوچھتے تھے کہ ایوب تیرا کیا حال ہے؟ مجھے اس بات سے اتنی لذت ملتی تھی کہ پورا دن مجھے تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ جب شام ہوتی تو اللہ تعالیٰ پھر عیادت فرماتے کہ ایوب تیرا کیا حال ہے؟ اس سے ساری رات مجھے تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بیماری تو چلی گئی لیکن اللہ رب العزت کی عیادت کرنے کا لطف اور مزہ مجھے آج بھی یاد آتا ہے۔

صبر کسے کہتے ہیں؟

صبر کہتے ہیں کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے تو انسان زبان سے کوئی خلاف شرع بات نہ نکالے۔ نہ جسم کے دوسرے اعضاء سے کوئی خلاف شرع کام کرے۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھے نہ زبان سے پروردگار کے شکوے کرے نہ اعمال سے اس کی نافرمانی ہو اگر غم مصیبت بیماری اور پریشانی کے باوجود بھی یہ کیفیت ہے تو یہ آدمی صبر کرنے والا کہلائے گا۔ عام طور پر دیکھا گیا۔ ہے کہ جب ہمیں کوئی اس قسم کی صورتحال پیش آتی ہے تو ہم دوسرے لوگوں سے اس بات کا بدلہ لینے کے لئے خود تل جاتے ہیں۔

بہترین حکمت عملی

مثال کے طور پر کسی نے کچھ الفاظ کہہ دیئے جو ہمیں ناگوار گزرے ہم سوچتے ہیں ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ رشتہ داروں میں کوئی جھگڑے کی بات ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک کی تھی ہم دو کریں گے۔ ایسی صورتحال میں اللہ رب العزت ہمیں ہمارے مخالفین کے ساتھ کھلا چھوڑ دیتا ہے کہ تم جانو تمہارا کام جانے۔ اگر تم صبر کرتے تو تمہاری طرف سے بدلہ لینے والا میں ہوتا اب چونکہ تم نے خود قدم اٹھالیا اس لئے میں تمہارا معاملہ تمہارے اوپر چھوڑ دیتا ہوں۔ اس لئے بہترین حکمت عملی یہ ہے کہ جب بھی کوئی ایسی بات انسان کو پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔

محبوبہ اور محبوب کا بدلہ

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک بزرگ اللہ والے جارہے تھے سردی کا موسم تھا بارش بھی تھی، سامنے سے میاں بیوی آرہے تھے۔ ان بزرگوں کے جوتے سے ایک دو چھینٹیں اڑیں اور عورت کے کپڑوں پر جاگریں۔ خاوند نے جب دیکھا تو اسے بڑا غصہ آیا۔ کہنے لگا تو اندھا ہے تجھے نظر نہیں آتا تو نے میری بیوی کے کپڑے خراب کرڈالے۔ غصے میں آ کر اس نے اللہ والے کو ایک تھپڑ لگادیا۔ بیوی بڑی خوش ہوئی کہ تم نے میری طرف سے خوب بدلہ لیا۔ پھر خوشی خوشی دونوں گھر چلے گئے۔

یہ اللہ والے آگے چلے گئے۔ تھوڑی دور آگے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حلوائی کی دکان ہے حلوائی نے سوچا کہ آج سردی ہے لہٰذا آج مجھے اللہ کا جو بھی بندہ سب سے پہلا نظر آیا میں اس کو اللہ کے لئے گرم دودھ کا ایک پیالہ ضرور پلاؤں گا۔ اب وہ انتظار میں تھا۔ یہ بزرگ جب اس کی قریب سے گزرے تو اس نے بلایا بٹھایا اور گرم گرم دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ سردی تو تھی ہی سہی۔ انہوں نے وہ گرم دودھ کا پیالہ پیا اور اللہ کا شکرادا کیا۔ دکان سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا واہ اللہ! تیری شان کتنی عجیب ہے۔ کہیں تو مجھے تھپڑ لگواتا ہے اور کہیں مجھے گرم دودھ کی پیالے پلواتا ہے۔ اتنے میں وہ میاں بیوی اپنے گھر کے قریب پہنچ چکے تھے۔ خاوند سیڑھیوں پہ چڑھ رہا تھا کہ اس کا پاؤں اٹکا اور وہ گردن کے بل گرا اور وہیں اس کی موت واقع ہوگئی۔ بیوی نے کہا کہ تھوڑی دیر پہلے ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ اس بوڑھے نے کہیں اس کے لئے بددعا تو نہیں کر دی۔ لوگ ان کی پاس آئے اور کہنے لگے کہ ایک تھپڑ ہی مارا تھا۔ آپ معاف کردیتے آپ نے اس کے لئے بددعا کردی۔ انہوں نے کہا نہیں میں نے کوئی بددعا نہیں کی۔ بات در حقیقت یہ ہے کہ اس کو بیوی سے محبت تھی۔ جب بیوی کو تکلیف پہنچی تو اس نے بدلہ لیا۔ مجھ سے میرے پروردگار کو محبت تھی۔ جب مجھے تکلیف پہنچی تو میرے پروردگار نے بدلہ لے لیا۔ تو جب انسان اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کی سپرد کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بدلہ لے لیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے جنگ......معاذ اللہ!

اسی لئے فرمایا "من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب" جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ ایسا شخص ولی سے دشمنی نہیں کررہا ہوتا بلکہ اللہ

سے جنگ کر رہوتا ہے اور جس نے اللہ سے جنگ کی پھر اللہ رب العزت اس بندے کی گر
مروڑ دیا کرتے ہیں اور اسے نگنی کا ناچ نچا دیا کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے حاسدین

یہ سادہ اصول ہے کہ دنیا میں جتنی بڑے لوگ گزرے ان کے مخالفین اور حاسدین بھی ا
ہی زیادہ ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاسدین اور مخالفین سب سے زیادہ تھے۔ اسی ل
حاسدین سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک آیت نازل فرمائی۔ ''وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا
حَسَدَ'' (الفلق۔۵) سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میرے والد گرامی پر ا
مصیبتیں آئیں کہ اگر وہ مصیبتیں دن کے اوپر آ پڑتیں تو دن بھی رات میں تبدیل ہو جاتا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا صبر

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مخالف تھا اس کو پتہ چلا کہ آپ کی والد کی وفات ہو گ
والدہ بوڑھی تھیں نوے سال کے قریب عمر ہو گئی۔ وہ ایک دن آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا ک
شرع شریف میں حکم ہے کہ تم بیواؤں کا نکاح کردو۔ تمہاری والدہ چونکہ بیوہ ہو چکی ہیں میں نے
سنا ہے کہ بڑی خوبصورت ہیں، حسینہ وجمیلہ ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ نکاح
کروں۔ حضرت نے سنا تو بھانپ گئے۔ فرمانے لگے بھئی! میری والدہ عاقلہ بالغہ ہیں اور اس عم
کی عورت کو شرعی طور پر اپنا فیصلہ خود کرنے کا اختیار ہوتا ہے میں ان کی سامنے جا کر بات کر دیت
ہوں۔ اس نے کہا، بہت اچھا! حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر کی طرف دو قدم اٹھائے تو کیا دیکھا
کہ اس آدمی کے پیٹ کے اندر کوئی درد اٹھا، اسی درد کی اندر وہ بندہ گرا اور وہیں پر اس کی موت آ گئی
امام اعظیم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ کے صبر نے ایک بندے کی جان لے لی۔

مصیبت آئے تو صبر کرو

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ پر مصائب اور
حوادث اتنے آئے ہیں کہ اگر خودکشی جائز ہوتی تو میں یقیناً کر لیتا۔ فرمایا اگر مصائب اور حوادث
کوئی بری چیز ہوتی تو حق تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے لئے پسند نہ فرماتے۔ مانگنا تو عافیت ہی

چاہئے لیکن اگر کوئی مصیبت آ جائے تو رضا بالقضاء (صبر) چاہئے اللہ تعالیٰ کے حکم اور حکیم ہونے
کا یقین رکھے اور ان پر ہی نظر رکھے۔

صبر کے درجات

تائبین کا صبر:

پہلا درجہ تائبین کا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان اپنا غم اور پریشانی دوسروں کو بتانا
چھوڑ دے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بیوی خاوند کو نہ بتائے۔ بیٹا باپ کو نہ بتائے۔ مریض
حکیم کو نہ بتائے۔ نہیں یہ ضروریات ہیں۔ ایک ہوتا ہے تذکرہ احوال کے لئے بتانا وہ نہیں بتانا
چاہئے۔ اس کو بتایا اس کو بتایا حالات سنانے کی خاطر بتانا اس سے منع کیا گیا ہے ورنہ کوئی تکلیف تو
ڈاکٹر کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بیٹا باپ کو بتائے کوئی حرج نہیں۔ بیوی خاوند کو بتائے تو کوئی
حرج نہیں۔ آخر بیوی کس کو سنائے گی۔ اگر اپنے خاوند کو نہ بتائے لیکن جس چیز سے منع کیا گیا ہے
وہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی زبان پر بات ہی یہی رہتی ہے کہ جہاں بیٹھے بس جی کیا کریں عجیب
مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ اس قسم کی گفتگو ہمیشہ شکوے میں
شامل ہوتی ہے۔ ایسا کہنے والے گویا یوں کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اچھا
نہیں کیا۔

زاہدین کا صبر:

دوسرا درجہ زاہدین کا ہے۔ وہ درجہ یہ ہے کہ انسان کو اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اس کے
اوپر راضی رہے۔ جب بندہ ہر حال میں راضی ہوتا ہے اچھے حالات ہوں تو راضی ہے برے
حالات ہوں تو بھی راضی ہے تو یہ زاہدین کا صبر کہلاتا ہے۔ شاعر نے کہا۔

لطف سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ
ایں بھی سجن واہ واہ اوں بھی سجن واہ واہ

صدیقین کا صبر:

ایک تیسرا مرتبہ ہے جسے صدیقین کا درجہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہوتا ہے کہ جب بندے پر کوئی

بلا اور مصیبت آتی ہے تو اس پر خوش ہوتا ہے کہ پروردگار مجھ سے راضی ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ خوشیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر روزانہ کھڑے ہوتی ہیں کہ اے اللہ! ہمارے لئے کیا فیصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فلاں فلاں ظالمین اور مخالفین کے پاس چلی جاؤ۔ خوشیوں کو ان کے ہاں بھیج دیتے ہیں۔ اس کے بعد فاقے پریشانیاں اور غم وغیرہ رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اچھا تم میرے پیاروں کے پاس چلے جاؤ۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے کو اللہ اور اس کی رسول سے محبت ہو اس پر پریشانیاں اس طرح آئیں گی جیسے پانی ڈھلوان کی طرف تیزی کے ساتھ چلتا ہے۔ نیکی اور دینداری کی زندگی میں یہ پریشانیاں تو آتی ہیں لیکن یہ تھوڑی سی پریشانیاں ہیں۔ سو سال پچاس سال کی زندگی میں دو دن چار دن کی پریشانی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ جب کہ آگے جا کر ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں اس کا اجر اور ثواب ملے گا۔ تاہم اللہ والوں کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ اگر ہمارا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہوگا تو ہمارے اوپر آزمائش اور ابتلائیں آئیں گی۔

صبر......رفع درجات کا سبب

بعض اوقات بندہ اپنی عبادات کی وجہ سے اللہ رب العزت کے قریب کے وہ مقامات نہیں پا سکتا جو اللہ تعالیٰ اسے دینا چاہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ پھر اس کے اوپر کچھ برے حالات بھیج دیتے ہیں۔ جب وہ بندہ ان حالات میں صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سبب بنا کر اس بندے کو بلند مقام عطا فرما دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی بیمار آدمی صحت یاب ہوتا ہے تو اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا اور جس طرح خزاں کے موسم میں درخت کے پتے گرتے ہیں اسی طرح بیمار آدمی کے جسم سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دیا کرتے ہیں۔

پرنم آنکھوں کا بدلہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کا دن ہوگا۔ حساب کتاب ابھی قائم نہیں ہوگا کہ ایک منادی اعلان کرے گا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر حق ہے وہ اپنا حق لے لیں اور مخلوق حیران ہوگی کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق ہے تو پوچھے گی کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق ہے

تو فرشتہ کہے گا کہ جس بندے کو دنیا میں کوئی غم پہنچا جس کی وجہ سے اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ اب اس بندے کا اللہ پر حق ہے کہ یہ ان پرنم آنکھوں کا بدلہ اپنے پروردگار سے لے۔ چنانچہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے کہ مجھے بھی غم ملا تھا مجھے بھی غم ملا۔ میں بھی رویا تھا میں بھی رویا تھا یوں ان کو اللہ رب العزت اپنی شان کے مطابق اجر دیں گے جو ان کے گناہوں کی بخشش کے لئے کافی ہو جائے گا۔

بلاحساب جنت میں داخلہ

ایک روایت میں آیا ہے کہ ابھی میزانِ عدل قائم نہیں ہوگا کہ ایک فرشتہ اعلان کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ تو صبر کرنے والے کھڑے ہو جائیں گے۔ وہ فرشتہ کو لے کر جنت کی طرف جائے گا اور کہے گا کہ جاؤ۔ وہ صبر کرنے والے سارے کی سارے جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے وا کہیں گے کہ جنت کا دروازہ کھولو اور ہمیں جنت میں داخل ہونے دو۔ اب رضوان جو جنت کا داروغہ ہے وہ حیران ہو کر اللہ تعالیٰ سے پوچھے گا کہ اے اللہ ابھی تو میزانِ عدل قائم ہی نہیں ہوا اور یہ آپ کے بندے جنت میں داخلے کے متمنی ہیں۔ اے اللہ! میرے لئے کیا حکم ہے؟ پروردگار فرمائیں گے، میں نے پنا حکم اپنی کتاب میں نازل فرما دیا تھا کہ "اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" (الزمر ۱۰) یہ میرے وہ بندے ہیں جن کے ساتھ بلاحساب کا معاملہ ہے۔ رضوان! جنت کے دروازے کو کھول دے اور صبر کرنے والوں کو بلاحساب جنت میں داخل ہونے دے۔ ان سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت

بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت ایک بندے کو کھڑا کریں گے۔ یہ وہ بندہ ہوگا کہ جس کا رزق دنیا میں تھوڑا ہوگا، تنگ ہوگا، اور وہ تنگی کے اوپر صبر اور شکر کے ساتھ وقت گزارے گا۔ اللہ رب العزت اپنے اس بندے سے اس طرح معذرت کریں گے جس طرح دوست اپنے دوست سے معذرت کیا کرتا ہے۔ یوں معذرت فرمائیں گے کہ میرے بندے میں نے دنیا میں تمہیں تھوڑا رزق دیا تھا کوئی بات نہیں اچھا میں تجھے آج اپنی نعمتیں دیتا ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جنتیں عطا فرمائیں گے۔

اللہ کے ہاں غریب لوگوں کی قدر

جو دنیا میں غربت کی زندگی گزاریں گے وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور وہاں ایک دن دنیا کی ستر ہزار سال کے برابر ہوگا۔ ایک سال کتنا لمبا ہوگا؟ اور پانچ سو سال کا عرصہ کتنا ہوگا (یہ ایمان والوں کی بات ہو رہی ہے) دنیا میں ایمان والے غریب لوگ ان ایمان والے امیر لوگوں سے جن کو دنیا میں سکھ اور آسانیوں کی زندگی ملی اللہ تعالیٰ ان کو پانچ سو سال پہلے جنت عطا فرمائیں گے اور جو بندہ دنیا میں بے صبری کرے گا وہ اپنے اجر کو کھو بیٹھے گا۔

ایک گراں قدر ملفوظ

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اے دوست! تم غم آنے کے پہلے دن ہی وہی کیا کرو جو لوگ غم آنے کے تیسرے دن کرتے ہیں۔ فرض کرو گھر میں کوئی فوت ہو گیا تو تیسرے دن لوگ کیا کرتے ہیں؟ دعا کر کے اپنے اپنے کاموں میں چلے جاتے ہیں کہ سوگ تو تین دن تک ہے تو۔ جب تیسرے دن صبر والا کام کرنا ہے تو وہی کام انسان پہلے دن ہی کیوں نہ کرلے تاکہ صبر کا اجر مل جائے۔ یاد رکھیے کہ بے صبری سے مصیبتیں نہیں ٹلا کرتیں البتہ ان مصیبتوں پر ملنے والا اجر ضائع ہو جایا کرتے ہے۔ اس سے ملنے والے اجر سے انسان محروم ہو جایا کرتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس آدمی نے کوئی مصیبت آنے پر بے صبری کی باتیں کیں یا اپنے کپڑوں کو کالا کر لیا اللہ رب العزت اس کو اتنا گناہ عطا کریں گے جو اس کی ساری زندگی کی سانسوں کے برابر ہوں گے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس آدمی نے مصیبت کے آنے پر بے صبری کی، لوگوں کی سامنے شکایتیں کیں تو اب اللہ رب العزت اس کے نامہ اعمال میں اتنے گناہ لکھوائیں گے جتنا کہ دریائے نیل کی پانی کے قطرے ہوں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس نے اللہ رب العزت کی طرف سے بھیجی ہوئی مصیبت پر بے صبری کا مظاہرہ کیا کپڑوں کو سیاہ کیا جزع وفزع کی اللہ رب العزت اس کے نامہ اعمال میں اتنے گناہ لکھوائیں گے جتنے کہ پوری دنیا کے دن رات شمار کیے جائیں گے تو بے صبری پر نیکی کا اجر بھی ضائع اور الٹا گناہ نامہ اعمال میں لکھیں جائیں گے۔

نصرت الٰہی کے لئے ایک سنہری اصول

اگر کوئی آدمی آپ کی مخالفت کر رہا ہے دشمنی کر رہا ہے یا حسد کر رہا ہے تو آپ اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ عاملوں کی پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں کوئی تعویذ گنڈوں کی ضرورت نہیں۔ اپنے مولا سے تار جوڑیئے اسی سے مدد مانگئے۔ معاملے کو اسی کے حوالے کر دیجئے پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ آپ کو کیسے مدد فرماتا ہے۔

ایک علمی نکتہ

یہاں ایک علمی نکتہ ہے۔ آپ کا مخالف جس طریقے سے آپ کو پریشان کر رہا ہے اور آپ اس کی او پر صبر کر رہے ہیں اس صبر کی وجہ سے اللہ رب العزت اسی طریقے پر آپ کو سکون اور اطمینان عطا فرمائیں گے۔ جس انداز سے بندے کو غم ملتا ہے اگر وہ صبر کرلے تو اسی انداز سے اس کو خوشی عطا کر دی جاتی ہے۔

ایک اصول سمجھئے۔ قرآنی فیصلہ سمجھئے کہ جن اسباب سے انسان کو غم اور مصیبت پہنچتی ہے اگر وہ صبر کرلے گا تو اللہ رب العزت انہی اسباب پر عزتیں عطا فرما دیں گے تو پھر غمزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کوئی ایسی بات پیش آئے تو انسان پہاڑ کی طرح اپنے دل کو بڑا کرلے اور پھر دیکھے کہ رب کریم کس طرح مہربانی فرماتے ہیں۔

ہم بدلہ نہ لیں

عام طور پر ہم کسی بچے پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ حالانکہ سو طرح کی

ہمارے اندر خامیاں موجود ہیں تو کیا سوچتے ہیں اس رب کریم کے بارے میں جو اپنے بندوں پر مہربان بھی ہے رحیم بھی ہے رحمان بھی ہے غفور بھی ہے۔ وہ پروردگار اپنے بندوں پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ کیسے ڈال دیں گے۔ اس لئے غم اور مصیبت تھوڑے وقت کے لئے آتے تو ہیں مگر بندے کے درجات کو بڑھانے کے لئے آتے ہیں تو صبر کرتے رہئے دنیا میں بدلہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارا بدلہ لینے والا پروردگار بہت بڑا ہے۔ ہم بدلہ لیں گی تو کیا لے سکتے ہیں اور اگر پروردگار نے بدلہ لے لیا تو پھر پروردگار کا بدلہ تو پھر دنیا دیکھے گی۔

کچہریوں میں مقدمہ بازی کیوں

آج ہماری کچہریاں کیوں بھری پڑی ہیں؟ یہ مقدمے کیوں ہوتے ہیں؟ کچھ بیچارے تو ساری زندگی ہی بدلہ لینے میں گزار دیتے ہیں۔ خاندانوں کے خاندان پریشان رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور ذرا بڑا ہوتا ہے تو ماں بتانا شروع کر دیتی ہے کہ بیٹے تم نے بڑا ہو کر فلاں سے بدلہ لینا ہے۔

پریشانی دور کرنے کا آسان نسخہ

بنیادی بات سمجھانے کا مقصد کیا ہے؟ عورتیں بجائے اس کے کہ بھاگتی پھریں ان عاملوں کے پاس اور کالے علم والوں کے پاس جادو والوں کے پاس اور اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اس سے بہتر ہے کہ جب بھی پریشانی آئے تو اپنے رب کی طرف توجہ کیجئے۔ نفلیں پڑھ لیجئے۔ رب کریم کے سامنے سرسجدے میں ڈال کر دعائیں کر لیجئے آپ مانگیں گے تو پروردگار عطا فرما دیں گے۔

کیا نہیں دیکھتے کہ ایک بچہ جو اپنی ماں سے کچھ پیسے مانگتا ہے اور ماں اسے کہتی ہے کہ ہر وقت تجھے پیسے مانگنے کی عادت ہے جا دفع ہو میں تجھے نہیں دیتی۔ وہ بچہ ضد کر لیتا ہے پھر مانگتا ہے پھر ماں پیچھے ہٹاتی ہے پھر وہ بچہ مانگتا ہے، حتیٰ کہ ماں غصے میں آ کر تھپڑ بھی لگا دیتی ہے۔ وہ رونا شروع کر دیتا ہے پھر ماں کے قریب آتا ہے پھر مانگتا ہے۔ پھر ماں دیکھتی ہے کہ میں نے مارا بھی سہی رو بھی رہا ہے پھر بھی میرے ہی سینے سے لپٹ رہا ہے۔ ماں کا غصہ اس کی رحمت میں بدل جاتا ہے اور ماں اس کے کہنے سے بھی زیادہ چیزیں لے کر دے دیتی ہے۔ یہی معاملہ پروردگار کا ہے اگر وہ کبھی بندے کے اوپر کوئی غم اور مصیبت بھیج دیتا ہے اور بندہ پھر بھی اس کے سامنے سجدہ

ریز رہتا ہے اسی کے سامنے فریاد کرتا رہتا ہے تو رب کریم فرماتے ہیں کہ یہ بندہ خوشی میں بھی میرا شکر ادا کرتا تھا اور میں نے غم کے حالات بھیجے پھر بھی میری چوکھٹ پکڑ لی پھر بھی میرے سامنے سجدہ ریز رہا۔ یہ میرے سامنے دامن پھیلائے بیٹھا ہے اس نے مجھ سے تار جوڑی ہوئی ہے یہ غم کسی کو نہیں کہتا اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں تنہائیوں میں میرے سامنے روتا ہے۔ جب یہ کسی اور کو کچھ نہیں بتاتا مجھے ہی بتا رہا ہے تو یاد رکھ کہ میں پروردگار بڑی شان والا ہوں۔ لہٰذا پروردگار اس کی دعاؤں کو قبول کر لیتے ہیں اور غموں کو ہٹا کر اسے خوشیاں عطا کر دیتے ہیں۔

اسی لئے صبر کرنے والے کا ہر آنے والا دن اس کے گزرے ہوئے دن سے بہتر ہوا کرتا ہے اور بے صبری کرنے والے کا ہر آنے والا دن اس کے گزرے ہوئے دن سے بدتر ہوا کرتا ہے۔

صبر......معیت خداوندی کا ذریعہ

یہ پکی بات ہے اپنے دلوں پر لکھ لیجئے۔ اللہ رب العزت کو صبر کرنے والوں سے محبت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ”اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ“ (البقرۃ:۱۵۳) بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ وہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ محبت کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کو نصیب ہے۔ جس کے ساتھ پروردگا ہوتا ہے پھر کوئی بندہ اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اگر اپنی بات کہنی ہو تو فقط اللہ کے سامنے کہیں۔ اس پروردگار نے حالات بھیجے ہیں جو بھیجنے والا ہوتا ہے۔ حالات کو واپس بھی وہی لے لیا کرتا ہے ہم اس کے در پہ تو جاتے نہیں اور ہم ہر در کی اوپر جا رہے ہوتے ہیں۔ در در پر ہاتھ پھیلا رہے ہوتے ہیں۔ شکوے سنا رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنی پریشانیوں میں اور اضافہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور ان کو بڑا اجر عطا فرما دیتے ہیں۔

بخشش کا عجب بہانہ

چنانچہ ایک آدمی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی بیوی بے عقل سی تھی۔ غلطیاں کر بیٹھتی تھی۔ کبھی کوئی نقصان کبھی کوئی نقصان۔ غصہ تو اس آدمی کو بہت آتا لیکن سوچتا کہ اگر میں نے اسے طلاق دے دی تو بے چاری پریشان ہو جائے گی۔ پھر کون اسے لے گا چلو اس کی زندگی بھی گزر جائے گی اور میرا بھی وقت گزر جائے گا۔ لہٰذا وہ اس کی غلطیوں کو معاف کر دیتا کہ کوئی بات

نہیں اللہ کی بندہ ہے۔ اسی حال میں زندگی گزار دی۔ حتیٰ کہ اس کی وفات ہوگئی۔ مرنے کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ سنایئے آپ کے ساتھ کیا معاملہ بنا؟ کہنے لگا میں اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا گیا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا میرے بندے! تو اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کر معاف کیا کرتا تھا۔ جا آج میں نے تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کر دیا۔ تو دیکھا کہ اللہ رب العزت کس طرح مہربانی فرما دیتے ہیں۔ اس لئے غموں پر پریشان نہ ہوا کریں یہ زندگی کا حصہ ہیں۔ اگر خوشیاں ہمیشہ نہیں رہتیں تو پھر غم بھی ہمیشہ نہیں رہا کرتے۔

تنگی کے بعد دو آسانیاں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا'' (الم نشرح ۵،۶) ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے اور ہر تنگی کے بعد آسانی ہے۔ ان کو دو مرتبہ کہا گیا حالانکہ بات تو ایک دفعہ ہی کہہ دینا کافی تھی مگر رب کریم نے دو مرتبہ جو بات کو دہرایا تو اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی لہٰذا مفسرین نے لکھا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تنگی کے اوپر بندہ صبر کر لیتا ہے تو اللہ رب العزت ایک تنگی کے بدلے اسے دو آسانیاں عطا فرمایا کرتے ہیں۔ تنگی ایک ہوتی ہے خوشیاں دو مل جاتی ہیں۔ لہٰذا صبر کیجئے اور اپنی تنگی اور پریشانی کا بدلہ دگنا پالیجئے۔

پریشانی اور خوشحالی میں اللہ والوں کی کیفیت

اللہ والے تو ایسی پریشانی کے حال میں زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

تیرا غم مجھ کو عزیز ہے کہ وہ تیری دی ہوئی چیز ہے

وہ اس کو نہیں دیکھتے کہ پریشانی آئی۔ یہ دیکھتے ہیں کہ بھیجنے والا کون ہے۔ اس لئے داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ اے داؤد! اگر تجھے کسی وقت کھانے میں کوئی سڑی ہوئی سبزی بھی ملے تو دل تنگ نہ کرنا بلکہ اس بات کو سوچنا کہ جب میں نے رزق تقسیم کیا تو اے میرے بندے! تو مجھے یاد تھا میں نے تیری طرف رزق بھیجا جب بھیجا میں نے ہے تو میں تجھے اس کا بدلہ اور اجر بھی عطا کروں گا۔ اس لئے ایسی باتوں پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اللہ والوں کے اوپر کوئی ایسی پریشانی غم اور بلا نہ آئے تو وہ کئی مرتبہ گھبرایا کرتے ہیں کہ یہ کوئی ہمارے اوپر آزمائش تو نہیں آ گئی۔ وہ ڈرتے اور کانپتے ہیں کہ یہ کوئی امتحان تو نہیں بلکہ ان

کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اگر ان کی امید سے بڑھ کر آسانی کہیں ملتی ہے تو رونے لگ جاتے ہیں کہ کہیں نیکیوں کا اجر دنیا میں ہی تو نہیں مل رہا اور یہی صحابہ رضی اللہ عنہم کا مزاج تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا۔ ان کو شربت پیش کیا گیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے کہ کہیں عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کا بدلہ اس کو دنیا میں تو نہیں دیا جا رہا اور قیامت کے دن یہ نہ کہہ دیا جائے۔

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (الاحقاف ۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے غلام سے کہا کہ نزلہ صاف کرنے کے لئے کوئی چیز لاؤ۔ وہ ایک قیمتی کپڑے کا ٹکڑا لایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کو دیکھ کر رو پڑے کہ کہیں میرے اعمال کا بدلہ مجھے دنیا میں ہی تو نہیں چکایا جا رہا۔ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کو دنیا میں خوشیاں ملتی ہیں تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں کہ کہیں ہمارے اوپر آزمائش تو نہیں آ گئی اور ان کو اگر کوئی غم ملتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں جس بندے کو دنیا میں غم عطا کروں گا اسے آخرت کی خوشیاں دوں گا۔ اور جسے دنیا کی خوشیاں مل گئیں۔ اس کے بدلے اسے آخرت کے غم عطا کر دیئے جائیں گے۔

گناہوں کا کفارہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ دو خوشیاں دو غم کبھی اکٹھے نہیں کروں گا۔ یہ نہیں کہ دنیا میں غم بھی ملیں اور آخرت میں بھی غم ملیں۔ دنیا کی بھی خوشیاں ملیں اور آخرت کی بھی خوشیاں ملیں۔ نہیں ایک جگہ اگر غم ملیں گے تو دوسری جگہ اللہ تعالیٰ خوشیاں عطا فرمائیں گے۔ اس لئے دنیا میں غم مل جائیں تو کیا یہ بہتر نہیں کہ تھوڑے وقت کے لئے آئیں گے اور دنیا میں غم بہت زیادہ بھی نہیں آ سکتے۔ آخرت کے غم بہت بڑے ہوں گے اور بہت دراز وقت کے لئے ہوں گے۔ اس لئے دنیا ہی میں غم کے حالات پیش آ جائیں تو انسان ان کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھے۔ سمجھ لیا کریں کہ میری جو غلطیاں کوتاہیاں تھیں مجھے دنیا میں ہی ان کا بدلہ دے دیا گیا۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ میرے ساتھ رحمت کا معاملہ کریں گے۔

شکر گزار بیوی

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے ایک عزیز کرنل

صاحب نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی چار بجے اٹھتے ہیں اور تہجد پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد فجر نماز پڑھ کر میں تو لیٹ جاتا ہوں اور آٹھ بجے اٹھتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ گھر والی مصلے پر بیٹھی ہے۔ چار بجے سے دعائیں مانگ رہی ہے۔ اس کا یہ ہمیشہ کا معمول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ان سے کہا کہ تو کیا مانگتی رہتی ہے؟ چار گھنٹے ہو گئے کہتی ہے کچھ بھی نہیں مانگتی بس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں۔ یا اللہ آپ نے ہم پر کتنے انعامات فرمائے ہیں، بس یہی شکر کرتی رہتی ہوں۔

اشک یونہی بہائے جا دل کی لگی بجھائے جا
آہیں بھی کھینچ کھینچ کر آتش غم بڑھائے جا
حسن تماشا دوست کو عشق کرشمہ ساز تو
کھیل یونہی نئے نئے شام وسحر دکھائے جا

صبر کے متعلق حکیم الامت کی ارشادات

صبر حقیقی کو آسان کرنے کا طریقہ:

آنسو بہنا، آہ آہ منہ سے نکلنا خلاف صبر نہیں، بلکہ رو لینے سے صبر حقیقی زیادہ آسان ہو جاتا ہے کیونکہ دل کا غبار نکل جاتا ہے۔

بیماری میں آہ آہ کرنا خلاف صبر نہیں:

فرمایا...... بعض لوگوں کو تقویٰ کا ہیضہ ہو جاتا ہے وہ بیماری میں آہ آہ کرنے کو خلاف صبر سمجھتے ہیں۔ اس لئے اللہ اللہ کرتے ہیں تا کہ قوت قلب ظاہر ہو مگر یہ معرفت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ اللہ مظہر الوہیت ہے اور آہ آہ مظہر عبدیت ہے۔

فرمایا...... جب کہ مصیبت اور بلا نہ ہو تو اجر حاصل کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ یہ ارادہ رکھے کہ بلا و مصیبت کے وقت صبر کریں گے۔

مصیبت مصیبت کی علامت:

فرمایا...... جو مصیبت کسی گناہ کی سزا میں پہنچتی ہے اس میں پریشان محسوس ہوا کرتی ہے اور جو رفع درجات کے لئے ہوتی ہے اس میں پریشان نہیں ہوتی۔

مسلمان کسی مصیبت میں بھی خسارہ میں نہیں:

فرمایا...... مسلمان کو کسی کھیتی کے پالا پڑنے سے کامل طور پر نقصان نہیں ہوتا گو کھیتی ساری برباد ہو جائے مگر اسی مصیبت سے اجر صبر بڑھ جائے گا اور آخرت میں جو ثواب اس کے بدلہ میں ملے گا وہ اس کھیتی سے لاکھ درجہ افضل ہوگا کیونکہ اجر آخرت کی شان یہ ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در وہمت نیاید آں دہد
خود کہ یابد ایں چنیں بازار را
کہ بیک گل می خری گلزار را

کلمات تعزیت:

فرمایا...... حضور ﷺ کے وصال میں حضرت خضر علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح تسلی فرمائی تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہر مصیبت سے تسلی ہے اور ہر فوت ہونے والے کا عوض ہے۔ پس اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید رکھو۔ کیونکہ پورا محروم تو وہی ہے جو ثواب سے محروم رہے اور مسلمان تو کسی مصیبت میں ثواب سے محروم نہیں رہتا۔

تحصیل صبر کا طریقہ:

فرمایا...... تکوینات ناگوار کا منشا بھی حق تعالیٰ کی محبت ہے۔ مگر اس میں ماں کی محبت کا رنگ نہیں ہے بلکہ باپ کی محبت کا رنگ ہے۔ باپ کی محبت یہی ہے کہ جب لڑکا شرارت کرے تو چار اِدھر لگائے اور چار اُدھر۔ حضرات ان مصائب سے حق تعالیٰ ہم کو مہذب بنانا چاہتے ہیں تا کہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ ہم لوگ اپنے اعمال بد سے اپنے آپ کو تباہ کرنے میں کسر نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ ان سزاؤں سے ہم کو راستہ پر لگا دیتے ہیں اور دماغ درست کر دیتے۔ پھر حدیث میں آیا ہے کہ دنیا کے مصائب سے بہت سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ بعض دفعہ حق تعالیٰ اپنے بندہ کو خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرمانا چاہتا ہے جس کو وجہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت یا مرض میں مبتلا کر دیتے ہیں، جس

سے وہ اس درجہ عالیہ کو پالیتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں جب اہل مصائب کو ثواب کثیر ملے گا تو دیکھ کر اہل نعم کہیں گے۔ "یالیت جلودنا قرضت بالمقاریض فنعطی مثل ما اوتوا" یعنی کاش ہماری کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں تا کہ آج ہم کو بھی یہ درجات ملتے۔ اب بتلائیے یہ مصائب متاعب تکوینیہ محبت حق سے ناشی ہیں یا نہیں، حق تعالیٰ کے امتحانات وابتلاءات کو لوگ مصیبت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت میں غایت عروج اور راحت کا سبب ہیں اور یہ حکمتیں آخرت میں جا کر سب کو منکشف ہوں گی۔ لیکن عارفین کو ان کی حکمتیں دنیا ہی میں منکشف ہو جاتی ہیں۔ جن سے مصائب بھی نہیں رہتے، بلکہ نعمت ہو جاتے ہیں۔

مصیبت اپنے محل کے اعتبار سے مصیبت ہے:

فرمایا...... کوئی مصیبت اپنی ذات میں مصیبت نہیں بلکہ محل کے اعتبار سے مصیبت ہے۔ ممکن ہے کہ جو چیز ایک محل میں مصیبت ہو، دوسرے محل میں مصیبت نہ ہو، چنانچہ قطع جلد تندرست کے لئے مصیبت ہے مگر مریض محتاج آپریشن کے لئے صحت ہے۔ فاقہ تندرست کے لئے مصیبت ہے اور مریض بدہضمی کے لئے راحت وصحت ہے علیٰ ہذا۔ اسی طرح یہ حوادث انفس و اموال و اولاد غیر عارف کے لئے مصائب ہیں، مگر عارف کے لئے جو حکم تکوینیہ کو سمجھتا ہے مصائب نہیں۔

مصائب پر صبر:

جس بندے سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں تو ساتھ ساتھ اکثر و بیشتر بندہ کو کسی آزمائش اور ابتلاء میں ڈال دیا جاتا ہے، تا کہ بندے کی اللہ سے محبت کی پختگی کا ظہور ہو جائے اور بندے کے قرب الٰہی میں اضافہ ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔ (آل عمران۔۱۴۶)

"اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اور کسی صابرین کے لئے اپنی معیت کو اختیار کرتا ہے۔

فرمایا...... اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

احیاء العلوم میں یہ حدیث لکھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو

مبتلائے آفات کرتا ہے۔ پس اگر وہ صبر کرتا ہے تو اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو ابتلاء میں ڈالتا ہے اور جب اس سے اور محبت کرتا ہے تو اسے اقتناء میں ڈالتا ہے۔

پوچھا گیا۔ "اقتناء سے کیا مراد ہے؟"

فرمایا...... اس کا نہ اہل وعیال چھوڑتا ہے اور نہ مال چھوڑتا ہے۔ (قوت القلب)

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر صبر ایک مرد ہوتا تو وہ کریم (سخی) ہوتا اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (مکاشفۃ القلوب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں یا محبت کا معاملہ کرتے ہیں تو اس پر مصائب و آفات ڈالی جاتی ہیں اور جب وہ دعا کے لئے پکارتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ! یہ آواز تو جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے۔ وہ دوبارہ یارب یارب پکارتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "سعدیک وسعدیک" یعنی میرے بندے میں حاضر ہوں، تو مجھ سے جو مانگے گا عطا کروں گا۔

اقوال صوفیاء

تین خزانے:

بعض حکماء سے منقول ہے کہ تین چیزیں اللہ تعالیٰ کے خزانے سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف اس کو عطا کرتا ہے، جس سے محبت کرتا ہے۔

(۱)...... فقر وفاقہ۔ (۲)...... مرض۔ (۳) صبر۔

دعویٰ محبت اور صبر:

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص محبت الٰہی کا دعویٰ کرے اور مصیبت کے وقت چلائے وہ جھوٹا ہے۔

مصیبت سے مقصود آزمائشیں ہیں:

بقول ایک اللہ والے کے کہ انسان چار چیزوں سے محبت کرتا ہے۔

(۱)......جان۔ (۲)......مال (۳)......اولاد۔ (۴)......عزت۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو آزمانا چاہتے ہیں کہ یہ مجھ سے محبت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے یا سچا تو اللہ تعالیٰ ان چاروں چیزوں میں مصائب بھیجتے ہیں۔ اگر وہ مصائب میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھی معاف فرمادیتے ہیں اور اس کے درجات بھی بلند فرمادیتی ہیں اور اس کو محبوب بندوں کی صف میں شامل فرمالیتے ہیں۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

ایک موقع پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

لوگ آپ سے آپ کی نعمتوں کے سبب محبت کرتے ہیں اور میں آپ سے آپ کی بلاؤں اور آزمائشوں کی وجہ سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ (دل کی دنیا)

اللہ سے سچی دوستی کی علامت:

حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (بندے کی اللہ سے) سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے اس کو نعمت سمجھے کہ اس بہانے سے دوست نے اس کو یاد تو کیا، چنانچہ رابعہ بصری پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی وہ نہایت خوش ہوتی تھیں اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی تو وہ بہت ہی ملول خاطر (رنجیدہ دل) رہتیں کہ دوست نے ان کو یاد نہیں کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ محبت کا دعویٰ اس کو کرنا چاہئے جو دوست کی بلا پر صبر کرسکے، کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے۔ جس روز یہ بلا نازل نہ ہو سمجھنا چاہئے کہ یہ نعمت اس سے لے لی گئی، کیونکہ راہ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں۔ (فوائد السالکین، مجالس صوفیہ)

صبر کے معنی ومفہوم واقسام

صبر کے اصل معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو پانے کے ہیں اور اصلاحی تعریف یہ ہے کہ اپنے آپ کو ناجائز خواہشات سے روکنا ہے۔ (مجالس مفتی اعظم)

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں۔

(۱)......اپنے نفس کو حرام وناجائز چیزوں سے روکنا۔

(۲)......اپنے آپ کو طاعات وعبادات کی پابندی پر مجبور کرنا۔

(۳)......مصائب وآفات پر صبر کرنا۔

قرآن میں ترغیب صبر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقریباً نوے مقامات پر صبر کا تذکرہ کیا ہے۔ اکثر نیکیوں اور درجات کو اس کی طرف سے منسوب فرمایا ہے اور ان کو صبر کا پھل قرار دیا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (البقرۃ۔۱۵۵تا۱۵۷)

"یعنی ہم تمہیں ضرور بالضرور آزمائیں گے، کبھی خوف سے آزمائیں گے، کبھی بھوک سے، کبھی تمہارے مالوں میں کمی ہوجائے گی، کبھی تمہارے اعزا واقرباء میں ملنے جلنے والوں میں کمی ہوجائے گی۔"

کبھی تمہارے پھلوں میں کمی ہوجائے گی۔ پھر آگے فرمایا کہ ان لوگوں کو خوشخبری سنادو جوان مشکل ترین آزمائشوں پر صبر کریں اور یہ کہہ دیں۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ"۔ (البقرۃ۔۱۵۶) ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت پر ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم بندوں کو آزمائیں گے کہ کون ہماری بھیجی ہوئی مصیبت پر صبر کرتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے اور جو اس پر جمے گا اس پر اجر کا وعدہ بھی کیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ مصائب اور تکالیف سے انسان کو گھبرانا نہیں چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو بھی معاملہ کرتے ہیں وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ فرمائی کہ جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو "اناللہ" (الیٰ آخرہ) پڑھا کرو۔

اور دل کو اس کے معنی کے تصور میں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور مالک کو ہر قسم کا اپنے

مملوک میں اختیار ہے غلام کو چاہئے کہ مالک کے تصرف پر راضی رہے۔ اس لئے اس موقع پر تصرف حق پر راضی رہنا چاہئے۔ (ملفوظات حکیم الامت)

ہر مصیبت پر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" (البقرۃ۔۱۵۶) پڑھنا سنت ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے معاشرے میں یہ تصور رائج ہے کہ "اناللہ" کا کلمہ صرف اس وقت پڑھا جاتا ہے جب کسی کا انتقال ہو جائے۔ حالانکہ اس کلمے کا صرف انتقال کے ساتھ خاص کر لینا درست نہیں ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک چراغ جلتے جلتے بجھ گیا تو آپ ﷺ نے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" پڑھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا "یارسول اللہ" کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ فرمایا "ہاں، جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو وہ مصیبت ہے۔" (صبر و شکر)

اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے جو شخص مصیبت کے وقت "اناللہ" پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پڑھنے کی برکت سے اس کا بہترین نعم البدل عطا فرمائیں گے۔

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" (البقرہ۔۱۵۶)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے یہ دعا پڑھی مگر "وابدلنی بھا خیرمنھا" کہتے ہوئے دل رکتا تھا۔ کیونکہ میں اپنے دل میں یہ کہتی تھی کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ہوگا اور حضور ﷺ کے ملنے کا وہم بھی نہ تھا کیونکہ:

آرزو می خواہ لیک باندازہ می خواہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دل پر جبر کر کے یہ بھی کہا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے عوض حضور ﷺ عطا فرمائے۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (آل عمران۔۱۸۶)

"اگر تم صبر کرو اور تقویٰ سے کام کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔"

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. (العصر۔۳)

"تم ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کی نصیحت کرو۔"

اور فرمایا جاتا ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر۔۱۰)

"بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کے اجر سے بے حساب نوازا جائے گا۔"

احادیث میں ترغیب صبر

صبر بہترین غلبہ ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صبر سے بہتر اور وسیع عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

مومن کے ہر معاملہ میں صبر ہے:

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا معاملہ بھی قابل تعجب ہے۔ اس کا ہر معاملہ بھلائی پر مبنی ہے اور یہ سعادت صرف مومن کو ہی حاصل ہے۔ اگر اسے خوشحالی کی نعمت نصیب ہو تو وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہے اور اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے خیر ہے۔ (مسلم)

دونوں جہاں کی بھلائی کی چیزیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ چار چیزیں جس کو عطا ہو گئیں اسے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں نصیب ہو گئیں۔ اللہ کا ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل، صبر کرنے والا بدن اور ایماندار نیک بیوی۔ (تنبیہ الغافلین)

صبر پر بے شمار نعمتوں کا وعدہ:

صحیحین میں ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ صبر پر جتنی وسیع اور بہتر بھلائی کسی کو ملتی ہے، اتنی کسی عمل پر نہیں ملتی۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

ایمان میں صبر کا وہی مرتبہ ہے جو بدن میں سر کا ہے۔ (بخاری و مسلم)

جو شخص مقام صبر تک پہنچنا چاہے، اللہ اسے صبر دے دیتا ہے اور جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو جائے اس کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ:

"کسی شخص کو صبر سے زیادہ وسیع نعمت کوئی نہیں دی گئی۔"

اس مقام کو حاصل کرنے کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے جنہیں ''صبر'' کی نعمت حاصل ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ انسان کے ماحول اور صحبت سے زیادہ اس کا مربی کوئی نہیں ہوتا۔ اگر انسان ''صابرین'' کا ماحول اختیار کرلے تو رفتہ رفتہ خود بھی ''صابر'' بن جائے گا۔
(مجالس مفتی اعظم)

صبر بہترین عمل ہے:

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تیری کراہت کے باوجود صبر میں بہت ہی بھلائی ہے۔ (قوت القلوب)

دنیا کی سزا کا نعمت ہونا:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے کسی عورت کو دیکھا جسے وہ اسلام سے پہلے جانتے تھے۔ اس سے کچھ بات کی اور آگے چل دیئے، مگر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے اور وہ چلی جارہی تھی۔ یہ ایک دیوار سے ٹکرائے جس سے چہرہ پر نشان پڑ گیا۔ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر اپنا قصہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کی سزا کو دنیا ہی میں چکا دیتے ہیں۔ (تنبیہ الغافلین)

فضائل صبر

صبر کی فضیلت پر بہت سی احادیث ملتی ہیں۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مسلمانوں کو جو بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے اسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو کانٹا بھی چبھے تو اس سے بھی اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔
ایک اور حدیث میں ہے۔
مسلمان کو اگر کوئی بیماری، تھکاوٹ، فکر، غم یا تکلیف پہنچتی ہے، حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)
ایک اور حدیث میں ہے۔
مومن مرد یا عورت ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہتا ہے۔ کبھی اپنے جسم کی، کبھی مال اور کبھی اولاد

کی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے کہا۔
اے اللہ کے رسول ﷺ سب سے زیادہ سختی کس پر آئی؟ فرمایا کہ ''انبیاء پر، پھر نیک لوگوں پر پھر درجہ بدرجہ۔''
لوگوں کا امتحان ان کے دین کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنے دین میں مضبوط ہے تو اس پر سختی زیادہ ہوتی ہے اور اگر وہ دین میں کمزور ہو تو اس کی مصیبت ہلکی ہوتی ہے اور مومن بندے پر ہمیشہ سختی آتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔
(ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔
ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''جب میرے کسی بندے پر کوئی مصیبت اس کے بدن یا مال میں آتی ہے اور وہ بہترین صبر سے اس کا استقبال کرتا ہے تو مجھے شرم آتی ہے کہ میں قیامت کے دن اس کے لئے ترازو قائم کروں یا اس کا نامہ اعمال کھول کر رکھ دوں۔'' (منہاج القاصدین)
حضور ﷺ نے فرمایا:
''صبر نصف ایمان ہے۔'' (ایمان کی شاخیں)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
کسی مسلمان کو کوئی مصیبت یا کوئی فکر یا کوئی تکلیف یا کوئی غم نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ کانٹا جو چبھ جائے، مگر اللہ ان چیزوں سے اس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔ (بخاری ومسلم)
ایک موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی کیا علامت ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم فراخی میں شکر کرتے ہیں، ابتلاء میں صبر کرتے ہیں اور قضاء پر راضی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم! تم واقعی مومن ہو۔
حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:
''صبر میں خیر کثیر ہے، چاہے صبر کرنا تمہیں ناپسند ہو۔''
حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:
جو ایک شب بیمار رہا، اس نے صبر کیا، اللہ تعالیٰ پر راضی رہا، تو وہ گناہوں سے اس طرح نکل گیا جیسا کہ اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو۔ جب تم بیمار ہو جاؤ تو عافیت کی تمنا کرو۔ (مکاشفۃ القلوب)

تین اعمال درجوں کو بلند کرنے والے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا میں تم لوگوں کو ایسی چیزیں نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بڑھاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، ضرور بتلائیے یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا...... وضو کامل کرنا ناگواری کی حالت میں (کہ کسی وجہ سے وضو کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر پھر ہمت کرتا ہے) اور بہت سے قدم ڈالنا مسجدوں کی طرف (یعنی دور سے آنا یا بار بار آنا) اور ایک نماز کے بعد، دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

(مسلم و بخاری)

صبر کا انعام

حدیث میں آتا ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں جائیں گے تو دیکھیں گے کہ ایک مقام ہے جو بہت اونچا ہے اور بڑا روشن نظر آ رہا ہے۔ اہل جنت پوچھیں گے کہ یہ کن لوگوں کے لئے ہے۔ جواب دیا جائے گا کہ یہ ان کے لئے جنہوں نے مصیبت پر صبر کیا! اہل جنت یہ کہیں گے کہ ہمیں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ صبر سے اتنے اونچے مقامات ملتے ہیں تو ہم یہ پسند کرتے کہ ہماری کھالوں کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا اور ہم اس پر صبر کرتے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بیماری میں مبتلا کرتا ہے تو بائیں طرف والے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس سے قلم روک لے اور دائیں طرف والے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ میرے بندے کے لئے وہ عمل لکھو جو وہ بہترین عمل کرتا تھا۔" (مکاشفۃ القلوب)

رسول اللہ ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ:

"جس مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچے خواہ وہ پرانی ہو چکی ہو جب بھی اس پر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" (البقرہ۔۱۵۶) پڑھے گا تو اس کو وہی پہلی مرتبہ پڑھنے اور صبر کرنے کا سا اجر ملے گا جو مصیبت کے دن ملا تھا۔" (تنبیہ الغافلین)

ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے قوت القلوب میں صبر جمیل کی یہ تعریف کی ہے کہ بس تکلیف میں حرف شکایت زبان سے نکالا جائے نہ ہی اس تکلیف کا اظہار کیا جائے۔

پسماندگان سے تعزیت کا ثواب

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت (تسلی) کی، اس کے لئے ایسا اجر و ثواب ہے جیسا کہ اس مصیبت زدہ کے لئے۔ (جامع ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک نقل فرماتے ہیں کہ:

جس شخص کے تین بچے فوت ہو گئے وہ دوزخ میں صرف اللہ تعالیٰ کے اس قول کو پورا کرنے کے لئے جائے گا جو کہ اس آیت میں ہے:

"وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا" (مریم۔۷۱)

"اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا گزر اس پر نہ ہو۔" (تنبیہ الغافلین)

فائدہ:

یعنی محض عبور کرنے کے لئے۔

صبر کی ایک عجیب فضیلت

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب کسی کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے، تم نے میرے بندے کے بچے کی جان لے لی۔ وہ کہتے ہیں، ہاں۔ پھر فرماتے ہیں تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا، وہ کہتے ہیں، ہاں۔ پھر فرماتے ہیں، میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں، آپ کی حمد و ثناء کی اور "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" (البقرۃ۔۱۵۶) کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام "بیت الحمد" رکھو۔ (احمد و ترمذی)

صبر کا پھل

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ ایک ناسور پھوڑے کے اندر بتیس سال مبتلا رہے ہیں جو پہلو میں تھا اور چت لیٹے رہتے تھے۔ کروٹ نہیں لے سکتے تھے۔ یعنی تیس برس تک چت لیٹے، کھانا بھی، پینا بھی، عبادت کرنا، قضائے حاجت کرنا بھی۔ آپ اندازہ

کیجئے بتیس برس ایک انسان ایک پہلو پر پڑا رہے، اس پر کتنی عظیم تکلیف ہوگی؟ کتنی بڑی بیماری ہے؟

یہ تو بیماری کی کیفیت تھی، لیکن چہرہ اتنا ہشاش بشاش کہ کسی تندرست کو وہ چہرہ میسر نہیں لوگوں کو حیرت ہوتی کہ بیماری اتنی شدید کہ بتیس برس گزر گئے کروٹ نہیں بدل سکتے اور چہرہ دیکھو تو ایسا کھلا ہوا کہ تندرستوں کو بھی میسر نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ کیا بات ہے کہ بیماری تو اتنی شدید اور آپ کے چہرے پر اتنی بشاشت اور تازگی کہ کسی تندرست کو بھی نصیب نہیں؟

فرمایا۔ جب بیماری میرے اوپر آئی، میں نے صبر کیا۔ میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے عطیہ ہے۔ اس نے میرے لئے یہی مصلحت سمجھی۔ میں بھی اس پر راضی ہوں۔ اس صبر کا اللہ نے مجھے یہ پھل دیا کہ میں اپنے بستر پر روزانہ ملائکہ علیہم السلام سے مصافحے کرتا ہوں۔ مجھے عالم غیب کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ غیب میرے اوپر کھلا ہوا ہے۔

تو جس بیمار کے اوپر عالم غیب کا انکشاف ہو جائے، ملائکہ کی آمد و رفت محسوس ہونے لگے اسے مصیبت ہے کہ وہ تندرستی چاہے؟ اس کے لئے تو بیماری ہزار درجے کی نعمت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے تندرست کو تندرستی میں تسلی دی۔ بیمار کو کہا کہ تیری بیماری اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے تو اگر اس پر صبر اور احتساب کرے اور اس حالت پر صابر اور راضی رہے گا، تیرے لئے بہت ہی درجات ہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۱۵۴)

صبر سالک کو کندن بنا دیتا ہے

تکالیف پر صبر اگرچہ تلخ ہے۔ لیکن عجیب کیمیا ہے۔ سالک کو کندن بنا دیتا ہے جو مقامات سالہا سال کے مجاہدہ و ذکر و شغل سے نہیں ملتے، صبر کی برکت سے وہ جلد سے جلد عطا ہو جاتے ہیں۔ لہذا سالک کو چاہئے کہ صبر کی تلخی کو اس نعمت عظمیٰ کی وجہ سے شیرینی سمجھے۔ چند دن کی تکلیف ہے۔ پھر ہنستا ہی ہنستا ہے۔ آدمی کی جان مجاہدات میں لیتے ہیں، لیکن اس آدمی کی جان کے عوض سینکڑوں جانیں وہ صاحب کرم عنایت فرماتا ہے۔ (معارف مثنوی)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنکہ درو ہمت نیاید آن دہد

ایسی ایسی نعمتیں صبر کی بدولت عطا فرماتے ہیں جو تمہارے وہم و خیال میں نہیں آسکتی ہیں۔

صبر عجیب کیمیا ہے۔

صد ہزاراں کیمیا حق نہ آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم نہ دید

ہزاروں کیمیا حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے، لیکن صبر جیسی کیمیاء حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد نے نہ دیکھی۔

جن لوگوں نے صبر اختیار کیا وہ دین میں مضبوط ہو کر ولایت کی اعلیٰ اور انتہائی منزل، صدیقیت سے مشرف ہو گئے۔

گفت پیغمبر خداش ایماں نداد ہر کہ نبود صبوری در نہاد

پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ خدا اس بندہ کو ایمان بھی عطا نہیں فرماتا، جس کی سرشت میں صبر کی خصلت ودیعت نہیں فرماتا۔ (ایضاً)

مصیبت کے فوائد اور خاصیتیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مصیبت میں یہ خاصیت ہے کہ اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ انسان اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے۔ توبہ نصیب ہو جاتی ہے۔ تنبہ ہوتا ہے کہ فلاں امر کی وجہ سے یہ ہوا تو یہ کھلے فائدے نظر آتے ہیں مگر بعض لوگ اس کو یاد نہیں رکھتے۔

(حکیم الامت کے جواہر پارے، صفحہ نمبر ۱۷۶)

تعریف صبر

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

فرماتے ہیں کہ صبر احکام الٰہیہ کی مخالفت سے دور ہونا مصیبت کے رنج والم سہتے ہوئے پرسکون ہونے اور حالت فقر میں غنا کے ظاہر کرنے کا نام ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کا قول:

فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہے کہ نفس کو پابند کیا جائے اس چیز پر جس کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے۔ یا صبر نفس کو ہر اس چیز سے روکنے کا نام ہے جس سے رکنے کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے۔

اقوال صبر

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ:

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو ارشاد فرمایا کہ سونے کا آگ سے امتحان کیا جاتا ہے اور ایماندار بندہ کا امتحان مصیبت سے ہوتا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو محبوب بناتا ہے تو ان کو مبتلائے مصیبت کر کے امتحان لیتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول:

مصیبت میں صبر کرنا مشکل ہے مگر صبر کے ثواب کو ضائع نہ ہونے دینا مشکل ترین ہے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مومن بندے پر متواتر بلا نازل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بغیر گناہ کے چلتا پھرتا ہے۔

(اولیاء اللہ کے اخلاق)

ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں درج ذیل تینوں باتیں اعلیٰ ترین ذخائر میں سے ہیں۔

(۱)......تکالیف کا پوشیدہ رکھنا۔

(۲)......مصائب کا مخفی رکھنا۔

(۳)......صدقہ کو مخفی رکھنا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''ہر اطاعت گزار کو ناپ تول کر ثواب دیا جائے گا سوائے صابروں کے کہ ان پر تو لپ بھر بھر کر ثواب پھینکا جائے گا۔''

اقسام صبر

ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ اس بات کی دلیل آپ

رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کے ذریعے لکھی ہے۔ فرمایا کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

صبر تین ہیں اول طاعت پر صبر دوسرے مصیبت پر صبر تیسرے معصیت سے صبر۔ جو شخص مصیبت پر صبر کرتا ہے حتیٰ کہ اعلیٰ حوصلہ کے ساتھ اسے برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین سو درجے لکھ دیتے ہیں اور جو شخص طاعت پر صبر کرتا ہے اس کے چھ سو درجات لکھے جاتے ہیں اور جو شخص معصیت سے صبر کرے اس کے لئے نو سو درجات لکھ دیئے جاتے ہیں۔ (تنبیہ الغافلین، صفحہ ۲۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قرآن میں صبر تین طریق کا مروی ہے۔

(۱)......اللہ تعالیٰ کے لئے ادائیگی فرض پر صبر واستقلال دکھانا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے لئے محرمات سے پرہیز پر صبر کرنا۔

(۳)......پہلے صدمہ کے موقع پر مصیبت میں صبر کرنا۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں صبر کی تین قسمیں لکھیں ہیں بندہ نے اس میں کچھ اضافہ کر کے ان کو یہاں لکھا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ صبر کی تین قسمیں ہیں۔

(اول)......طاعات پر صبر کرنا:

یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے ان کی پابندی طبیعت پر کتنی بھی شاق ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔

صبر علی الطاعات کی مثال:

مثال کے طور پر حق تعالیٰ شانہ نے پانچ وقت نماز کا حکم دیا۔ اب اگر کسی پر فجر کی نماز پڑھنا بھاری ہو رہا ہے تو وہ شخص اللہ کی محبت میں نفس پر جبر کر کے اٹھے اور نماز فجر کی باجماعت پڑھنا، اسی کا نام صبر علی الطاعات ہے۔

(دوم)......صبر عن المعاصی:

یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ نفس کے لئے کتنی ہی مرغوب ولذیذ ہوں نفس کو اس سے روکے رکھنا۔

صبر عن المعاصی کی مثال:

مثلاً کسی کو بدنظری کا مرض ہے حالانکہ تمام اہل علم متفق ہیں کہ بدنظری زنا کی سیڑھی ہے اور علماء نے فرمایا کہ بدنظری گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ بدنظری کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ لعنت سے مراد اللہ کی رحمت سے دوری ہے تو بہر حال ایک شخص ایسے مہلک مرض میں مبتلا تھا مگر اس نے اللہ کی محبت میں اپنے نفس پر جبر کر کے اور اپنی خواہشات کا خون کر کے اس مرض کو چھوڑ تو اس کا نام صبر عن المعاصی ہے۔

(سوم)......صبر علی المصائب:

یعنی مصیبت و تکلیف پر صبر کرنا حد سے زائد پریشان نہ ہونا اور سب تکلیف و راحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔

صبر علی المصائب کی مثال:

مثال کے طور پر ایک شخص کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور اس میں اس کا ایک ہاتھ بھی چلا گیا تو وہ تھا اللہ والا اس نے کہا کہ اس دنیا میں ہزاروں آدمی ایسے ہیں جن کے پاس دونوں ہاتھ نہیں ہیں اور نہ ہی دونوں پاؤں ہیں۔ آپ نے مجھے دو ہاتھ دیئے دو پیر دیئے پھر اس میں اگر ایک ہاتھ واپس لے لیا تو اس میں بھی آپ کا مجھ پر احسان ہے کہ آپ چاہتے تو دونوں ہاتھوں سے محروم کر سکتے تھے۔ وہ شخص جس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس نے اس بات کا مراقبہ کر کے اپنے دل کو مطمئن کر لیا تو اس صبر کا نام صبر علی المصائب ہے۔

صبر کی مختلف اقسام کی جاتی ہیں۔ یعنی وہ اشیاء جن کی طرف صبر کی نسبت کی جاتی ہے اس کے مختلف نام ہیں۔

پس اگر پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات کے مقابلہ میں صبر ہے تو اس کا نام "عفت" ہے اگر مصائب پر صبر ہے تو اس کو "صبر" ہی کہتے ہیں۔ اس کی ضد کا نام "جزع وفزع" ہے اگر دولت وثروت کی بہتات کی حالت میں صبر ہے تو اس کا نام "ضبط نفس" ہے اور اس کی ضد کا نام "بطر" (چھچھورپن) ہے۔

(ایمان کی شاخیں)

اگر میدان جنگ اور اسی قسم کے مہلک حالات پر صبر ہے تو وہ "شجاعت" کہلاتا ہے اور اس کی ضد کا نام "جبن" (یعنی بزدلی) ہے۔

اگر غیظ وغضب کے حالات پر صبر ہے تو اس کو "حلم" (یعنی بردباری کرنا) کہتے ہیں اور اس کی ضد کو "ترمز" (یعنی بے قابو ہونا) کہا جاتا ہے۔

اگر حوادثات زمانہ پر صبر ہے تو اس کا نام "سعۃ صدر" (یعنی کشادہ دلی اور حوصلہ مندی ہے) اور اس کی مخالف صفت کو "تجر" (یعنی تنگ دلی اور بے صبری) کہتے ہیں۔

اور اگر دوسروں کے پوشیدہ رازوں پر صبر ہے تو اس کا نام "کتمان سر" (یعنی پردہ پوشی ہے)۔

اگر کفاف معیشت پر (یعنی روزمرہ کے خرچ پر) صبر ہے تو اس کو "قناعت" کہتے ہیں۔

اور اگر ہمہ قسم کی عیش پسندی کے مقابلہ میں صبر ہے تو اس کا نام "زہد" (یعنی دنیا کی لذتوں کو چھوڑنا) ہے۔

واقعات صبر

احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چچا سے دانت کے درد کی شکایت کی تو انہوں نے کہا وہ اللہ احنف تو ایک ہی رات میں درد کی شکایت کرتا ہے واللہ مجھے یہ درد تقریباً تیس سال سے ہے مگر تیرے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام اور وحی الٰہی:

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک آدمی کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ درندوں نے پھاڑ ڈالا تھا اور گوشت نوچ لیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پہچان لیا اور اس کے پاس کھڑے ہو کر عرض کی۔ اے پروردگار یہ شخص تیرا مطیع تھا تو ایسا کیوں ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے موسیٰ اس نے مجھ سے وہ درجہ طلب کیا تھا جس تک اپنے اعمال کی بدولت نہ پہنچ سکتا تھا پس میں نے اس کو وہاں تک پہنچانے کے لئے اس مصیبت میں مبتلا کیا۔

(تنبیہ المغترین)

صبر پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

صبر کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بڑا سبق آموز ہے۔ آپ ایک دن حدیث پاک کا درس دے رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ بار ڈنگ مارا جس کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہو گیا لیکن آپ نے حدیث پاک کی تعظیم کی وجہ سے اپنے کلام کو قطع نہ کیا۔

ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ:

ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو فرماتے یہ تو بادل ہے تھوڑی دیر بعد چھٹ جائے گا اس کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت یزید بسطامی رحمہ اللہ کے صبر کا واقعہ:

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ جا رہے تھے۔ مریدوں کا لشکر اور فوج ساتھ تھی۔ اوپر سے رنڈی بدکار عورت نے چولہے کی راکھ اور گھر کا کچرا اور گندگی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر ڈال دیا۔ حضرت نے فرمایا ''الحمد اللہ''۔ مریدوں نے پوچھا کہ حضرت اس وقت آپ نے الحمد للہ کیوں کہا؟ فرمایا کہ دل میں میں نے ''اناللہ'' پڑھ لیا کہ سنت ہے لیکن سنت کے ساتھ ایک دوسری سنت بھی ادا کر رہا ہوں۔ ''الحمدللہ علی کل حال'' خادموں نے کہا کہ حضرت اجازت دیجئے کہ ہم اس سے بدلہ لیں۔ فرمایا کہ تم لوگ میرے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو اللہ والے انتقام نہیں لیا کرتے۔

صبر کے آداب

صبر کے آداب میں سے ہے کہ ابتداء میں صبر کیا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''صبر صدمے کے ابتداء میں ہے۔''

صبر کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مصیبت کے وقت ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ'' (البقرۃ۔۱۵۶) کہے جیسا کہ مسلم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔

صبر کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اعضاء اور زبان کو سکون میں رکھے۔ ہاں رونا جائز ہے۔ بعض حکماء نے کہا کہ بے صبری سے چلی جانے والی چیز واپس نہیں آتی البتہ دشمن ضرور خوش ہوتا ہے۔

کسی مصیبت پر رونا اور رنج کا ہونا یہ آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اس کے خلاف عمل کر کے بہادری دکھاتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت سنائی کہ بیٹے کے مرنے کی خبر سنی تو خوب کھل کھلا کر ہنسے اور ادھر حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ کے آنسو نکل آئے۔

صبر کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جس مصیبت کو چھپا سکتا ہو اس کو چھپایا جائے ہر ایک کے پاس جا جا کر اس کا تذکرہ کر کے اللہ کی شکایت نہ کی جائے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف دو فرشتے بھیجتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو وہ اپنے تیمارداروں سے کیا کہتا ہے۔ پھر اگر وہ تیمارداروں کے سامنے اللہ کی تعریف کرے تو وہ جا کر بیان کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے پھر فرماتا ہے۔ سنو! اگر میں نے اپنے بندے کو اپنے پاس بلا لیا تو میں اسے جنت میں داخل کروں گا اور اگر میں نے اسے شفاء دی تو میں اس کا گوشت اور خون بدل دوں گا اور اسے اس سے بہتر گوشت اور خون عطا کروں گا اور اس کے گناہ معاف کر دوں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول:

اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور معرفت کا حق یہ ہے کہ اپنی تکلیف کی شکایت نہ کرو اور نہ اپنی مصیبت کا تذکرہ کرو۔

حضرت احنف رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

چالیس سال سے میری ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی ہے۔ میں نے آج تک کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

ایک آدمی نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا ''اے ابوعبداللہ آپ کا کیا حال ہے؟''
آپ نے کہا ''عافیت اور بھلائی سے ہوں''
اس نے کہا ''کل رات آپ کو بخار تھا؟'' تو فرمایا۔
''میں نے جب تم سے کہہ دیا کہ میں عافیت سے ہوں تو بس کافی ہے تم مجھ سے وہ بات کیوں کہلوانا چاہتے ہو جس کا زبان پر لانا مجھے پسند نہیں۔''

مخلوق کے پاس شکایت سے پرہیز کرنا چاہئے:

کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔
جو شخص مصیبت کی شکایت غیر اللہ کے سامنے کرے تو اس کے بعد اس کو اپنی عبادت میں حلاوت محسوس نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ کرلے۔

حضرت عزیر علیہ السلام اور وحی الٰہی:

وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ "اگر تجھ پر کوئی بلا نازل ہو تو میری مخلوق کے پاس شکایت سے بچ اور میرے ساتھ ایسا معاملہ کر جیسا کہ میں تیرے ساتھ کرتا ہوں پس جس طرح میں تیری شکایت فرشتوں کے سامنے نہیں کرتا جب تیرے برے اعمال میرے سامنے آتے ہیں ایسے ہی تجھے مناسب ہے کہ تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو میری شکایت مخلوق کے پاس نہ کر۔"

شکایت سے پرہیز کرنا:

محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مصیبت کی شکایت سے پرہیز کر کیونکہ اس سے تیرا دشمن خوش ہوتا ہے اور دوست غمگین۔ پس اے دوست ان باتوں کو خوب یاد رکھ اور صابر بن کر فائدہ حاصل کر اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

صبر پر ایک بزرگ کی نصیحت:

کسی بزرگ نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے فاقے اور حاجت کی شکایت کسی دوسرے شخص سے کر رہا ہے تو اس ماجرے کو دیکھ کر ایک اللہ والے نے فرمایا۔ اے شخص! تو اس ذات کی شکایت کر رہا ہے جو تجھ پر رحم کرنے والی ہے اور تو اپنے رب کی شکایت سے ایسے شخص سے کر رہا ہے جو تجھ پر رحم کرنے والا نہیں ہے۔
بعض لوگ تکلیف میں الحمد للہ الحمد للہ کہتے ہیں۔ اس پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کو چاہیے کہ الحمد للہ کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی ہائے ہائے بھی کرلیا کرے۔ جب تک ہائے ہائے نہ کرے گا شفانہ ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو تکلیف بھیج

رہے ہیں کہ میرے بندے میں عاجزی پیدا ہو اور یہ انسان ظاہر ایسا کر رہا ہے کہ اے اللہ آپ مجھ پر پہاڑوں جتنی تکلیف بھیجیں میں برداشت کرلوں گا۔

مصائب کے فوائد

فرمایا...... اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمانوں کو مصائب و تکالیف دے کر اس کا میل صاف کرتے ہیں، یعنی وساوس و معاصی سے جو غفلت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو دور کرتے ہیں یہ تو آخرت کی بھلائی ہوئی اور دنیا کی بھلائی یہ ہوتی ہے کہ مصائب و تکالیف سے انسان کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں اور اخلاق کی درستی سے بہت راحت ملتی ہے۔ کیونکہ بد خلق سے سب کو وحشت ہوتی ہے۔ لوگ اس کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ نیز اس کے یعنی (اہل مصیبت کے) دل پر دنیا کی حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ دنیا دل لگانے کی چیز نہیں ہے۔

مصائب کے وقت کا دستور العمل

فرمایا...... مصائب کو گناہوں کی سزا سمجھو یا ایمان کی آزمائش سمجھو مگر یہ مت سمجھو کہ خدا تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں کیونکہ یہ خیال خطرناک ہے اس سے تعلق ضعیف ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے۔

مصائب کو ہلکا کرنے کی تدبیر

فرمایا...... مصیبت کو ہلکا کرنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ اپنے گناہ کو یاد کرے دوسری تدبیر یہ ہے کہ مصیبت کے ثواب کو یاد کرے۔ تیسرے یہ سمجھے کہ مصیبت سے ایمان کی آزمائش ہے کہ آیا اس میں ایمان ہے یا نہیں۔ چوتھے یہ کہ عبدیت غالب ہو جاتی ہے اور دعویٰ و غرور و تکبر کا میل کچیل معلوم ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت منکشف ہو کر سمجھ میں آ جاتا ہے کہ آدمی کو کبھی دعویٰ نہ کرنا چاہئے۔
پانچویں یہ کہ مصائب میں استحضار عظمت الٰہی کا ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں اپنا عجز زیادہ منکشف ہوتا ہے پس مصائب سے انسان پر عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے اور عبدیت اعلیٰ کا مقام ہے۔

اہلکاراں بوقت معزولی
شبلی وقت و بایزید شوند

از چوں می رسند برسرکار
شمر ذی الجوشن و یزید شوند

مصیبت بھی نعمت ہے

فرمایا...... بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ مصیبت پر بغیر صبر کے بھی ثواب ملتا ہے۔ صبر کا اجر اس کے علاوہ ہے تو اب مصیبت فی نفسہ نعمت ہے۔

مصیبت کے وقت صبر مطلوب ہے

فرمایا...... مصیبت کے وقت صبر مطلوب ہے کہ اس کو خدا کا تصرف سمجھ کر راضی رہے اور دل میں خدا سے شکایت نہ لائے نہ ظاہر میں جزع فزع کرے۔

اختیاری وغیرہ اختیاری مصیبت

فرمایا...... جس مصیبت کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ اس کی مدافعت پر بھی قادر نہ ہو، سو یہ واقع مجاہدہ ہے اور اب اس پریشانی سے کچھ ضرر نہ ہوگا بلکہ اس میں نورانیت ہوتی ہے جو پریشانی اختیار سے لائی جاتی ہے اس میں نور نہیں ہوتا بلکہ ظلمت ہوتی ہے۔ جیسے کسی کا بچہ بیمار ہے اور وہ اس کا علاج نہیں کرتا۔ اس میں پریشان ہے تو اس میں نور نہ ہوگا اور ایک صورت یہ ہے کہ بچہ بیمار تھا اس کا علاج کیا گیا اور علاج کے بعد وہ مرگیا تو اس سے پریشانی نہ ہوگی۔ عارف ایسی مصیبت میں دل شاد ہوتا ہے اور ظاہر میں مغموم۔

مصیبت میں دو اجر ہیں

فرمایا...... احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس مصیبت سے جو نفس کو تکلیف ہوتی ہے اس پر بھی ثواب ملتا ہے اور صبر کا اجر الگ ہے۔

صبر کے معنی

فرمایا...... صبر کے معنی ہیں نفس کو ناگوار امور پر جمانا اور مصابرت کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں

کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے ناگوار امور پر نفس کو ثابت قدم رکھنا اور مرابطت کے معنی یہ ہیں کہ صبر و مصابرت پر مواظبت کی جائے۔

انبیاء علیہم السلام کے بلند مراتب کی وجہ صبر ہی ہے

فرمایا...... حضرات انبیاء علیہم السلام کے جو مراتب بلند ہیں اس کی یہی توجیہ ہے کہ انہوں نے سب سے زیادہ قیود و حدود کا حق ادا کیا ہے۔ ان پر وہ بلائیں گزری ہیں جن کو دوسرا برداشت نہیں کرسکتا۔

تمام اعمال شرعیہ صبر ہی کے عنوان ہیں

فرمایا...... اعمال شرعیہ کو اللہ تعالیٰ نے صبر کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ "اصبروا وصابروا رابطوا" (ال عمران۔۲۰۰) تاکہ سنتے ہی مخاطب کو معلوم ہو جائے کہ اس میں ہمت کی ضرورت ہوگی۔ پس اب سالکین کو جی نہ لگنے کی شکایت کرنا فضول ہے کیونکہ تم کو تو صبر ہی کا امر ہے اور ہر عمل کی حقیقت صبر ہی ہے اور صبر میں نہ لگنا کیسا بلکہ جی نہ لگنے کی صورت میں زیادہ خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ثواب زیادہ دینا چاہتا ہے۔

مصائب میں تحمل پیدا کرنے کا طریقہ تعلق مع اللہ ہے

فرمایا...... مصائب تکوینیہ کے تحمل کا طریقہ تعلق مع اللہ ہے اس کو پیدا کرکے۔ دیکھو پھر سب مصائب طاقت کے اندر ہیں۔ کوئی طاقت مافوق الطاقۃ نہیں۔ کیونکہ کام تو وہ خود کرتے ہیں تم صرف طریق اور سڑک مظہر ہو کہ فعل تم سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ورنہ کرنے والے وہ خود ہیں تو اب تحمل اس لئے ہو جائے گا کہ وہ تمہارے قلب میں قوت تحمل پیدا کریں گے۔

عارف کو مصائب پر رنج نہ ہونے کی وجہ

فرمایا...... اولاد کا یہ بھی حق ہے کہ ان کی مفارقت کا رنج کیا جائے اور خالق کا حق یہ ہے کہ عقلاً اس کے ہر تصرف پر راضی رہے۔ عارف کو طبعی رنج تو ہوتا ہے مگر اس کی عمر زیادہ نہیں ہوتی۔ نہ اس سے پریشانی ہوتی ہے۔ عقلی رنج اس کو نہیں ہوتا اور پریشانی کی جڑ یہی ہے۔ عارف کو عقلی رنج اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ "انا للہ" کے مضمون کو پیش نظر رکھتا ہے۔

معیار مصیبت

فرمایا...... جس مصیبت سے انقباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو تسلیم و رضا زیادہ ہو وہ حقیقت میں مصیبت نہیں گو صورت مصیبت ہو اور صورت مصیبت رفع درجات و امتحان محبت کے واسطے بھی ہوتی ہے۔

واقعات مصائب درحقیقت تجارت ہیں

فرمایا...... یہ واقعات مصائب درحقیقت سب تجارت میں داخل ہیں کہ ایک چیز ہم سے لی جاتی ہے اور اس کی عوض دوسری چیز دی جاتی ہے اور تجارت بھی ایسی کہ:

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

علاوہ اس کے مصیبت حالاً مصیبت ہے مگر مآلاً نعمت ہے کیونکہ اس سے منافع و مصالح دینیہ و دنیویہ حاصل ہوتے ہیں۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ برسوں کے مجاہدات سے باطن کو وہ نفع نہیں ہوتا جو ایک ساعت کے حزن سے ہوتا ہے۔ خاص کر ایمان کو پختگی ہوتی ہے جو امور باطنہ میں سب سے زیادہ افضل ہے۔
(انفاس عیسیٰ)

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

(یہ اشعار حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں لکھے ہوئے تھے)

صبر کے لئے مددگار تصورات

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تمام موجودات میں سب سے مشکل چیز صبر ہے۔ جو کبھی محبوب و پسندیدہ چیزوں کے چھوٹنے پر کرنا پڑتا ہے اور کبھی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ حالات کے پیش آنے پر۔ خصوصاً جب کہ

تکلیف دہ حالات کا زمانہ طویل ہو جائے اور کشادگی و فراخی سے ناامیدی ہونے لگے۔

ایسے وقت میں مصیبت زدہ کو ایسے توشہ کی ضرورت ہے جس سے اس کا سفر قطع ہو سکے اور اس توشہ کی مختلف صورتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ مصیبت کی مقدار کے متعلق سوچے کہ اس کا اور زیادہ ہونا بھی ممکن تھا۔

ایک یہ کہ اپنی حالت کو دیکھے کہ اس کے پاس مصیبت سے بڑی نعمتیں موجود ہیں مثلاً کسی کا ایک بیٹا مر گیا لیکن دوسرا اس سے عزیز بیٹا موجود ہے۔

ایک یہ کہ دنیا میں اس مصیبت کا بدلہ ملنے کی امید رکھے۔

ایک یہ کہ آخرت میں اس پر اجر ملنے کا سوچے۔

ایک یہ کہ ایسے حالات پر جن پر عوام مدح و تعریف کرتے ہیں ان کی مدح و توصیف کا تصور کر کے لذت حاصل کرے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اجر ملنے کے تصور سے لطف اندوز ہو۔

ایک یہ بھی ہے کہ سوچے کہ ہائے واویلا کرنا کچھ مفید نہیں ہوتا بلکہ اس سے آدمی مزید رسوا ہو جاتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو عقل و فہم غلط بتلاتے ہیں۔ صبر کے راستہ میں ان تصورات کے علاوہ کوئی اور توشہ کام نہیں آ سکتا۔

لہٰذا صابر کو چاہئے کہ اپنے کو ان میں مشغول کرے ان کے ذریعہ اپنی آزمائش کی گھڑیاں پوری کرے اور صبح صبح منزل پر پہنچ جائے۔

تقدیر کے فیصلوں پر صبر کا مراقبہ

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تقدیر پر صبر کرنے سے زیادہ مشکل تکلیف شرعی کوئی نہیں ہے اور نہ تقدیر پر راضی رہنے سے افضل کوئی حکم ہے۔ صبر کرنا تو فرض ہے جب کہ تقدیر پر راضی رہنا فضیلت ہے۔

اور صبر اس وجہ سے دشوار معلوم ہوتا ہے کہ عامۃً تقدیر کے فیصلے نفس کے خلاف ہوتے ہیں۔ ان فیصلوں سے میری مراد محض جسم کی بیماری اور تکلیف کا فیصلہ نہیں بلکہ مختلف قسم کے ایسے فیصلے ہیں جن میں عقل متحیر ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ اسی قبیل کا فیصلہ یہ ہے کہ تم ایک ایسے شخص کو جو دنیا میں ڈوبا ہوا ہو یعنی دنیا کی دولت اس پر ٹوٹی پڑ رہی ہو حتیٰ کہ وہ نہ سمجھ پاتا ہو کہ اتنا مال کیا کرے گا۔

دیکھو گے کہ وہ اپنے استعمال کے لئے سونے چاندی کے برتن بنواتا ہے۔ حالانکہ بلور، عقیق اور تانبے کے برتن سونے چاندی سے خوبصورت ہوتے ہیں لیکن چونکہ اس کو شریعت کی پرواہ کم ہے اس لئے شرعی ممانعت کو کوئی حیثیت نہیں دیتا ہے۔ ریشمی لباس پہنتا ہے۔ لوگوں پر ظلم کرتا ہے ان سب کے ساتھ دنیا بھی اس کو خوب ملتی ہے اور دینداروں اور طالبان علم دین کو دیکھو گے کہ ان پر فقر اور مصیبتیں ٹوٹی پڑتی ہیں اور وہ اس ظالم کی حکومت کے تحت ظلم سہتے رہتے ہیں۔

ایسے وقت میں شیطان وسوسے پیدا کرتا ہے اور تقدیر کے فیصلہ میں قدح شروع کر دیتا ہے لہٰذا مومن کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ دنیا میں پہنچنے والے مصائب پر صبر کرے اور ابلیس سے جدال (جھگڑا) کرتا رہے۔ اسی طرح مسلمانوں پر کافروں کو مسلط کرنے اور دینداروں پر فاسقوں کو حاکم بنانے کی حکمت میں عقل حیران ہے اور سب سے زیادہ امتحان کا موقع جانوروں کو تکلیف میں مبتلا کرنا بچوں کو بیمار کرنا وغیرہ امور ہیں کہ ان مواقع میں ایمان خالص کی ضرورت ہوتی ہے۔

لہٰذا ضروری ٹھہرا کہ عقل اور نقل دونوں اعتبار سے صبر کو تقویت پہنچائی جائے۔

ضرورت شکر

شکر کا معنی و مفہوم:

عربی زبان میں لفظ شکر بے شمار معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
جذبہ سپاس گزاری اظہار احسان مندی، منعم کا ذکر کثیر۔

شکر کی تعریف:

علماء نے شکر کی بہت سی تعریفات کی ہیں۔ ان میں سے بعض اہم یہ ہیں
شکر یہ ہے کہ دل محسن کی محبت کی طرف متوجہ ہو اعضاء اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں مصروف ہوں وار زبان اس کے ذکر اور حمد و ثناء میں مشغول ہو۔

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

محسن کی اطاعت میں اعضاء و جوارح کو مصروف کرنے کے ساتھ ساتھ حصول نعمت پر دل

کے خوش ہونے اور عاجزی و انکساری کے طور پر محسن کی نعمت کے ہونے کا اعتراف کرنا شکر ہے۔

شکر کی حقیقت:

امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شکر کی حقیقت اہل تحقیق کے نزدیک یہ ہے کہ نہایت عاجزی کے ساتھ انعام کرنے والے کی نعمت کا اعتراف کیا جائے۔

شکر کی حقیقت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
شکر کی تعریف یہ ہے کہ شکر نام ہے موجود چیز کو مقید اور محفوظ کرنا اور موجودہ چیز کو محفوظ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو چیز حاصل نہیں ہوتیں انسان ان کو بھی شکار کر لیتا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے شکر کی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شکر نام ہے رویت منعم کا۔ اکثر لوگ نعمتوں کا تو استحضار کرتے ہیں جب کہ اصل یہ ہے کہ وہ منعم کو دیکھے اور پہچانے اسی کا نام شکر ہے۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔ انہوں نے ایک دن اپنے شاگرد حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ "ما الشکر" شکر کیا ہے؟ تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں صرف نہ کیا جائے۔ اس جواب پر آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے اور پوچھا کہ تم نے یہ جواب کہاں سے حاصل کیا؟ جواب میں کہا کہ یہ میں نے آپ کی صحبت سے حاصل کیا ہے۔

نعمت کا شکر ادا کرنا بھی فرض ہے

نعمت کا شکر فرض عبادات کی طرح فرض ہے اور اس کا ترک حرام ہے۔ آل داؤد کو حکم دیا گیا کہ:
اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ (سبا۔۱۳)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس غفلت اور کوتاہی کی نشاندہی کی ہے کہ شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے غور فکر کرنا شروع کیا کہ کوئی ایسا طریقہ نکالا جائے جس کے ذریعے ہم ہمیشہ اللہ کی یاد کرتے رہیں۔ غور و فکر کے بعد انہوں نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ رات کے وقت کو اپنے خاندان کے افراد میں تقسیم فرمایا۔ کچھ افراد رات کی

پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں معروف رہتے اور کچھ رات کے دوسرے حصے میں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کے لئے پوری رات اپنے گھر کے افراد کو اللہ کے ذکر میں مصروف رکھے اس کے باوجود تسلی نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ شکر کا ادا کرنا بھی تو ایک نعمت ہے۔ اے اللہ آپ نے ہمیں کان آنکھ ناک اور زبان وغیرہ تمام چیزیں عطا کی ہیں جن کے ذریعہ سے ہم شکر کرتے ہیں اور پھر شکر کرنے کی تو نے توفیق عطا کی ہے یہ بھی ایک نعمت ہے۔ شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا ہم سے پورا پورا شکر کیسے ادا ہوگا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

انسان شکر ادا کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرے تو شکر ادا ہو جائے گا اور اگر وہ اپنی طاقت کو بھی خرچ نہ کرے تو پھر تارک فرض ہوگا۔

قرآن میں شکر کی ترغیب

(۱)......وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ. (البقرۃ۔۱۵۲)

”اور میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو۔“

(۲)......إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا. (الدھر۔۳)

”ہم نے انسان کو راہ دکھایا اب وہ شکر کرے یا ناشکری کرے۔“

(۳)......وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ. (سبا۔۱۳)

”اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔“

”اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ان گنت اور بے شمار ہونا کسی پر مخفی نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۴)......وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا.

”اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔“

ان نعمتوں کو تین اہم اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

(۱)......دنیاوی نعمتیں:

جیسے صحت و عافیت اور مال حلال وغیرہ۔

(۲)......دینی نعمتیں:

جیسے علم و عمل، تقویٰ اور معرفت الٰہی وغیرہ۔

(۳)......اُخروی نعمتیں:

جیسے عمل قلیل پر عطا کثیر۔

احادیث میں شکر کی ترغیب

(۱)......حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

چار چیزیں جس کو عطا ہو گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائیاں نصیب ہو گئیں۔ اللہ کا ذکر کرنے والی زبان شکر کرنے والا دل صبر کرنے والا بدن اور ایمان دار نیک بیوی۔ (تنبیہ الغافلین)

(۲)......حضرت حسن رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا یہ مبارک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر چھوٹی یا بڑی نعمت کا انعام فرماتے ہیں اور وہ بندہ اس پر الحمد للہ کہتا ہے تو اسے اس سے بڑھیا نعمت عطا ہوتی ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

(۳)......حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

مجھے مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے کہ اس کا ہر حال خیر ہی خیر ہے۔ اسے کوئی بھلائی میسر آتی ہے اور اس پر صبر کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لئے خیر ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

(۴)......رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو راحت و تکلیف (ہر حالت) میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ (عوارف المعارف)

(۵)......حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی اچھی خبر ملتی تو سجدہ کر کے اللہ کا شکر ادا کرتے۔ (ابوداؤد)

(۶)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو کھانا کھانے کے بعد یا پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ (مسلم)

(۷)......حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ میں تمہیں محبوب رکھتا ہوں معاذ کہتے ہیں کہ میں نے بھی عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ کو محبوب رکھتا ہوں۔ اس پر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو کہنا نہ چھوڑنا خداوندا اپنے ذکر و شکر اور حسن عبادت پر میری مدد فرما۔" (احمد، نسائی)

(۸)......حضور نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے پوچھا۔

کیسے صبح ہوئی؟ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ نے دوبارہ پوچھا! آخر کار دوسری بار بھی یہی کہا ٹھیک ہے۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا۔ تیسری بار اس نے کہا ٹھیک ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تم سے یہی کچھ چاہتا تھا (مکاشفۃ القلوب) رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے کو عبادات کی مشقت پر صبر کرنے والے کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

(۹)......اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کے قائم مقام ہے۔ (ترمذی) شکر نعمتوں کی بقا اور دوام کا بہترین وسیلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شکر نعمتوں کو اس طرح قابو کر لیتا ہے جس طرح رسی اونٹ کے پاؤں کو۔

(۱۰)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکر ادا نہ کرے۔ (ابوداؤد)

اقوالِ شکر

شکر کثرت سے کرو:

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ آج تمہیں اس بات کی قدر نہیں ہوگی جب کبھی اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تب تمہیں قدر معلوم ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو۔ اس لئے کہ جس قدر شکر کرو گے امراض باطنہ کی جڑ کٹے گی۔

یہ شکر ایسی دولت ہے جو بہت سے امراض باطنہ کا خاتمہ کرنے والی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میاں وہ ریاضتیں اور مجاہدے کہاں کرو گے جو پہلے زمانے کے لوگ اپنے شیوخ کے پاس جا کر کیا کرتے تھے۔ گڑھے کھودا کرتے تھے۔ محنتیں کرتے تھے۔ مشقتیں اٹھاتے تھے۔ بھوکے

رہتے تھے۔ تمہارے پاس اتنا وقت کہاں؟ اور تمہارے پاس اتنی فرصت کہاں؟ بس ایک کام کر لو وہ یہ کہ کثرت سے شکر کرو جتنا شکر کرو گے انشاء اللہ تواضع پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تکبر دور ہوگا۔ امراض باطنہ رفع ہوں گے۔ (ارشادات اکابر، صفحہ ۱۶۱)

اللہ کے برگزیدہ بندے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ برگزیدہ بندے ہیں کہ کسی نیکی کی توفیق ہوتی ہے تو خوش ہوتے ہیں۔ کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔ کوئی نعمت میسر آتی ہے تو شکر کرتے ہیں۔ کسی آفت میں مبتلا ہوں تو صبر کرتے ہیں۔ (تنبیہ الغافلین)

چار نعمتیں اور اللہ کا شکر

کسی حکیم کا قول ہے کہ میں چار نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتا رہا ہوں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں قسم کی مخلوق بنائی ہے اور میں نے دیکھا کہ ان سب میں بنی آدم اشرف المخلوقات ہے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے بنایا ہے دوسری یہ کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے مردوں میں پیدا فرمایا۔ تیسری یہ کہ میں دیکھتا ہوں کہ اسلام تمام دینوں میں سے افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور مجھے بھی اللہ پاک نے مسلمان بنایا ہے۔ چوتھی یہ کہ میں دیکھتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ کی امت سب امتوں سے افضل ہے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے اسی امت میں پیدا فرمایا۔

حضرت ابن عطاء سکندری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

جس نے نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا وہ اس کے زوال سے دوچار ہوا اور جس نے اس کا شکر ادا کیا اس نے اس کو اسی کے ساتھ مقید کر لیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا اور نعمتوں کے مقابلے میں ناشکری اور نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب و عقاب کو دعوت دینا ہے۔ وہ ذات جس نے نعمتیں عطا کی ہیں وہ ان کو سلب کرنے کی بھی قدر رکھتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس. الصلحۃ والفراغ

دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ قدر نہ سمجھنے کا شکار ہیں۔
صحت اور فارغ البالی۔
یہ نعمتیں ایسی ہیں جن کے شکر اور صحیح استعمال کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا۔
(گنجینۃ الحکمت، صفحہ ۳۴۳)

شکر کا کمال

فقیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکر تین چیزوں سے کمال پاتا ہے۔ ایک یہ کہ جب کوئی نعمت عطا ہو تو اس کا تصور کر کے اس کی حمد و ثناء کرے دوسرے جو عطا ہو اس پر راضی رہے تیسرے یہ کہ جب تک اس نعمت کا نفع حاصل ہے اور اس کی قوت جسم میں ہے تو منعم کی معصیت نہ کرے۔

عافیت مخفی بادشاہت ہے

زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تورات میں لکھا ہے کہ عافیت مخفی بادشاہت ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس کے پاس بیوی گھر سواری اور خادم ہے وہ بادشاہ ہے۔
(تنبیہ الغافلین)

شکر کے لئے لازمی عناصر

''شکر'' کی حقیقت یہ ہے کہ محسن حقیقی کی نعمتوں کا اس طرح اقرار کرنا کہ اس سے دل میں محسن کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو گویا ''شکر'' کے تین لازمی عناصر ہیں۔

(۱)......اس بات کا اقرار و اعتراف کہ جتنی نعمتیں مجھے حاصل ہیں وہ سب کی سب اللہ کی طرف سے ہیں اور اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمائی ہیں۔

(۲)...... چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنے فضل و کرم کی بارشیں برسا رکھی ہیں اس لئے کائنات میں میرے لئے اس سے بڑا محبوب کوئی نہیں ہونا چاہئے۔

(۳)......اللہ کے بے پایاں انعامات کا فطری تقاضا یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں اسی کی اطاعت کروں اور اس کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہ کروں۔ بالفاظ دیگر جو نعمتیں اس نے مجھ کو عطا فرمائیں ان کو انہی کاموں میں خرچ کروں جو اس کی مرضی کے مطابق ہیں اور ان کاموں

میں خرچ کرنے سے بچوں جو اس کی مرضی کے خلاف ہیں۔

مقامِ شکر

جب یہ تین جذبات کسی انسان کے دل میں پختہ ہو جاتے ہیں تو ''تصوف'' کی اصطلاح میں اسے کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے ''مقام شکر'' کو حاصل کر لیا۔ (مجالس مفتی اعظم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا شکر نصف ایمان ہے۔ (مکاشفۃ القلوب)

بقول ایک اللہ والے کے لوگو! میں نے اللہ کی اتنی ناشکری کی ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پھر فرمایا آج ہمارے دانت نئے کھانے کھاتے کھاتے گھس گئے پر زبان ناشکری کرتے کرتے نہیں گھسی۔

شکر کے بہت سے مواقع

صبح سے شام تک سینکڑوں کام ایسے ہوتے ہیں جو آدمی کی مرضی کے موافق ہوتے ہیں صبح آنکھ کھلی صحت بالکل ٹھیک ہے تو کہہ دیا ''الحمدللہ'' گھر والوں کو دیکھا کہ وہ بھی سب تندرست ہیں تو چپکے سے کہہ دیا الحمدللہ نماز کو گئے جماعت مل گئی الحمدللہ صبح وقت پر ناشتہ مل گیا الحمدللہ۔ کام پر جانے لگے خطرہ ہے کہ دیر نہ ہو جائے مگر صحیح وقت پر کام پر پہنچ گئے الحمدللہ بس میں جانے کو خطرہ ہے بس ملے نہ ملے مل گئی الحمدللہ۔ بس میں چڑھ گئے تو معلوم نہیں سیٹ ملے یا نہ ملے سیٹ مل گئی الحمدللہ۔ واپس آنے پر اہل خانہ کو ہشاش بشاش دیکھا الحمدللہ۔ گرمی میں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تو کہہ دیا الحمدللہ۔ غرض جو کام بھی چھوٹا ہو یا بڑا طبیعت کی موافق ہو جائے یا کوئی دعا قبول ہو جائے جس بات سے بھی دل کو لذت و مسرت حاصل ہو، جس کار خیر کی بھی توفیق ہو جائے اس پر اللہ کا شکر دل اور زبان سے ادا کرنے کی عادت ڈال لیں اس کام میں نہ وقت لگتا ہے نہ مال خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی محنت لگتی ہے۔

یہ اللہ کی بہت پسندیدہ عبادت ہے

شکر کی عبادت اللہ کو کتنی پسند ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے عظیم اور محبوب کتاب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو سورۃ فاتحہ سے شروع فرمایا اور سورۃ فاتحہ کو الحمدللہ کے الفاظ سے شروع کیا۔ پورے قرآن کا خلاصہ سورۃ

فاتحہ میں ہے اور سورۃ فاتحہ کا پہلا لفظ ہی الحمد للہ ہے۔ آخر کچھ تو بات ہے جو شکر کو اتنی اہمیت سے بیان کیا جا رہا ہے اور یہ سورۃ اللہ تعالیٰ کو کتنی پسند ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اس سورۃ کو نہ صرف ہر نماز میں بلکہ ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں خدا کی حمد و تعریف ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنی تعریف بہت پسند ہے۔

یہ عبادت جنت میں بھی جاری ہوگی

جنت میں کوئی عبادت بھی نہیں ہوگی۔ نماز، روزہ، زکوۃ، حج سب عبادتیں ختم ہو جائیں گی۔ صرف عیش و عشرت ہوگی لیکن ایک عبادت وہاں بھی رہے گی یعنی شکر۔ حدیث میں آتا ہے کہ اہل جنت کے منہ سے ہر وقت حمد جاری رہے گی۔ جس طرح دنیا میں بغیر ارادے اور محنت کے سانس جاری رہتا ہے اسی طرح جنت میں بلا اختیار حمد جاری رہے گی۔ (ایضاً صفحہ ۲۶)

گناہ کے ساتھ شکر گزاری نہیں ہو سکتی

یاد رکھو شکر گزاری نہیں ہو سکتی جب تک کہ بندہ گناہ میں مبتلا رہے۔ اگر کسی شخص کو کسی ایک گناہ کی بھی عادت ہے مثلاً صرف غیبت کرتا ہے صرف جھوٹ بولتا ہے صرف بخل کی بیماری ہے صرف شرعی وضع قطع جو ہونا ضروری ہے وہ نہیں ہے یا اسی طریقہ سے گناہوں میں سے ایک گناہ کا عادی ہے تو ایسا شخص شاکر نہیں۔ شکر کرنے والا اور نعمت کی قدرت کرنے والا نہیں۔ پھر جب شکر گزار نہیں تو پھر نعمت میں ترقی کیسے ہوگی؟ نعمت میں زیادتی تو جب ہوگی جب شکر کرے۔

مقام شکر سے محرومی کا انجام

جب انسان کو "مقام شکر" حاصل نہیں ہوتا تو تکلیفوں اور پریشانیوں کے لئے اس کا احساس تیز اور نعمتوں کے لئے نہایت سست ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں نعمتوں اور راحتوں کے درمیان اگر اسے ذرا سی تکلیف پہنچ جائے تو وہ نعمتوں کو بھول کر اپنی ساری توجہات کا مرکز اس تکلیف کو بنا لیتا ہے اور اسی کا غم لئے بیٹھا رہتا ہے۔ اس کے برعکس جس شخص کو "مقام شکر" حاصل ہو وہ چند در چند پریشانیوں میں بھی نعمتوں کا پلہ بھاری دیکھتا ہے اور اسی وجہ سے اس حالت میں بھی اس کی زبان سے شکووں اور آہوں کے بجائے شکر ہی کے کلمات جاری رہتے ہیں۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

آپ اکابر دیوبند میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں شدید بخار آیا وہ چارپائی پر تقریباً مدہوش لیٹے ہوئے تھے۔ بخار اپنے شباب پر تھا اور اس کی شدت کی وجہ سے غشی طاری تھی۔ وہ ذرا ہوش میں آئے تو اسی حالت میں بے ساختہ فرمایا۔

"الحمد للہ"! الحمد للہ! بہت اچھا ہوں خدا کا شکر ہے کہ دل صحت مند ہے گردے میں درد نہیں سینے میں کوئی تکلیف نہیں سب اعضاء ٹھیک کام کر رہے ہیں، بس بخار ہے۔"

یہ ہے "مقام شکر" کا نتیجہ کہ انسان شدید بخار میں مدہوش ہونے کی حالت میں بھی اس حقیقت کا استحضار رکھتا ہے کہ "تکلیف ایک ہے اور نعمتیں بے شمار"۔ حقیقت بلاشبہ وہی ہے جو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی کہ بخار بیشک ایک تکلیف ہے لیکن اس کے ساتھ نعمتیں کتنی موجود ہیں! دیکھنے کے لئے آنکھ بولنے کے لئے زبان سننے کے لئے کان پکڑنے کے لئے ہاتھ علاج کے لئے حکیم وغیرہ وغیرہ۔

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایک بیماری میں بھی اللہ کی لامحدود نعمتیں انسان پر ہوتی ہیں جس کو تحریر قلم میں لایا نہیں جا سکتا۔

فوائد شکر

فائدہ (۱)...... اضافہ جدید کی بشارت:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ. (ابراہیم۔۷)

"اگر تم احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔"

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر جتنا شکر ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو بڑھا دیں گے۔ چنانچہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہو اسے چاہئے کہ سچے دل سے اللہ کا شکر ادا کرے۔ بندہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس عمل کی برکت سے اس کی خوبصورتی میں ضرور اضافہ ہوگا۔

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا میری حقیقت تو ایک ترجمان کی سی ہے۔ یہ بات تو اس آیت سے صاف واضح ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مال میں، عزت میں، دینداری میں بڑھوتری

چاہتا ہے وہ بھی کثرت سے شکرادا کرے۔

فائدہ (۲)......عطاء محبت الٰہی کی بشارت:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں فرمایا شکر سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے اور محبت سے قرب حق کا تقاضا ہوتا ہے (جو کہ مقصود اصلی ہے)۔

فائدہ (۳)......شکر سے عذاب سے حفاظت ہوتی ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

مَايَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ. (النساء۔۱۴۷)

''اگر تم میرا شکر کرتے رہو تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دوں۔''

معلوم ہوا کہ جو ایمان والے شکر گزار ہوتے ہیں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔

فائدہ (۴)......شکر سے صبر وتقویٰ پیدا ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا شکر ایسی دولت ہے جس سے بے شمار راحتیں اور نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور جب انسان ہر وقت شکر کرے گا تو جذبہ صبر بھی پیدا ہوگا اور تکلیف پر شکوہ وشکایت نہیں کرے گا۔ گناہ کرتے ہوئے شرمائے گا کہ صبح سے شام تک جس کا شکر کرتا ہوں اب اس کی نافرمانی کیسے کروں۔ چنانچہ یہ بھی اس عمل کی برکت ہے کہ شکر گزار آدمی سے گناہ بہت ہی کم سرزد ہوتے ہیں۔ حسد حرص وہوس اور اسراف وبخل وغیرہ کے مہلک امراض سے نجات رہتی ہے۔

واقعات شکر

آپ ﷺ اور مقام شکر:

آپ ﷺ ساری ساری رات قیام میں گزار دیتے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے مبارک پاؤں متورم ہوجاتے (سوجن ہوجاتی تھی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ﷺ کے تمام گناہ تو اللہ نے معاف کردیئے ہیں پھر آپ اتنی تکلیفیں کیوں اٹھاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا۔

''عائشہ کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ (ایمان کی شاخیں)

ایک گونگے اور بہرے شخص کا واقعہ:

وہب بن رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روز ایک گونگے بہرے مصیبت زدہ شخص کے پاس سے گزرے تو ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کیا اس شخص پر کوئی انعام باقی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں کھانے اور پینے کا آسانی سے گلے میں اتر جانا اور آسانی سے خارج ہونا ان ظاہری نعمتوں سے بہتر ہے جو گم ہوگئی ہیں۔

صفت شکر پر ایک عجیب واقعہ:

حضرت احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک شخص کے ہاں چوری ہوگئی۔ آپ اپنے دوستوں کے ساتھ اس کی غم خواری کو تشریف لے گئے۔

پڑوسی نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ حضرت احمد حرب نے بتایا کہ ہم تمہاری چوری ہوجانے کا افسوس کرنے آئے ہیں۔ پڑوسی بولا کہ میں تو اللہ کا شکر ادا کررہا ہوں اور مجھ پر اس کے تین شکر واجب ہوگئے ہیں۔ ایک یہ کہ دوسروں نے میرا مال چرایا ہے میں نے نہیں دوسرے یہ کہ ابھی آدھا مال میری پاس موجود ہے۔ تیسرے یہ کہ میری دنیا کو ضرر (نقصان) پہنچا ہے اور دین میرے پاس ہے۔ یعنی اللہ کا بندہ وہی ہے جو پریشانی میں بھی شکر کرے۔

دوسرا واقعہ:

کہتے ہیں کہ ایک شخص سہل بن عبداللہ کے پاس آیا اور عرض کیا۔ چور میرے گھر میں گھس کر سارا سامان لے گیا۔ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر چور (یعنی شیطان) تمہارے دل میں گھس کر توحید کو خراب کردیتا تو تو کیا کرسکتا تھا؟

کہتے ہیں کہ آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ تو لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالے اور کان کا شکر یہ ہے کہ جو عیب کی بات سنے اس پر پردہ ڈالے۔ (رسالہ قشیریہ)

ایک عابد کا واقعہ:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ بن منبہ کہتے ہیں۔ ایک عابد نے پچاس برس عبادت میں

گزارے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام اس سے فرمایا کہ میں نے تمہیں بخش دیا۔ اس نے عرض کیا اے میرے پروردگار! میں نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا آپ کیا چیز بخش رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن کی ایک رگ کو حکم دیا اس میں اتنی تکلیف پیدا ہوگئی کہ وہ نہ سو سکتا تھا نہ نماز پڑھ سکتا تھا پھر (چند دنوں بعد) ایک فرشتہ اس کے پاس آیا تو اس نے تکلیف کی شکایت کی۔ فرشتے نے کہا تمہارا رب فرماتا ہے تمہاری پچاس برس کی عبادت اس رگ کے اچھے ہونے پر نہیں۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ کا واقعہ:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں آتا ہے کہ سفر کے دوران ان کی جوتی ٹوٹ گئی تو وہ پریشان ہوئے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ پاؤں سے ننگا ہوں۔ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ان کی نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑی جو پاؤں سے معذور تھا۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے پاؤں کی نعمت تو عطا کر رکھی ہے۔

حدیث میں ہے کہ:

ایمان کے دو حصے ہیں آدھا صبر اور آدھا شکر۔ (تفسیر مظہری)

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

صبر آدھا ایمان ہے۔ (مسلم)

شکر کس طرح کیا جائے

شکر کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......زبان کا شکر۔
(۲)......اعضاء کا شکر۔
(۳)......دل کا شکر۔

(۱)......زبان کا شکر:

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ'' (الم نشرح۔۱۱) کی اتباع کرتے ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے اس قول

''التحدث بنعمة الله شكر'' (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا شکر ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے نعمت کو چھپایا اس نے اس کی ناشکری کی اور جس نے اظہار نعمت کیا اور اس کو عام کیا تو اس نے اس کا شکر ادا کر لیا۔

اور زبان کا شکر یہ بھی ہے کہ اس کی مشیت سے خوش ہونے کا اظہار کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اللہ کی نعمت کو بیان کرنا شکر ہے اور اس کا ترک کرنا کفر ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ انصار کے دو آدمی آپس میں ملے۔ ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔ کیا حال ہے؟ اس نے کہا ''الحمد للہ'' تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ''اسی طرح کہا کرو۔''

بیان کیا گیا ہے کہ اس آدمی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کیا۔ آپ نے اسے جواب دیا۔ ''پھر کہا کیا حال ہے؟'' اس نے کہا ''میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں یہی چاہتا تھا۔

سلف ایک دوسرے سے حال پوچھا کرتے تھے اور مقصد ان کا اللہ کا شکر ادا کرنا ہوتا تھا شکر گزار بھی مطیع ہے اور اس کا اظہار کرانے والا بھی مطیع ہے۔ (منہاج العابدین)

(۲)......اعضاء کا شکر:

اعضاء کا شکر یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی اطاعت میں استعمال کرے اور اس سے گناہ کی مدد کرنے سے پرہیز کرے۔ مثلاً آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کوئی عیب دیکھا ہے تو اس کی پردہ پوشی کرے۔ کانوں کا شکر یہ ہے کہ لوگوں کے جو عیوب سنے ہیں ان کی پردہ پوشی کرے۔ (ایضاً)

(۳)......دل کا شکر:

دل کے شکر سے مراد یہ ہے کہ تجھے یقین ہو کہ تجھ پر اور مخلوق خدا پر تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ. (نحل۔۵۳)

اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں۔

دل کا شکر یہ بھی ہے کہ نیکی اور بھلائی والے کام کا ارادہ کرے۔

شکر کرنے والوں کے مراتب

شکر کرنے والوں کے مراتب درج ذیل ہیں۔

(۱)......عوام کا شکر:

عوام فقط نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۲)......خواص کا شکر:

خواص نعمتوں وار آزمائشوں وابتلاؤں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی فضل واحسان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی تعریف کی ہے جس پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کا سامنا اپنی زبان سے حمد وثناء اور دل سے رضا کے ساتھ کرتا ہے اور شیطان کو موقع نہیں دیتا کہ وہ دل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کو ڈال دے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب کسی بندے کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے بچے کی روح کو قبض کرلیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں، ہاں! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں اس نے تیری حمد وثناء بیان کی اور کہا۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ'' (البقرۃ۔۱۵۶) تو اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر کردو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کے لئے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو تنگی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے تھے۔ (المستدرک)

خاص الخواص کا شکر:

یہ لوگ منعم اور محسن کی ذات میں اسی طرح فنا ہوتے ہیں کہ انہیں نعمت اور آزمائش کا خیال ہی نہیں رہتا۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

''شکر منعم کا خیال رکھنا ہے نہ کہ نعمت کا۔''

مقام شکر حاصل کرنے کا طریقہ:

حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شکر کو حاصل کرنے کا یہ طریقہ لکھا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ کرنا اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جاننا۔ اس عمل سے رفتہ رفتہ شکر کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ (شریعت وتصوف)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مقام شکر کو حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلا کام اللہ تعالیٰ کے انعامات کا صحیح اقرار اور صفت استغفار کا پیدا کرنا ہے۔ (مجالس مفتی اعظم)

شکر الٰہی

تخلیق الٰہی کا شاہکار:

انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ رب کریم کی ہم پر کتنی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا۔ اگر وہ کوئی جانور بنا دیتا تو اس کا اختیار تھا۔ بالفرض اگر وہ بندر پیدا کردیتا تو کسی نے ناک میں نکیل ڈالی ہوتی اور ہم گلیوں کے اندر ناچتے پھرتے وہ گدھے کی شکل میں پیدا کردیتا تو کسی نے پیٹھ پر بوجھ ڈالا ہوتا اور ہم ڈنڈوں پر ڈنڈے کھار ہے ہوتے اور پھر اس کی باوجود بھی زبان سے شکوہ کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ الحمد للہ پروردگار عالم نے ہمیں انسان بنایا ہم نے اس کے لئے کوئی درخواست تو نہ دی تھی۔

ایمان کی دولت......ایک نعمت اعظمیٰ:

دوسرا احسان یہ ہوا کہ رب العزت نے ہمیں نبی علیہ السلام کی امت میں ایمان کے ساتھ پیدا کیا۔ یہ اللہ رب العزت کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ ہم اس کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے۔ دنیا میں وہ بھی لوگ ہیں جو اس امت میں پیدا ہوئے مگر ان کو کفر کا ماحول ملا۔ ان کے ماں باپ نے انہیں یہود ونصاریٰ اور کافر بنا دیا۔ ہمیں اللہ رب العزت نے ایسے ماں باپ کے گھر پیدا کیا کہ جب ہم چھوٹے تھے اور والدہ دودھ کا فیڈر لگاتی تھی تو ''بسم اللہ'' پڑھا کرتی تھی۔ وہ ہمیں سلاتی تھی تو ''لا الہ الا اللہ'' کے ترانے سنایا کرتی تھی وہ پنگھوڑا ہلاتی تھی تو ''حسبی ربی جل اللہ'' کے گیت سنایا کرتی تھی۔

ابھی ہم چھوٹے اور نا سمجھ تھے کہ وہ ہم سے اللہ اللہ کے لفظ کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھی۔ ابھی ہم چھوٹے تھے کہ اسی ماں اور اسی باپ نے ہمارے ایک کان میں اذان دلوائی اور دوسرے کان میں اقامت اس چھوٹی عمر میں جب ہمیں سمجھ بھی نہ تھی۔ جب ہم اپنے مالک و خالق کو پہچانتے بھی نہ تھے ان ماں باپ کی برکت سے ہمارے کانوں میں اس وقت اپنے پروردگار کا نام پہنچا۔

یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ پھر جب ہم چلنے پھرنے کے قابل ہوئے ابھی بچپن تھا، دوست دشمن کی تمیز نہ تھی، نفع نقصان کا اندازہ نہ تھا۔ ہمارے والد ہماری انگلی پکڑ کر مسجد کی طرف لے جاتے تھے۔ یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم جو آج مسلمان بن کر بیٹھے ہیں معلوم نہیں کہ کتنے لوگوں کی محنت کا اس میں دخل ہے۔ کتنی اللہ رب العزت کی رحمتیں ہم پر برسیں کہ آج اللہ رب العزت نے ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ جسمانی نعمتیں تو بے شمار ہیں۔ پروردگار عالم نے ہمیں صحیح سلامت جسم کے ساتھ پیدا کر دیا وہ پروردگار اگر چاہتا تو ہمیں کسی عذر کے ساتھ پیدا کر سکتا تھا کسی مرض کے ساتھ پیدا کر سکتا تھا۔ ہمیں جو صحیح سلامت جسم نصیب ہوا یہ پروردگار کی ہم پر کتنی بڑی مہربانی ہے۔

احساس کا شکر:

ایک صاحب نے ظہر کی نماز پڑھی تنگدستی اتنی تھی کہ جوتا بھی ٹوٹ گیا۔ گرمی کا موسم تھا گرم زمین پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے یہ مسجد سے گھر کی طرف لوٹنے لگے تو دل میں خیال آیا پروردگار! میں تو آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں، مسجد کی طرف آتا ہوں، مجھے تو آپ نے جوتا بھی عطا نہ کیا۔ ابھی یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے سے ایک لنگڑے آدمی کو آتے دیکھا وہ بیساکھیوں کے بل چل کے آ رہا تھا، فوراً دل پر چوٹ لگی کہ اوہو! میں تو جوتے کے نہ ہونے کا شکوہ کرتا رہا یہ بھی تو انسان ہے جسے پروردگار نے ٹانگیں بھی عطا نہ کیں۔ یہ لکڑیوں کے سہارے چلتا ہوا آ رہا ہے تو جب اپنے سے نیچے والے کو دیکھا تو دل میں شکر کی کیفیت پیدا ہوئی۔

ایک بہت بڑی ابتلاء

ایک اصول یاد رکھیں کہ دین کے معاملہ میں اپنی سے اوپر والوں کو دیکھیں تاکہ عمل کا شوق اور زیادہ ہو۔ آج معاملہ الٹ ہے۔ ہم دین کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھتے ہیں۔ گھر

میں آپ بیوی سے کہیں کہ نماز پڑھو، وہ کہے گی کہ تمہاری بہن کون سی نماز پڑھتی ہے؟ وہ کہے گی کہ فلاں کی بخشش ہوگئی تو بس میری بھی ہو جائے گی۔ اپنے سے نیچے والوں کی مثالیں دے گی۔ دنیا کی باتیں کرو تو اس کو پتہ ہوگا کہ میرا گھر اتنا خوبصورت بنا ہوا ہے مگر فوراً کہے گی کہ فلاں کے گھر میں جو ڈیزائن دیکھا تھا وہ ہمارے گھر میں تو نہیں ہے۔ تو آج بدقسمتی سے دنیا کے معاملے میں ہم اپنے اوپر والوں کو دیکھتے ہیں تو دنیا کی حرص اور طمع بڑھ جاتی ہے اور دین کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے دینی معاملات میں سستی پیدا ہوتی ہے اور یہ بہت بڑی ابتلاء ہے۔

شکوے ہی شکوے

آج اکثر جگہوں پر دیکھا گیا ہے کہ اقتصادی اور معاشی مسائل کی وجہ سے ہر مرد اور ہر عورت کی زبان سے شکوے سننے میں آتے ہیں۔ کسی کو اولاد کا شکوہ کسی کو مال کا شکوہ کسی کو کاروبار کا شکوہ ''الا ماشاءاللہ'' کوئی بندہ سینکڑوں میں نظر آتا ہوں گا کہ جو کہے کہ اللہ نے مجھے جس حال میں رکھا ہوا ہے میں راضی ہوں۔ ہر ایک کہے گا میں بڑا پریشان ہوں باقی ساری دنیا سکھی زندگی گزار رہی ہے۔ اگر وہ جس کو یہ سکھی سمجھتا ہے اس کے غم لے کر اس کو دے دیئے جائیں تو یہ پہلے سے بھی زیادہ پریشان ہو جائے تو اللہ رب العزت نے جس کو جس حال میں رکھا ہے ہمیں چاہئے کہ ہم اس کا شکر ادا کریں۔

تنگدستی کی حکمتیں

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اللہ رب العزت جانتے ہیں کہ اگر اس کو میں نے ضرورت سے زیادہ رزق دے دیا تو یہ عجب میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہ تکبر کے بول بولے گا اور ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس لئے رب کریم انہیں تنگدستی کی حال میں رکھتے ہیں کہ میرا یہ بندہ مجھے مشکل کے حال میں پکارتا رہے گا۔ اس کا ایمان سلامت رہے گا کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کو ضرورت کی بقدر رزق ملتا رہے گا تو نمازیں بھی پڑھتے رہیں گے۔ کاروبار بھی چلتا رہے گا۔ تسبیحات بھی چلتی رہیں گی اور اگر ذرا کاروبار پر زد پڑی یا ذرا کوئی واقعہ پیش آیا تو سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں گے۔ رب کریم چونکہ مہربان ہیں اس لئے بندے کی ضرورت کے مطابق دیتے رہتے ہیں تاکہ یہ میرا بندہ میرے سامنے جھکتا رہے یوں حالات کی زنجیروں میں جکڑ کر اللہ تعالیٰ اسے اپنے در پر جھکاتے ہیں۔

رزق کی تقسیم

رب کریم نے رزق کو تقسیم کیا ہوا ہے۔ فرمایا ''نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ'' (الزخرف ۳۲) ہم نے انسانوں کے درمیان رزق تقسیم کیا ہے۔ اب کون ہے جو پروردگار کی تقسیم پر راضی ہو۔ تقدیر پر راضی رہنے والے لوگ تھوڑے نظر آتے ہیں۔ ہر بندے کو شکوہ ہے ارے! اگر ایک باپ دو بیٹوں کے درمیان کوئی چیز تقسیم کردے تو وہ توقع کرتا ہے کہ باپ ہونے کے ناطے یہ بچے میری تقسیم جیسی بھی ہی اس کو قبول کریں گے۔ کیا ہم اپنے خالق و مالک کی تقسیم کو قبول نہیں کرپاتے۔ کیا ہم اس کی تقسیم پر راضی نہیں ہو پاتے۔ ہمیں چاہئے کہ پروردگار نے جس حال میں رکھا ہم اسی حال پر راضی ہو جائیں۔

احساس شکر پیدا کرنے کا طریقہ

سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے ہمیں ہزاروں سے بہتر رکھا ہو ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ غور کرنے کی بات ہے آپ تھوڑا سا اپنے حالات پر غور کریں آپ کو کتنی چیزیں ایسی ملتی چلی جائیں گی آپ کا دل گواہی دے گا کہ رب کریم نے کتنوں سے ہمیں اس حال میں بہتر رکھا ہوا ہے۔ یہ چیزیں انسان کے اندر شکر کی کیفیت کو پیدا کردیتی ہیں۔

نعمتوں میں اضافہ اور کمی کے اصول وضوابط

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔ ''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ'' (ابراہیم ۔۷) اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمتوں کو تم پر اور زیادہ کردیں گے۔ تو ہم جتنا اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں گے اتنا ہی رب کریم کی نعمتیں اور زیادہ ہوں گی۔ اور آگے فرمایا ''وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ'' (ابراہیم ۔۷) اور اگر کفران نعمت کرو گے تو یاد رکھو کہ پھر میری پکڑ بھی بڑی سخت ہے۔

لسانی اور جسمانی شکر

اب شکر ادا کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو انسان اپنی زبان سے الحمد اللہ کہے سبحان اللہ کہے یہ اللہ رب العزت کا شکر ادا کر رہا ہے اور ایک اپنے جسم سے پروردگار کی حکموں کی پابندی

کرے۔ گویا یہ بھی اللہ رب العزت کا شکر ادا کر رہا ہے۔ لسانی شکر بھی ادا کرے اور اپنے جسم سے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے تو یہ گویا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا بندہ ہے۔ اگر اس میں کمی کوتاہی ہو گئی تو پھر اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنی نعمتوں کو واپس لے لیتے ہیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار

رب کریم فرماتے ہیں۔ ''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا'' (ابراہیم ۔۳۴) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار ہی نہیں کرسکتے۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ بتاؤ! تم بارش کی پانی کے قطروں کو گن سکتے ہو تو آپ گن نہیں سکتے۔ کوئی آپ سے پوچھے کہ آسمان کے ستاروں کو گن سکتے ہو تو آپ گن نہیں سکتے۔ کوئی آپ سے کہے ساری دنیا کی ریت کے ذرات کو گن سکتے ہو آپ نہیں گن سکتے۔ کوئی آپ سے کہے ساری دنیا کی درختوں کی پتوں کو گن سکتے ہو آپ نہیں گن سکتے۔ لیکن بارش کے پانی کے قطروں کا گننا ممکن ہے آسمان کے ستاروں کا گننا ممکن ہے ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کا گننا ممکن ہے آسمان کے ستاروں کا گننا ممکن ہے، ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کا گننا ممکن ہے ساری دنیا کی ریت کے ذرات کا گننا ممکن ہے لیکن مولائے کریم کے ہم پر کتنے احسانات ہیں ان احسانات کا گننا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم ۳۴) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار ہی نہیں کرسکتے، میرے پروردگار! جب تیری اتنی نعمتیں ہمارے اوپر ہیں تو ہم تیری کس کس نعمت کا شکر ادا کریں۔

نعمتوں کی ناقدری کا وبال

قرآن پاک کی ایک آیت ہی اس کو ذرا غور سے سنئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً'' اور اللہ مثال بیان فرماتا ہے ایک بستی والوں کی ''كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً'' جس میں امن بھی تھا اور اطمینان بھی تھا۔ دو لفظ استعمال کئے کہ اس بستی والوں کو امن بھی نصیب تھا اور اطمینان بھی تھا۔ امن کا کیا مطلب؟ کہ ان کو باہر کے دشمن کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ اطمینان کا کیا مطلب؟ کہ کوئی اندر کا غم بھی نہیں تھا۔ اطمینان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی زندگی دی تھی کہ ان کے اوپر نہ کوئی غم تھا اور نہ کوئی خوف۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''يَأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ

مَکَانٍ ''ان کو چاروں طرف سے رزق کی بہتات نصیب تھی۔''فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ'' انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی۔ پھر کیا ہوا''فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک ننگ اور خوف کا لباس پہنا دیا۔''بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ'' (النحل۔۱۱۲) کیونکہ وہ کام ہی ایسے کرتے تھے۔

بھوک ننگ اور خوف کا لباس

اگر غور کریں تو ہم میں سے کتنے ایسے ہوں گے جن کو پہلے سب کچھ نصیب تھا۔ بالآخر اللہ نے بھوک ننگ کا لباس پہنا دیا۔ خود آ کے کہتے ہیں کہ حضرت! پتہ نہیں کیا ہو گیا پہلے تو یہ حال تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے وہ سونا بن جاتی تھی اور اب سونے کو ہاتھ لگاتے ہیں تو وہ بھی مٹی ہو جاتا ہے۔ خود کہتے ہیں کہ حضرت! پتہ نہیں ایک خوف سا رہتا ہے کبھی ہم بیمار، کبھی بیٹی بیمار، کبھی بیٹا بیمار، کبھی خاوند بیمار، کبھی بیوی بیمار، کسی نہ کسی کی بوتل ڈاکٹر کی طرف جاتی رہی رہتی ہے۔ ہر وقت خوف سا رہتا ہے کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ یہ باتیں آپ کیوں سن رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ وہ بندہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی۔ آج اللہ تعالیٰ نے اس کو خوف اور افلاس کا لباس پہنا دیا۔ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی آج اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور وہ روتا پھرتا ہے کہ دل خوف سے بھر گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی جائی تو اللہ تعالیٰ بھوک ننگ اور خوف کا لباس پہنا دیتے ہیں۔

شکر کرنے کے طریقے

ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ سناؤ جی کام کیسا ہے؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ بس جی گزارہ ہے۔ حالانکہ یہ وہ آدمی بات کر رہا ہوتا ہے جس کی کئی دکانیں ہیں، کئی مکانات ہیں ہوہ اگر خود کھا پی لیتا ہے، مگر اس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں وافر مال پڑا ہوتا ہے، لاکھوں کی جائیداد کا مالک ہے۔

او خدا کے بندے! تیری زبان کیوں چھوٹی ہوگئی۔ تیری زبان سے کیوں تیرے رب کی تعریفیں ادا نہیں ہوتیں۔ اگر کوئی وزیر تیرے بچے کی نوکری لگوا دے تو جگہ جگہ اس کی تعریفیں کرتا پھرتا ہے کہ فلاں نے میرے بیٹے کی نوکری لگوا دی۔ ارے! اس بندے نے تجھ پر چھوٹا سا احسان

کیا تو اتنا احسان مند ہوتا ہے۔ تیرے پروردگار کے تجھ پر کتنے احسانات ہیں تو اس کے احسانات کی تعریف نہیں کرتا۔ پوچھا بھی جاتا ہے سناؤ کاروبار کیسا ہے؟ او جی بس گزارہ ہے۔ تجھے چاہئے تو یہ تھا کہ یوں کہتا کہ میرے مولا کا کرم ہے۔ میری اوقات اتنی نہیں تھی جتنا رب کریم نے مجھے عطا کر دیا۔ میں تو اس قابل نہ تھا۔ میں پروردگار کا کن الفاظ سے شکر ادا کروں۔ میرے دوستو! ہم اپنے رب کے گن گایا کریں کہا کریں کہ پروردگار نے مجھ پر اتنا کرم کیا کہ یقیناً میں اس قابل نہ تھا میں تو ساری زندگی سجدے میں پڑا رہوں تو بھی اس مالک کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ میں تو ساری زندگی اگر اس کی عبادت میں گزاروں تو پھر بھی حق ادا نہیں کر سکتا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس قسم کا جواب دیں جس سے پروردگار کی عظمتیں ظاہر ہوں اس کی تعریفیں ہوں کہ پروردگار نے ہم پر کتنے احسانات کئے۔ ہمیں اس کے شکر ادا کرنے کا سبق پھر سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ آپ غور کریں گے تو آپ کو اپنے گرد کتنی ہی نعمتیں ایسی نظر آئیں گی کہ آپ خود ہی کہیں گے کہ رب کریم کے مجھ پر کتنے احسانات ہیں۔ میں تو اس کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

عیبوں کی پردہ پوشی

ارے! اور تو اور رب کریم نے ہم پر اتنی نعمتیں کیں کہ آج ہم دنیا کے اندر عزت بھری زندگی گزار رہے ہیں۔ رب کریم نے ہمیں چھپائے رکھا ہے۔ یہ پروردگار کا کتنا بڑا کرم ہے جو ہم عزت والی زندگی گزارتے پھرتے ہیں۔ یہ مولا کی صفت ستاری کا صدقہ ہے۔ اگر پروردگار اپنی ستاری کی چادر ہم پر نہ پھیلاتا، وہ اگر اپنے پردہ رحمت کی چادر ہمارے اوپر نہ ڈال دیتا تو ہمارے عیب لوگوں کے اوپر کھل جاتے اور ہمارے اندر کے جذبات کو اگر مجسم کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جاتا تو ہم ندامت سے چہرہ دکھا نہ سکتے اور سوچئے کہ ہمارے اندر کی کیفیتیں کیا ہیں اور اوپر سے لوگ ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔ یہ جو عزت والی زندگی گزارتے ہیں پھرتے ہیں یہ بھی تو مولا کا کرم ہے کہ پروردگار نے ہمارے عیبوں پر پردہ ڈال دیا اور ہماری اچھی باتوں کو لوگوں کے سامنے پھیلا دیا، آج لوگ تعریفیں کر رہے ہوتے ہیں۔

الحمدللہ کہنے کی عادت

آپ اکثر دیکھیں گے کہ ہم اپنی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے الحمد للہ کا لفظ اکثر نہیں

بولتے۔کوئی آ کے پوچھتا ہے سناؤ جی! کیا حال ہے؟ ہم نے کبھی نہیں کہا الحمد للہ، میری صحت ٹھیک ہے۔الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے خوبصورت گھر دیا۔الحمد للہ، اللہ نے بیٹا دیا۔الحمد للہ، میں نے کھانا کھایا۔ ہماری گفتگو میں الحمد للہ، اللہ کا لفظ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ارے،! پروردگار کو خود فرمانا پڑا ''وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ''(سبا۔۱۳) میرے بندوں میں سے تھوڑے شکر گزار بندے ہیں۔سوچئے تو سہی کہ اس پروردگار کو یہ کہنا پڑا جس پروردگار کی نعمتیں تمام انسانوں پر ہیں۔جو اپنوں کو بھی دیتا ہے اور پرایوں کو بھی دیتا ہے۔وہ جو ایمان والوں کو بھی دیتا ہے اور کافروں کو بھی دیتا ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

لمحہ فکریہ

ایک کتا جس کا مالک خشک ٹکڑا ڈالتا ہے وہ اپنے مالک کا اتنا وفادار بنتا ہے کہ مالک کے گھر کا ساری رات جاگ کر پہرہ دیتا ہے۔مالک کھانا کھا رہا ہوتا ہے تو یہ جوتوں میں بیٹھ کر مالک کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔مالک ہڈی پھینک دے تو خوشی سے کھالیتا ہے۔اگر کچھ نہ پھینکے تو صبر کے ساتھ وہیں وقت گزارتا ہے۔اس کی زبان پر شکوے کے کلمات نہیں آتے۔او بندے! تیرے پروردگار نے تجھے صبح دوپہر، شام کھانے کو عطا کیا۔تو من مرضی کی غذائیں کھاتا ہے پھر کوئی چھوٹی موٹی ناگوار بات پیش آجاتی ہے تو فوراً شکوے کرتا ہے کہ او جی ہم نے تو بڑی دعائیں مانگی ہیں سنتا نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہمارے اندر تکبر اتنا بھر چکا ہے کہ ہم جب کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ ہماری سنتا نہیں تو دوسری الفاظ میں ہم یوں کہہ رہے ہوتے ہیں اے اللہ! ہم نے (PIaning) تو کرلی، پروگرام تو بنا لیا، اب اے اللہ! اس پر عمل درآمد آپ جلدی جلدی کر لیجئے۔ارے وہ پروردگار ہے۔اس پروردگار کو ہم نے معاذ اللہ ملازم کی طرح سمجھا ہوا ہے کہ اب وہ اس پر عمل درآمد کر دے گا۔اس پروردگار کی شان ہے کہ وہ چاہے تو بندوں کی دعاؤں کو قبول کر لے اور اگر وہ نہ چاہے تو اپنے انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کو بھی رد کر دے۔اسے کوئی روکنے والا نہیں، اگر وہ چاہے تو فاسق و فاجر کی دعاؤں کو قبول کر لے، وہ بے نیاز ذات ہے۔

اس کی شان بے نیاز کا اظہار ہوتا ہے بلعم باعور کی ۵۰۰ سال کی عبادت کی باوجود اس کو پھنکار کے رکھ دیتے ہیں اور جب اس کی رحمت کی ہوا چلتی ہے تو فضیل بن عیاض جو ڈاکوؤں کے

سردار تھے، رب کریم اس کو وہاں سے اٹھا کر ولیوں کا سردار بنا کر رکھ دیتے ہیں۔پروردگار بے نیاز ذات ہے ایسا نہ ہو کہ کبھی اس کی بے نیازی کا مظاہرہ ہو پھر تو ہم تگنی کا ناچ ناچتے پھریں گے۔ یاد رکھنا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو پگڑیاں اچھل جاتی ہے دوپٹے اتر جاتے ہیں۔پھر انسان گھر بیٹھے بٹھائے ذلیل ہو جاتا ہے۔بڑی بڑی عزتوں والے لوگوں کو چہرہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔پروردگار ناراض نہ ہو، اگر ناراض ہو جائے تو چلتے پھرتے بھی وہ بندہ مرا پھرتا ہے۔اس کے اندر کا انسان زندہ نہیں ہوتا۔لوگ خود کہتے ہیں کہ اب تو ہم اتنے ذلیل ہو گئے کہ مرے پھرتے ہیں۔ہماری زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔

پروردگار کبھی ناراض نہ ہو، یہ دعائیں مانگا کرو، رب کریم! راضی رہنا ہم پر مہربانی فرماتے رہنا، ہماری ان کوتاہیوں کی وجہ سے کہیں ہم سے ناراض نہ ہو جانا۔جب رب کریم کی رحمت کی نظر ہٹ جاتی ہے تو پھر بندے کی کشتی ہچکولے کھانے لگ جاتی ہے۔پھر تو ایمان کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے۔پھر تو انسان کو اپنی عزت کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے۔ہمیں چاہئے کہ جو نعمتیں اس نے دیں ان کا شکر ادا کریں اور جو ہمارے اوپر نعمتیں نہیں ہیں ہم ان کو اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں۔اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہیں۔ایک وقت آئے گا کہ رب کریم اس دروازے کو کھولے گا اور ہمیں وہ نعمتیں بھی عطا فرمادے گا۔لہٰذا اس سبق کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔جب ہم شکر ادا کرنا سیکھ لیں گے تو اللہ رب العزت اپنی نعمتوں کو اور زیادہ کر دیں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی نعمتوں سے بھی مالا مال فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیں روحانی نعمتوں سے بھی مالا مال فرمائیں گے۔ (از خطبات فقیر)

شکر کی تعلیم

عصر حاضر کے اس مادی دور میں ہر شخص سکون قلبی وراحت جسمانی کا طالب نظر آتا ہے لیکن موجودہ چمک دمک عیش وآرام کی وہ سہولیات جن کا ماضی میں تصور بھی نہ تھا لیکن اس سب کے باوجود اور نعمتوں کی بہتات میں بھی انسان پہلے سے زیادہ پریشان نظر آتا ہے۔

ان پریشانیوں کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہم موجودہ نعمتوں کا شکر بجالانے کی بجائے ان نعمتوں کے حصول میں مگن رہتے ہیں جو اللہ پاک نے اپنی مصلحت وحکمت بالغہ کے تحت ہمیں فی الحال نہیں دیں۔اگر ہم موجودہ نعمتوں کو ہی سوچ لیا کریں تو ہمیں شکر خداوندی

کی وہ عظیم نعمت بھی میسر ہوسکتی ہے۔ جو مزید نعمتوں کے حاصل کرنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ بحکم خداوندی "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" (ابراہیم۔۲) (یعنی اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں تمہیں ضرور مزید نعمتوں سے مالا مال کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتوں میں سے ایک نعمت عقل ہے۔ اگر یہ نعمت نہ رہی تو انسان جانوروں سے بدتر ہو جائے۔ اللہ نے اس عقل میں اتنی وسعت رکھی ہے انسان مختلف علوم کا بہت وسیع ذخیرہ محفوظ کر لیتا ہے۔ یہی عقل و دانش ہے جس کی بنیاد پر سڑکوں پر دوڑتی گاڑیاں ہوا کے دوش پر اڑتے جہاز اور قسم قسم کی عجیب و غریب مصنوعات وجود میں آ رہی ہیں۔ اسی عقل کے اربوں خلیوں میں سے کسی ایک خلیے میں ذرا سا نقص واقع ہو جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اوّل تو گھر ہی میں باندھ دیا جائے گا ورنہ پاگل خانے تو موجود ہیں۔

ذرا غور فرمائیں مال و دولت کی کثرت اور دنیاوی عیش و آرام ناقص عقل کی وجہ سے بے کار بلکہ وبال جان ثابت ہوسکتے ہیں۔ اب بظاہر پورا جسم دیکھنے میں صحیح سلامت ہے۔ لیکن ہڈیوں کے مضبوط خول میں بدن عقل کی ذرا سی خرابی پر پورا "نظام حیات" زیر و زبر ہو کر رہ جاتا ہے تو آپ نے دیکھا کہ "عقل" اللہ پاک کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اسی کی بدولت حافظ بنتا ہے، کوئی عالم بنتا ہے اور کوئی ڈاکٹر و انجینئر۔ غرض دنیا کی یہ سب مناصب و مراتب اسی عقل کی وجہ سے ہیں۔

لہٰذا اس عظیم نعمت کا شکر یہ ہے کہ ہم اس کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ پاک کی قدرت اور نعمتوں پر غور کریں اور سوچیں کہ یہ عظیم و حسین کائنات کیا اللہ پاک نے بیکار پیدا فرما دی؟

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً.

"ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے کار نہیں پیدا فرمایا۔"

اسی طرح اگر ہم اپنے وجود اور اطراف کے ماحول پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ عقل جیسی نعمت دوسری بے شمار نعمتوں کی طرف بھی متوجہ کرسکتی ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ اللہ پاک کی ان قیمتی نعمتوں کی قدر کرے اور حقیقت میں ان کی قدر یہی ہے کہ ان نعمتوں کو عطا کرنے والی ذات یعنی اللہ پاک کی اطاعت میں صرف کیا جائے۔

خدا کا شکر ہے بیشک بڑی تقدیر رکھتے ہیں
جو ہے ہر طرح کامل ہم ایسا پیر رکھتے ہیں

تصور کے مزے فضل خدا سے ہم کو حاصل ہیں
کہ آنکھوں میں کبھی دل میں تری تصویر رکھتے ہیں
میں صدقہ اس خلش کے اور میں اس درد کی قرباں
جگر میں دل میں جو تیری نظر کے تیر رکھتے ہیں
فلک گردش میں رہتا ہے زمین چکر میں رہتی ہے
اثر اتنا تو میرے نالہ شب گیر رکھتے ہیں
تمہیں پا کے تمہارے چاہنے والے نہ کیوں خوش ہوں
جو آئے کام دو عالم میں وہ جاگیر رکھتے ہیں
پھر ہمیں دین و دنیا کی مسرت کیوں نہ حاصل ہو
عنایت کی نظر ہم پر ہمارے پیر رکھتے ہیں
کھنچا آتا ہے اُف ان کی طرف کو اب تو اک عالم
قیامت کی کشش وہ جذب عالم گیر رکھتے ہیں
تصور کے مزے کیا پوچھتے ہو آپ اب ہم سے
کلیجہ سے لگا کر آپ کی تصویر رکھتے ہیں
تعجب کیا اثر ان کا جو ہے سارے زمانے پر
وہ خود بھی تو بڑے ہیں جو بڑی تاثیر رکھتے ہیں
محبت جس نے کی تم سے خدا کو پالیا اس نے
تمہارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

(کشکول مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

مثالی صبر و شکر

حضرت عبداللہ جہادی مہم کے سلسلے میں مصر کے ایک ساحلی علاقے میں مقیم تھا۔ ٹہلتا ہوا ایک بار ساحل سمندر پر جا نکلا وہاں دیکھا کہ خیمہ میں ہاتھ پاؤں سے معذور اور آنکھوں کی بینائی سے محروم ایک شخص پڑا ہوا ہے۔ اس کے جسم میں صرف اس کی زبان سلامت ہے۔ ایک طرف اس کی یہ حالت ہے اور دوسری طرف وہ با آواز بلند کہہ رہا ہے۔

"میرے رب! مجھے اپنی نعمتوں پر شکر کی توفیق عطا فرما، مجھے تو نے اپنی مخلوق میں بہت سوں پر فضیلت اور فوقیت بخشی ہے۔ اس فوقیت پر مجھے حمد وثناء کی توفیق عطا فرما۔"

عبداللہ نے یہ دعا سنی تو اسے بڑی حیرت ہوئی کہ ایک آدمی اپنے ہاتھ پاؤں سے معذور ہے۔ بینائی سے محروم ہے۔ جس میں زندگی کی تازگی کا کوئی اثر نہیں اور وہ اللہ سے نعمتوں پر شکر کی دعا مانگ رہا ہے۔ انہوں نے اس کے پاس آ کر سلام کیا اور پوچھا۔

"حضرت! آپ اللہ تعالیٰ کی کس نعمت اور فوقیت پر شکر اور حمد وثناء کی توفیق کے خواستگار ہیں؟" معذور شخص نے جواب میں فرمایا، اور خوب فرمایا۔

"آپ کو کیا معلوم میرے رب کا میرے ساتھ کیا معاملہ ہے بخدا اگر وہ آسمان سے آگ برسا کر مجھے راکھ کر دے، پہاڑوں کو حکم دے کہ مجھے کچل دے، سمندروں کو مجھے غرق کرنے کے لئے کہہ دے اور زمین کو مجھے نگلنے کا حکم دے تو میں کیا کر سکتا ہوں، میرے ناتواں جسم میں زبان کی بے بہا نعمت کو تو دیکھئے کہ یہ سالم ہے۔ کیا صرف اس ایک زبان کی نعمت میں زندگی بھر شکر ادا کر سکتا ہوں؟" پھر فرمانے لگے۔ "میرا چھوٹا بیٹا میری خدمت کرتا ہے۔ خود میں معذور ہوں۔ زندگی کی ضروریات اسی کے سہارے پوری ہوتی ہیں لیکن وہ تین دن سے غائب ہے معلوم نہیں کہ کہاں ہے؟ آپ اس کا پتہ کر لیں تو مہربانی ہوگی۔"

ایسے صابر وشاکر اور محتاج انسان کی خدمت سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہو سکتی ہے؟ عبداللہ نے بیابان میں اس کی تلاش شروع کی تو یہ دردناک منظر دیکھا کہ مٹی کے دو تودوں کے درمیان ایک لڑکے کی لاش پڑی ہوئی ہے جسے جگہ جگہ سے درندوں اور پرندوں نے نوچ رکھا ہے۔ یہ اسی معذور شخص کے بیٹے کی لاش تھی۔ اس معصوم کی لاش اس طرح بے گور وکفن دیکھ کر عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس کے معذور والد کو اس المناک حادثہ کی اطلاع کیسے دے؟ ان کے پاس گئے اور ایک لمبی تمہید کے بعد انہیں اطلاع کر دی۔ بیٹے کی وحشت ناک موت سے کون ہوگا جس کا جگر پارہ پارہ نہ ہو لیکن۔

جائز نہیں اندیشہ جان عشق میں اے دل!
ہشیار! کہ یہ مسلکِ تسلیم و رضا ہے

خبر سن کر معذور والد کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے، دل پر غموں کے بادل چھا گئیں تو

آنکھوں سے اشکوں کی برسات شروع ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کہ غم کا غبار اشکوں میں ڈھل کر نکل جاتا ہے۔ شکوہ وشکایت کی بجائے فرمانے لگے۔

"حمد وستائش اس ذات کے لئے جس نے میری اولاد کو اپنا نافرمان نہیں پیدا کیا اور اسے جہنم کا ایندھن بننے سے بچایا۔" "انا للہ......" پڑھا اور ایک چیخ کے ساتھ سعید روح نے فانی جہان سے آزادی حاصل کر لی۔

ان کی اس طرح اچانک موت پر عبداللہ کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کچھ لوگ اس طرف نکلے رونے کی آواز سنی خیمے میں داخل ہوئے۔ میت کے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو اس سے لپٹ گئے کوئی ہاتھ چومتا کوئی آنکھوں کو بوسہ دیتا۔ ساتھ ساتھ کہتے جاتے۔

"ہم قربان ان آنکھوں پر جنہوں نے کبھی کسی غیر محرم کو نہیں دیکھا ہم فدا اس جسم پر جو لوگوں کے آرام کے وقت بھی اپنے مالک کے سامنے سجدہ ریز رہتا، جس نے اپنے رب کی کبھی نافرمانی نہیں کی۔"

عبداللہ یہ صورتحال دیکھ کر حیران ہو رہا تھا؟ یہ کون ہیں ان کا کیا تعارف ہے۔" کہنے لگے" آپ ان کو نہیں جانتے؟ یہ رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد، مشہور محدث حضرت ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔"

حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ کے نام سے واقف ہے۔ صبر واستقامت کے پیکر اور تسلیم ورضا کے بلند مقام کے حامل حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ کی تجہیز وتکفین اور نماز وتدفین سے فارغ ہونے کے بعد عبداللہ رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ آپ جنت کے باغات میں سیر وتفریح کر رہے ہیں۔ جنت میں لباس زیب تن ہے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے ہیں۔

سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد۔۲۴)

"صبر کرنے کے سبب تم پر سلامتی ہو اور آخرت کا گھر بہترین ٹھکانہ ہے۔"

"جی ہاں میں وہی شخص ہوں اللہ جل شانہ کے ہاں چند بلند مراتب اور درجات ایسے ہیں جن تک رسائی مصیبت میں صبر راحت میں شکر اور جلوت وخلوت میں خوف خدا کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی صبر وشکر کی بدولت مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔" (کتاب الثقات)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی گنتی نہیں کی جاسکتی زندگی کی جس جہت میں دیکھئے نعمتوں کے گلستان کے گلستان لہلہار ہے ہیں انسانی زندگی اگرچہ غم اور حسرت کی دھوپ چھاؤں سے عبارت ہے لیکن درحقیقت وجود غم بھی احساس مسرت کے لئے ہے۔ الم کی چاشنی سے زندگی میں حسن آتا ہے۔ اہل اللہ اور اہل وفا کو غم میں بھی راحت حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ اہل ہوس کی ساری زندگی راحت کے غم میں ختم ہوجاتی ہے۔ ناشکروں کا المیہ یہ ہے کہ ان کی نظر ہمیشہ زندگی کی تلخیوں پر رہتی ہے۔ زندگی کی ہزار نعمتوں اور رحمتوں کی چھاؤں میں انہیں کچھ تلخیوں کی تپش محسوس ہو تو اسی کا رونا رونے لگتے ہیں۔ ایسے لوگ زندگی کی حقیقی خوشیوں سے محروم ہیں۔ وہ ہر سو پھیلی ہوئی نعمتوں کی بہار میں یہ بھی کہتے ہیں کہ:

تمام غنچہ و گل داغ دل بنے کیفی
خزاں نصیب بہاروں سے کیا لیا میں نے

لیکن ایک حقیقی مرد مومن کی شان اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ مصائب راہ منزل میں آتے اور حوادث راستے میں دم پھیلاتے ہی ہیں۔ لیکن اس بناء پر نعمتوں سے اس کی نظر اوجھل نہیں رہتی۔ ہزار راحتوں کے جلو میں چند ایک تکالیف کی چبھن کی وجہ سے وہ صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

شکر سے متعلق ارشادات

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس سرہ

ناشکری کا نتیجہ:

فرمایا...... جب انسان احسانات وانعامات الہیہ سے منحرف ہوجاتا ہے تو یہ امر اس کی ہلاکت روحانی و ایمانی کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام ظاہری و باطنی نعمتوں کو وہ اپنی ہوس رانی اور نفسانی خواہش کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ یعنی ان راستوں کا غیر صحیح و غیر فطری استعمال کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے بد اثرات مرتب ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور آخرکار یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ قلبی استعداد و صلاحیت اور قابلیت صحیحہ مسخ ہوجاتی ہے اور فسق و فجور اور کفر

کے اثرات راسخ ہوجاتے ہیں۔ پھر کوئی استحضار یا احساس ظاہری و باطنی نعمتوں کا باقی نہیں رہتا جب نعمتوں کا احساس و استحضاری فطرت سے مفقود ہوجاتا ہے تو اب محسن و منعم حقیقی کا تخیل و تصور ہی باقی نہیں رہتا اسی کا نام الحاد ہے۔

فرمایا...... تم کو ساری زندگی کا نچوڑ اور کیمیا بتاتا ہوں کہ جہاں تک ہوسکے بزرگوں کی دعائیں لو، عمر رسیدہ حضرات کا ادب کرو اور ہر نعمت موجودہ پر شکر ادا کرو۔

شکر کی حقیقت:

فرمایا...... شکر کی حقیقت یہ ہے کہ جو حالت طبیعت کے موافق ہو، خواہ وہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو، اس حالت کو دل سے خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زیادہ سمجھنا اور زبان سے خدا اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا (جوارح سے) گناہوں میں استعمال نہ کرنا شکر ہے۔

ناشکری مذموم کی حد:

فرمایا...... ناشکری جو مذموم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناشی ہے۔ منعم کی بے تعلقی سے اور جو چیز منعم کے غایت تعلق سے ناشی ہو، وہ محمود ہے۔ مثلاً چوری ہوگئی اور اس کے سوچنے سے افسوس اگر نہ ہو تو اس کی ناشکری نہ کہیں گے، کیونکہ یہ عدم تاسف ناشی ہے۔ حق تعالیٰ کے غایت تعلق سے اس کو پیش نظر ہے کہ کوئی کام حق تعالیٰ کے بدون مشیت تو ہوتا نہیں اور جو مشیت سے ہوتا ہے وہ سب خیر ہی ہے اس لئے تاسف کی ضرورت نہیں۔

اعمال صالحہ کو اللہ کی عطا سمجھو اور قدر کرو:

فرمایا...... عطائے حق ہونے کی وجہ سے یہ نماز روزہ جس درجہ میں بھی ہے قابل قدر ہے لیکن اپنا کچھ کمال نہ سمجھے، جیسے ایک چمار کو بادشاہ موتی دے تو وہ اپنے کو چمار ہی سمجھے گا مگر اس کے ساتھ ہی موتی کو موتی سمجھے گا۔ پس شکر کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کو چمار و نا قابل ہی سمجھو، مگر اعمال صالحہ کو عطائے حق ہونے کی وجہ سے قابل قدر سمجھو اور نعمت حق کی بے قدری نہ کرو۔

(از [illegible])

باب چہارم

سکون قلب کے لئے اعمال صالحہ

دل کیوں نہیں لگتا طاعتوں میں
اس فکر کے پاس بھی نہ جانا
دل لگنا کہاں ہے فرض تجھ پر
تیرا تو فرض ہے دل لگانا

سکون نہیں عمل مطلوب ہے

''سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی باطنی بھی ظاہری تو معلوم ہے باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہے مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا۔ سکون و دل جمعی اختیار میں نہیں اس لئے وہ مطلوب نہ ہوگا۔''

اتباع سنت:

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ دنیا و آخرت کی جملہ کامیابیوں کا مدار اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق بجالانے میں ہے اور حضور علیہ السلام کا اسوہ حسنہ جو تا قیامت قابل عمل ہے اسی کو سنت بھی کہا جاسکتا ہے۔ سنت کی اہمیت کا کوئی بھی مسلمان منکر نہیں۔

سکون قلب کے لئے اتباع سنت کو وہی اہمیت حاصل ہے جو جسم انسانی میں ریڑھ کی ہڈی کو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین حضرات صوفیاء سے لے کر موجودہ دور کے اہل اللہ بھی جس نکتہ پر زیادہ محنت کرواتے ہیں وہ یہی ہے کہ سالک کی پوری زندگی سنت کے حسین لباس سے مزین ہوجائے۔ اس لئے اتباع سنت کا ذوق وشوق بڑھانے کے لئے اپنے اکابر بزرگان و مشائخ کے اتباع سنت کی اہمیت سے متعلق صرف چند ملفوظات پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ ہر مسلمان ذوق وشوق کے ساتھ اس مبارک چیز کو حرز جان بنانے کی کوشش کرے اور اپنی دنیا و آخرت کو پرسکون اور خوشگوار بنائے۔

اتباع سنت ونقد انعام:

تبلیغی جماعت کے ایک نوجوان نے یہ واقعہ سنایا کہ لاہور سے ایک بارات کراچی گئی ابھی نکاح مسنون منعقد نہ ہوا تھا کسی طرح ہونے والی دلہن کی نظر دلہا پر پڑھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ دولہا میاں تو داڑھی والا ہے دلہن کو شدید دھچکا لگا، اس نے اپنی والدہ وغیرہ سے بات کی۔ چنانچہ دلہن والوں نے دولہا کے والد پر زور ڈالا کہ یہ شادی اسی صورت میں منعقد ہوگی جب دولہا اپنی داڑھی صاف کرلے۔ دولہا کے والد نے دلہا سے بات کی اس نے صاف انکار کردیا۔ اس کے والد نے بالآخر دولہا سے کہا کہ ''طرفین کی عزت'' کا معاملہ ہے فی الحال داڑھی صاف کرالو، نکاح کے بعد بے شک رکھ لینا۔ دولہا نے پھر انکار کردیا، لیکن اس کا باپ اس کے پیچھے ہی پڑ گیا۔ تنگ آکر دولہا نے کہا کہ اچھا میں حجام کے پاس جا کر اس معاملہ میں ''کوشش'' کرتا ہوں۔

چنانچہ وہ شادی کی تقریب سے غائب ہوگیا، اور سیدھا کراچی ریلوے اسٹیشن گیا اور لاہور کا ٹکٹ لے کر کراچی سے روانہ ہوگیا۔ وہ لاہور پہنچ کر پریشان پھرتا رہا کہ کرے تو کیا کرے۔ سوچنے لگا کہ اگر گھر گیا تو دلہن کے بغیر گھر جانے پر گھر والے درگت بناتے رہا کریں گے۔ چنانچہ وہ ایک مسجد میں قیام پذیر ہوگیا۔ رات کو خواب میں ایک نیک دل سیٹھ صاحب کو حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے خواب میں سیٹھ صاحب سے فرمایا کہ لاہور کی فلاں مسجد میں ہمارا ایک مہمان نوجوان ٹھہرا ہوا ہے اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کردیا جائے۔ سیٹھ صاحب کے لئے اس سے بڑی سعادت بھلا کیا ہوسکتی تھی۔ صبح اٹھ کر وہ اس مسجد میں گئے نوجوان کو تلاش کیا لیکن مطلوبہ نوجوان ان کو نہ ملا۔ تلاش بسیار کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ لپٹی ہوئی صف میں کوئی شخص چھپا ہوا ہے۔ سردیوں کے دن تھے وہ نوجوان سردی سے بچنے کے لئے صف کے اندر گھسا ہوا تھا۔ سیٹھ صاحب اس نوجوان کو اپنے گھر لے آئے۔ اس کو غسل کرایا کپڑے پہنائے اور اپنا خواب سنایا۔ تھوڑی دیر بعد سیٹھ صاحب نے اپنی بیٹی کا نکاح اس نوجوان سے منعقد کرایا اور تحفے میں کوٹھی کار اور دیگر جائیداد بھی دی۔ وہ نوجوان اپنی دلہن کو لے کر اپنے گھر آگیا۔

ادھر کراچی شادی کی تقریب میں دولہا کی گمشدگی کی خبر پھیل گئی۔ لڑکی والوں کی بڑی سبکی ہوئی اور لڑکے والے بھی ''بے نیل ومراد'' واپس لاہور سدھارے۔ انہوں نے دیکھا کہ دلہن تو وہاں پہلے موجود ہے۔ بڑے حیران ہوئے۔ نوجوان نے ان کو سارا واقعہ سنایا۔ یہ واقعہ سن کر کئی مردوں پر

دے رہے ہیں اور فرمار ہے ہیں کہ دیکھو یہ چھوٹے چھوٹے لفظ ہیں جلدی جلدی کہہ لیا کرو کیا ہے کو یہ الفاظ ہیں؟ فرمایا تمہاری وجہ سے محبوب ہیں تم پر رحم کرنا اپنا بنانا اور اپنی رحمت کا (تم کو) مورد بنانا مقصود ہے۔ یہ پڑھو گے تو ہماری محبت کے مورد بن جاؤ گے۔ بھائی! جو چیز اللہ کو محبوب ہوں اس کو جلدی اپنانا چاہئے تو یہ کلمات آپ سب پڑھا کریں۔ یا اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما اپنے نبی ﷺ کی ایک ایک ادا کی توفیق مرحمت فرمایا اللہ! ہم آپ کی محبت سے محروم نہ رہیں۔ ہم آپ کے بندے ہیں حضور ﷺ کی اتباع سے محروم نہ رہیں۔ ہم آپ کے بندے ہیں ہمیں محروم نہ فرمایئے گا۔ یا اللہ ہماری قسمت بدل دیجئے ہماری صلاحیتیں بدل دیجئے اور اپنی خاص توفیق سے اتباع سنت عطا فرما۔ (ملفوظ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ)

فطری تقاضوں میں بھی اتباع سنت مقصود ہے:

فرمایا...... اللہ تعالیٰ کے لئے فطری محبتوں کو اجاگر کرو تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جائے گی۔ جیسے ہمیں ماں باپ سے اور رشتہ داروں سے محبت ہے۔ یہ اس لئے ہونی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کو بھی اپنے والدین عزیز و اقرباء سے محبت تھی۔ آپ نے فرمایا دیکھو مجھے اپنی ازواج سے محبت ہے۔ مجھے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت ہے عالم امکان میں، میں نے ان سے زیادہ کسی سے عقلی محبت نہیں کی۔ اسی طرح مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت ہے میں نے اللہ میاں سے کہہ رکھا ہے کہ میں اس میں معذور ہوں۔

آپ نے فرمایا دیکھو میں اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کتنی محبت کرتا ہوں جب وہ آتی ہیں فرط محبت سے کھڑا ہو جاتا ہوں اسی طرح نواسے حسنین کریمین رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا ہوں جب وہ آتے ہیں فوراً گود میں لے لیتا ہوں خطبہ کے دوران بھی اگر آ جائیں تو فرط محبت سے اس وقت بھی گود ہی میں لے لیتا ہوں۔ اسی طرح میں اپنے اعزہ و اقربا سے بھی محبت کرتا ہوں ان سب باتوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تم بھی اپنے بچوں اور رشتہ داروں سے محبت کرو اور اس میں نیت میری پیروی کی کرو اگر تم نے اپنے بچوں سے پیار کیا تو اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے جذبہ کا تم نے صحیح استعمال کیا اور برمحل محبت کی تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور وہ ہم سے راضی ہو جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں حضور ﷺ نے محبت کا اظہار کیا ہے ان اعمال میں محبت کا اظہار کرتے جاؤ۔ انشاء اللہ یہ محبت ترقی کرتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ کا مقرب بنادے گی۔

فرمایا...... زندگی میں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ حضور ﷺ کو کون سی چیزیں محبوب تھیں اور کون کون سے غذائیں پسند تھیں؟ پھر تم بھی انہیں اختیار کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا غذا میں مجھے مثلاً لوکی پسند ہے۔ ثرید پسند ہے شہد پسند ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو تم بھی اختیار کرو کھانے کی چیزیں تو ضرور کھائی جاتی ہیں اور ان سے لذت بھی اٹھائی جاتی ہے لیکن تم اس نیت سے کھاؤ کہ حضور ﷺ نے ان کو کھایا تھا۔ اس طرح ان شاء اللہ محبت بڑھے گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کے وقت تمام اداؤں میں مجھے دوزانو ہو کر بیٹھنے کی ادا زیادہ محبوب ہے اور میں دوزانو ہو کر کھانا کھاتا ہوں مجھے کپڑوں میں سفید کپڑا بہت پسند ہے لہٰذا تم بھی میری پسند کو اختیار کرو۔

بلانیت بھی اتباع سنت میں ثواب ملے گا:

فرمایا...... محض اتباع سنت کی نیت کرلو اور کوئی مقصود پیش نظر نہ رکھو، انشاء اللہ تمام مقاصد جتنے بھی ہیں سب خود بخود حاصل ہوں گے۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہر ادا کو محفوظ فرمالیا ہے۔ اگر کوئی بے خیالی میں بھی اتباع کرلے گا تو بھی اسے ثواب ملے گا۔ مثال کے طور پر اپنے عزیز دوستوں میں ایک مریض ہے۔ ہم بے تکلفانہ اس کو پوچھنے چلے گئے نہ سنت کی نیت کی اور نہ اتباع کی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیونکہ عمل اتباع کے مطابق ہو گیا چاہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو ثواب ملے گا۔

اتباع سنت ہر شخص کر سکتا ہے

فرمایا...... اہل ایمان کے لئے کامیابی حضور اقدس ﷺ کے آستانے پر آنے میں ہے یہ آستانہ ایسا ہے یہاں نہ نفس آ سکتا ہے نہ شیطان امت محمدیہ کے لئے محفوظ راستہ یہی ہے اس لئے فرمایا گیا اگر تم نفس و شیطان سے بچنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اتباع سنت کیا ہے؟ صبح سے شام تک کی زندگی کو دیکھو اس کا کوئی حصہ آپ ﷺ کی اتباع کے خلاف تو نہیں؟ آپ کی زندگی کی پیروی اور اتباع عالمگیر جیسا بادشاہ بھی کرسکتا ہے اور فٹ پاتھ پر سونے والا فقیر بھی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ چٹائی پر آرام فرمار ہے تھے۔ آپ اٹھ کر بیٹھ گئے جب کہ چٹائی کے اثر کی وجہ سے نشان آپ کے بدن پر ابھرے

جو شیخ سنت پر نہ ہو وہ شیخ ہی نہیں:

فرمایا...... ایک مجلس جس میں مخصوص لوگ تھے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمیں ساری عمر میں تجربہ ہوا ہے کہ شیخ سے محبت ہی رہبر ورہنما ہے یہ اس طریق کا محفوظ طریقہ ہے اسی سے سارے عقدے حل ہوتے ہیں۔ اس پر ایک عالم نے عرض کیا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس طریق میں صرف دو چیزیں ہیں محبت شیخ اور اتباع سنت رسول۔ ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بے ساختہ فرمایا "ہم اس کو اپنا شیخ ہی نہ بنائیں گے جو متبع سنت نہ ہو" اب ایک ہی چیز صرف محبت ہی محبت رہ جاتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع شریعت:

فرمایا...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ علیہ السلام گھر تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے تشریف لاتے۔ کون مسکراتا ہوا آ رہا ہے؟ جس پر یہود ومنافقین کی زد بھی ہے، مشرکین برسرپیکار بھی ہیں، وحی کا بار امانت بھی ہے اور پھر اس بار امانت کو دوسروں تک پہنچانا بھی ہے اور اس کے علاوہ کتنے کثیر امور ہیں جو آپ ﷺ کے ذمہ ہیں۔

فرمایا...... ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو شریعت کے مطابق خوب ڈھالا تھا ہمارے حضرت کی دو بیویاں تھیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ عصر کے بعد دونوں گھروں میں پندرہ پندرہ منٹ کے لئے تشریف لے جاتے۔ گھڑی دیکھ لیتے اور اندازہ لگا لیتے تھے کہ خانقاہ سے گھر تک کتنا وقت لگے گا اور وہاں سے دوسرے گھر پھر وہاں سے خانقاہ تک پھر مغرب تک یہ سب اوقات متعین تھے اب چونکہ عورتوں کو عادت ہوتی ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ایک بات یاد آ گئی ایک کچھ یاد آ گیا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے لئے دو منٹ چھوڑتے تھے جب تیرہ منٹ ہو جاتے تھے تو آپ کہتے کہ اب میں جاؤں گا اگر گھر سے کچھ کہنا ہوتا تو دو منٹ میں بات ختم ہو جاتی اور اگر وہ کہتیں کہ کچھ نہیں کہنا تو فرماتے کہ میں ٹہلتا ہوں پھر آپ دوسرے گھر تشریف لے جاتے اور اس طرح ۱۳ منٹ اور دو منٹ کا سلسلہ وہاں بھی ہوتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ہمیشہ سے یہ عادت ڈالی ہوئی ہے کہ جب ایک گھر سے باہر قدم رکھا تو گھر کی طرف سے تمام کہی ہوئی باتیں بھلا دیتا ہوں اور ذہن خالی کر لیتا ہوں اور جب دوسرے گھر جاتا ہوں تو مجھے یاد ہی نہیں رہتا کہ پہلے گھر میں کیا کیا باتیں ہوئیں۔ کسی قسم کا تاثر لے کر نہیں جاتا۔

فرمایا...... تاثر استغفار اور ذکر اللہ سے مٹ جاتا ہے۔ فرمایا جب میں دوسرے گھر جاتا ہوں تو فوراً ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتا ہوں اور ذکر اللہ اسی نیت سے کرتا ہوں اس طرح سے یہ تاثر والی کیفیت خود بخود جاتی رہتی ہے۔

خلاف سنت میں برکت نہیں:

فرمایا...... شادی اور غم کی تقریبات میں جہاں ہر طرح کی بدعات اور خلاف شرع باتیں ہوتی ہیں جہاں تک ممکن ہو سکے ان میں شرکت سے اجتناب کیا جائے اور خود اپنے یہاں سختی سے شرع پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ خلاف سنت امور میں کبھی برکت نہیں ہوتی بلکہ بیشتر دنیاوی نقصان کے علاوہ مواخذہ آخرت کا باعث ہوتے ہیں۔

آپ کے طریقے پر چلنے والا کامیاب ہے:

فرمایا...... سمندر میں زبردست طوفان برپا ہے طلاطم ہے تھپیڑے لگ رہے ہیں۔ بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں۔ ایک صاحب جہاز میں بیٹھے ہوئے انتہائی خوفزدہ ہیں وہ سمجھ رہے ہیں کہ اب یہ جہاز ڈوب کر رہے گا اور ہم نہیں بچ سکتے اسی حالت میں وہ لرزاں وترساں کیپٹن کے کمرے میں پہنچ گیا، کیا دیکھتا ہے کہ کیپٹن صاحب نہایت آرام سے بستر پر لیٹے ہوئے اخبار پڑھ رہے ہیں۔ اس شخص نے جاتے ہی کہا کہ صاحب! آپ غضب کر رہے ہیں جہاز طلاطم اور طوفان میں پھنسا ہوا ہے۔ ڈوبنے کا شدید خطرہ ہے اور آپ اپنے کمرے میں آرام سے لیٹے ہوئے ہیں۔ کیپٹن نے آرام سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ تم نووارد معلوم ہوتے ہو، معلوم ہوتا ہے تم نے پہلے کبھی بحری جہاز کا سفر نہیں کیا ہم روز اسی طرح سفر کرتے ہیں روزانہ یہ سمندر اور یہی طلاطم ہوتا ہے یہی امواج اور تاریک راتیں ہوتی ہیں ہمارا کمپریسر ٹھیک کام کر رہا ہے ہمارے جہاز کا بوائلر پوری قوت کے ساتھ کام انجام دے رہا ہے آپ فکر نہ کریں ہم صبح سات بجے اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ تم جاؤ اور اطمینان سے لیٹ جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس مومن کا رخ قبلے کی طرف ہو اس کا تعلق گنبد خضراء والے سے ہے اور آپ کے طریقے پر چلنے والا ہے اس کو کیا پرواہ اور کیا ڈر وہ جہاز جس کی چلانے والے محمد ﷺ ہوں وہ کبھی نہیں ڈوب سکتا چاہے جتنی موجیں آئیں اور شب تاریک کیوں نہ ہو۔

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتیباں!
چہ باک از موج بحرآں را کہ باشد نوح کشتیباں

''اس امت کو کیا غم ہے جو آپ جیسا سہارا رکھتی ہو اور سمندر کی موجوں سے کشتی کو کیا ڈر جس کا ملاح اور محافظ نوح علیہ السلام جیسا ہو (ناقل) جب حضور سرور کائنات ﷺ اس امت کے پشتیباں ہیں تو پھر اس کو کیا ڈر ہے؟ اب کشتی ڈوب نہیں سکتی۔ انشاء اللہ۔

فرمایا...... روحانی کشف وکرامات حاصل ہوتے ہیں اتباع سنت سے صرف اتباع سنت ہی ایسی چیز ہے کہ انسانی روحانی طور پر صاحب کرامت ہو جاتا ہے کیونکہ ان اعمال میں اتنی کشش وجاذبیت ہے جو عند اللہ مقبول ہے۔

اتباع شریعت وسنت:

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اپنے شیخ حضرت عارفی کے اتباع سنت واہتمام دینداری کے بارے میں فرماتے ہیں۔

جب احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی وفات ہوئی تو حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کئی روز تک ہم لوگوں کی تسلی کے لئے دار العلوم تشریف لاتے رہے، ایک دن چہرے پر تعب اور نقاہت کے آثار نمایاں تھے...... برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے احقر سے کہا کہ ''حضرت کے لئے گھر سے خمیرہ لے آؤ'' احقر نے خمیرہ لے جا کر حضرت کو پیش کیا تو ہاتھ میں لے کر فرمایا ''کیا یہ خمیرہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا؟'' احقر نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ ''اس میں تو تمام ورثا کا حق ہے تنہا آپ کے لیے کسی کو اس کا ہبہ کرنا جائز نہیں''۔ جب احقر نے اطمینان دلایا کہ ''الحمد للہ...... تمام ورثا بالغ ہیں اور سب یہیں موجود ہیں جن کی عین خوشی یہ ہے کہ حضرت والا استعمال فرمالیں'' تو حضرت نے اسے نوش فرمایا۔

اب یہ وہ مسئلہ ہے جس کی طرف عمل کے وقت آج کل اچھے اچھے علماء اور مفتیوں کی نگاہ بھی کم ہی جاتی ہے...... لیکن چونکہ شریعت پر عمل طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ اس لئے عملی ضرورت کے تمام احکام صرف علم میں نہیں...... بلکہ عمل میں ہر وقت مستحضر رہتے تھے۔

اتباع سنت کا خاص ذوق تھا...... اور ہر کام میں اس بات کی جستجو رہتی تھی کہ اس میں سنت کا

طریقہ معلوم ہو...... اس جستجو کے نتیجے میں آپ نے اسوہ رسول اکرم ﷺ کے نام سے وہ کتاب تالیف فرمائی جو زندگی کے ہر شعبے میں آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے اور جو اردو کے علاوہ فارسی انگریزی سندھی، پشتو اور نہ جانے کتنی زبانوں میں شاید لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے عجیب قبول عام عطا فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت والا مغرب سے پہلے اپنے مکان سے دار العلوم نانک واڑہ میں مجلس منتظمہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے احقر اور برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم بھی ساتھ تھے۔ اجلاس مغرب کے متصل بعد ہوتا تھا۔ مغرب کا وقت راستے ہی میں ہوگیا اور راستے کی ایک مسجد میں اتر کر مغرب کی نماز پڑھی۔ چونکہ نانک واڑہ پہنچنے کی جلدی تھی اس لئے سنت مؤکدہ پر اکتفا فرمایا...... اور صلوۃ الاوابین پڑھے بغیر روانہ ہو کر نانک واڑہ پہنچ گئے۔ مجلس کے اختتام پر وہیں عشاء کی نماز پڑھی...... نماز کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائے اور گاڑی میں بیٹھنے لگے تو احقر سے پوچھا کہ ''تقی میاں! آج اوابین کا کیا ہوا؟ احقر نے عرض کیا کہ ''حضرت! آج تو جلدی کی وجہ سے وہ رہ گئیں۔ فرمایا کہ کیوں رہ گئیں؟ اس وقت نہ پڑھ سکے تھے تو عشاء کے بعد پڑھ لیتے...... پھر فرمایا کہ اگرچہ فقہی طور پر نوافل کی قضاء نہیں ہے لیکن ایک سالک کو ایسے موقع پر تلافی کی طور پر جب موقع ملے معمول کی نوافل ضرور پڑھ لینی چاہئیں۔ خواہ ان کا اصلی وقت گزر گیا ہو۔ آج مجھ سے بھی اپنے وقت میں اوابین ادا نہیں ہوسکی تھیں لیکن الحمد للہ میں نے عشاء کے بعد عشاء کے توابع کے ساتھ چھ رکعات مزید بطور تلافی ادا کیں اور معمولاً ایسا ہی کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ تم نے حدیث میں پڑھا ہوگا کہ اگر کوئی شخص کھانے کے آغاز میں ''بسم اللہ'' پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران بھی جب یاد آئے تو ''بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ'' پڑھ لینا چاہئے بس اسی پر دوسری نوافل کو بھی قیاس کرلو۔

معاملات کی صفائی

انسانی معاشرہ میں افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا ناگزیر ہے ہر انسان اپنی ضرورت کے تحت دوسرے انسان کا معاون اور شریک کار ہے۔ اسی معاشرتی پہلو میں سکون قلب کے لئے باہمی معاملات کی صفائی کیا اہمیت رکھتی ہے؟ اور شریعت مطہرہ نے ہمیں اس سلسلہ میں کیا ہدایت سے نوازا ہے؟ ملاحظہ فرمائیے۔

معاملات کی صفائی دین کا ایک اہم باب ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ دین کا جتنا اہم باب ہے ہم لوگوں نے اتنا ہی اس کو اپنی زندگی سے خارج کر رکھا ہے۔ ہم نے دین کو صرف چند عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرہ، وظائف اور اوراد میں منحصر کر لیا ہے۔ لیکن روپے پیسے کے لین دین کا جو باب ہے اس کو ہم نے بالکل آزاد چھوڑا ہوا ہے۔ گویا کہ دین سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ حالانکہ اسلامی شریعت کے احکام کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ عبادات سے متعلق جو احکام ہیں وہ ایک چوتھائی ہیں اور تین چوتھائی احکام معاملات اور معاشرت سے متعلق ہیں۔

تین چوتھائی دین معاملات میں ہے:

فقہ کی ایک مشہور کتاب ہے جو ہمارے تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور اس کتاب کو پڑھ کر لوگ عالم بنتے ہیں۔ اس کا نام ہے ''ہدایہ'' اس کتاب میں طہارت سے لے کر میراث تک شریعت کے جتنے احکام ہیں وہ سب اس کتاب میں جمع ہیں۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں۔ پہلی جلد عبادات سے متعلق ہے جس میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور باقی تین جلدیں معاملات یا معاشرت کے احکام سے متعلق ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ دین کے احکام کا ایک چوتھائی حصہ عبادات سے متعلق اور تین چوتھائی حصہ معاملات سے متعلق ہے۔

معاملات کی خرابی کا عبادت پر اثر:

پھر اللہ تعالیٰ نے ان معاملات کا یہ مقام رکھا ہے کہ اگر انسان روپے پیسے کے معاملات میں حلال وحرام کا اور جائز وناجائز کا امتیاز نہ رکھے تو عبادات پر بھی اس کا اثر یہ واقع ہوتا ہے کہ چاہے وہ عبادات ادا ہو جائیں لیکن ان کا اجر وثواب اور ان کی قبولیت موقوف ہو جاتی ہے دعائیں قبول نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اس حال میں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، گڑگڑا کر اور رو رو کر پکارتے ہیں کہ یا اللہ! میرا یہ مقصد پورا کر دیجئے فلاں مقصد پورا کر دیجئے، بڑے عاجزی سے الحاح وزاری کے ساتھ یہ دعائیں کر رہے ہوتے ہیں لیکن کھانا ان کا حرام پینا ان کا حرام لباس ان کا حرام اور ان کا جسم حرام آمدنی سے پرورش پاتا ہو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو؟ ایسے آدمی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

معاملات کی تلافی بہت مشکل ہے:

دوسری جتنی عبادات ہیں، اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اس کی تلافی آسان ہے۔ مثلاً نمازیں چھوٹ گئیں تو اب اپنی زندگی میں قضا نمازیں ادا کر لو اور اگر زندگی میں ادا نہ کر سکے تو وصیت کر جاؤ کہ اگر میں مر جاؤں اور میری نمازیں ادا نہ ہوئی تو میرے مال میں سے اس کا فدیہ ادا کر دیا جائے اور توبہ کر لو۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تلافی ہو جائے گی۔ لیکن اگر کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر کھا لیا تو اس کی تلافی اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک صاحب حق معاف نہ کرے۔ چاہے تم ہزار توبہ کرتے رہو ہزار نفلیں پڑھتے رہو۔ اس لئے معاملات کا باب بہت اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور معاملات:

اسی وجہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تصوف اور طریقت کی تعلیمات میں معاملات کو سب سے زیادہ اولیت حاصل تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اپنے مریدین میں سے کسی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ اس نے اپنے معمولات نوافل اور اوراد و وظائف پورے نہیں کئے تو اس کی وجہ سے رنج ہوتا ہے اور اس مرید سے کہہ دیتا ہوں کہ ان کو پورا کر لو لیکن اگر کسی مرید کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے روپے پیسے کے معاملات میں گڑبڑ کی ہے تو مجھے اس مرید سے نفرت ہو جاتی ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے جن کو آپ نے خلافت بھی عطا فرما دی تھی اور ان کو بیعت اور تلقین کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ ایک مرتبہ وہ سفر کر کے حضرت والا کی خدمت میں تشریف لائے ان کے ساتھ ان کا بچہ بھی تھا، انہوں نے آ کر سلام کیا اور ملاقات کی اور بچے کو بھی ملوایا کہ حضرت یہ میرا بچہ ہے اس کے لئے دعا فرما دیجئے۔ حضرت والا نے بچے کے لئے دعا فرمائی اور پھر ویسے ہی پوچھا کہ اس بچے کی عمر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت اس کی عمر ۱۳ سال ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ آپ نے ریل گاڑی کا سفر کیا ہے تو اس بچے کا آدھا ٹکٹ لیا تھا یا پورا ٹکٹ لیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ حضرت نے فرمایا

کہ آپ نے آدھا ٹکٹ کیسے لیا جب کہ بارہ سال سے زائد عمر کے بچے کا تو پورا ٹکٹ لگتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قانون تو یہی ہے کہ بارہ سال کے بعد ٹکٹ پورا لینا چاہیے اور یہ بچہ اگرچہ ۱۳ سال کا ہے لیکن دیکھنے میں ۱۲ سال کا لگتا ہے، اس وجہ سے میں نے آدھا ٹکٹ لے لیا۔ حضرت نے فرمایا "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" (البقرۃ ۱۵۶) معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تصوف اور طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ آپ کو ابھی تک اس بات کا احساس اور ادراک نہیں کہ بچے کو جو سفر آپ نے کرایا یہ حرام کرایا۔ جب قانون یہ ہے کہ ۱۲ سال سے زائد عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لگتا ہے اور آپ نے آدھا ٹکٹ لیا تو اس اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ریلوے کے آدھے ٹکٹ کے پیسے غصب کر لئے اور آپ نے چوری کر لی اور جو شخص چوری اور غصب کرے ایسا شخص تصوف اور طریقت میں کوئی مقام نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا آج سے آپ کی خلافت اور اجازت بیعت واپس لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بات پر ان کی خلافت سلب فرمالی۔ حالانکہ اپنے اوراد و وظائف میں عبادات اور نوافل میں تہجد اور اشراق میں ان میں سے ہر چیز میں بالکل اپنے طریقہ پر مکمل تھے لیکن یہ غلطی کی کہ بچے کا ٹکٹ پورا نہیں لیا صرف اس غلطی کی بنا پر خلافت سلب فرمالی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ:

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اپنے سارے مریدین اور متعلقین کو یہ ہدایت تھی کہ جب کبھی ریلوے میں سفر کرو اور تمہارا سامان اس مقدار سے زائد ہو جتنا ریلوے نے تمہیں مفت لے جانے کی اجازت دی ہے تو اس صورت میں اپنے سامان کا وزن کراؤ اور زائد سامان کا کرایہ ادا کر کے پھر سفر کرو۔ خود حضرت والا کا اپنا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ریلوے میں سفر کے ارادے سے اسٹیشن پہنچے۔ گاڑی کے آنے کا وقت قریب تھا آپ اپنا سامان لے کر اس دفتر میں پہنچے جہاں پر سامان کا وزن کرانا تھا اور جا کر لائن میں لگ گئے۔ اتفاق سے گاڑی میں ساتھ جانے والا گارڈ وہاں آ گیا اور حضرت والا کو دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ میں سامان کا وزن کرانے آیا ہوں۔ گارڈ نے کہا آپ کو سامان کا وزن کرانے کی ضرورت نہیں، آپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں میں آپ کے ساتھ گاڑی میں جا رہا ہوں آپ کو زائد سامان کا کرایہ دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ تم میرے ساتھ کہاں تک جاؤ گے؟ گارڈ نے کہا کہ میں فلاں اسٹیشن تک جاؤں گا۔ حضرت نے پوچھا کہ اس

اسٹیشن کے بعد کیا ہوگا؟ گارڈ نے کہا اس سٹیشن پر دوسرا گارڈ آئے گا میں اس کو بتا دوں گا کہ یہ حضرت کا سامان ہے کہ اس کے بارے میں کچھ پوچھ گچھ مت کرنا۔ حضرت نے پوچھا کہ وہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟ گارڈ نے کہا کہ وہ تو اور آگے جائے گا اس سے پہلے ہی آپ کا اسٹیشن آ جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تو اور آگے جاؤں گا یعنی آخرت کی طرف جاؤں گا اور اپنی قبر میں جاؤں گا وہاں پر کون سا گارڈ میرے ساتھ جائے گا؟ جب وہاں آخرت میں مجھ سے سوال ہوگا کہ ایک سرکاری گاڑی میں سامان کا کرایہ ادا کئے بغیر جو سفر کیا اور جو چوری کی اس کا حساب دو تو وہاں پر کونسا گارڈ میری مدد کرے گا۔

معاملات کی خرابی سے زندگی کا سکون تباہ:

چنانچہ وہاں یہ بات مشہور تھی کہ جب کوئی شخص ریلوے کے دفتر میں اپنے سامان کا وزن کرا رہا ہوتا تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ شخص تھانہ بھون جانے والا ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے ہے۔ حضرت والا کی بہت سی باتیں لوگوں نے لے کر مشہور کر دیں، لیکن یہ پہلو کہ ایک پیسہ بھی شریعت کے خلاف کسی ذریعہ سے ہمارے پاس آئے یہ پہلو نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

آج کتنے لوگ اس قسم کے معاملات کے اندر مبتلا ہیں اور ان کا خیال بھی نہیں آتا کہ ہم یہ معاملات شریعت کے خلاف اور ناجائز کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے غلط کر کے چند پیسے بچا لئے تو وہ چند پیسے حرام ہو گئے اور وہ حرام مال ہمارے دوسرے مال کے ساتھ ملنے کے نتیجے میں اس کے برے اثرات ہمارے سارے مال میں پھیل گئے۔ پھر اسی مال سے ہم کھانا کھا رہے ہیں۔ اسی سے کپڑے بنا رہے ہیں اسی سے لباس تیار ہو رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں ہماری پوری زندگی حرام ہو رہی ہے اور ہم چونکہ بے حس ہو گئے اس لئے حرام مال اور حرام آمدنی کے برے نتائج کا ہمیں ادراک بھی نہیں۔ یہ حرام مال ہماری زندگی میں کیا فساد مچا رہا ہے۔ اس کا ہمیں احساس نہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ احساس عطا فرماتے ہیں ان کو پتہ لگتا ہے کہ حرام چیز کیا ہوتی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ اور تصوف پر کتاب:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے سارے فقہی احکام اپنی تصانیف کے ذریعہ ہم تک پہنچائے۔ ان کا احسان ہمارے سروں پر اتنا ہے کہ ساری عمر تک ہم ان کے احسان کا صلہ نہیں دے سکتے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے بہت ساری کتابیں لکھیں ہیں، لیکن تصوف اور زہد کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی؟ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ تم کیسے کہتے ہو کہ میں نے تصوف پر کتاب نہیں لکھی میں نے جو ''کتاب البیوع'' لکھی ہے وہ تصوف ہی کی تو کتاب ہے۔ مطلب یہ تھا کہ خرید وفروخت کے احکام اور لین دین کے احکام حقیقت میں تصوف ہی کے احکام ہیں۔ اس لئے کہ زہد اور تصوف درحقیقت شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی کا نام ہے اور شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی خرید وفروخت اور لین دین کے احکام پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔

حکیم الامت اور صفائی معاملات:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں معاملات کی جس قدر صفائی تھی اس کی مثال کم ملتی ہے۔ اپنے مریدوں کو بھی اس کی تاکید کرر کھی تھی اور وابستہ دوسرے لوگوں کو بھی اور ساتھ ہی اپنی ذات کو بھی حقوق العباد کا معاملہ ذرا سخت بھی ہے کہ جب تک بندہ خود معاف نہ کردے معاف ہوتا ہی نہیں۔ اس کی اہمیت ہی کا یہ اثر تھا کہ آپ نے ۱۹۲۶ء میں ایک معذرت نامہ چھپوا کر تقسیم کرایا اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

''یہ احقر افقر، ارذل، کام کا اکثف، نام کا اشرف، تمام ان حضرات کی خدمت میں جن کا کوئی حق میری ذمہ ہو، خواہ وہ حق مالی ہو جس کا اہتمام ضعیف وقلیل ہے خواہ وہ حق غیر مالی ہو جیسے کسی کو ناحق کچھ کہہ لیا ہو یا انتقام میں مساوات سے متجاوز ہوگیا ہو یا کسی کو ناحق بدنی ایذا پہنچائی ہو ان سب اہل حقوق کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت وسماجت سے درخواست کرتا ہے کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے عوض لے لیں اور خواہ ''حسبتہ للہ'' معاف فرمادیں۔ میں ان دونوں صورتوں میں ان کا شکر گزار ہوں کہ مجھ کو محاسبہ آخرت سے بری فرمایا اور معافی کی صورت میں دعا بھی کرتا رہوں گا، کہ میرے ساتھ مزید احسان فرمایا۔ خدا کے واسطے اہل حقوق میری حیات تک خواہ اپنے گزشتہ اور آئندہ حقوق معاف فرمادیں خواہ شرعی طریق اور شرائط پر اس کا عوض بالمثل لے لیں اور حیات کے بعد معاف ہی فرمادیں۔''

اسے پورے غور سے پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ حقوق العباد سے اپنے آپ کو کس طرح پاک وصاف رکھنا چاہتے ہیں۔ اپنی ساری غلطیوں زیادتیوں اور بھول چوک کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور یہ گوارہ نہیں فرماتے کہ کسی کا کوئی حق مرنے کے بعد باقی رہ جائے اور اس کی آخرت میں جوابدہی کرنی پڑے یا اس کی وجہ سے کوئی دینی نقصان برداشت کرنا پڑے اللہ تعالیٰ مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے بڑا سبق دے گئے اور اپنے ماننے والوں کے لئے بڑی عمدہ مثال چھوڑ گئے۔ (از اصلاحی خطبات)

سکون قلب اور والدین کی خدمت

انسانی زندگی میں سکون واطمینان ناگزیر ہے اور اس سلسلہ میں والدین کی خدمت اور ان کی دعائیں اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں اس لئے اگر یوں کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ ہر کامیاب خوشگوار زندگی بسر کرنے والے انسان کی زندگی میں اس کے والدین کی دعائیں شامل ہیں تو والدین کی دعائیں لینے کے لئے اور اپنی زندگی کو پرسکون بنانے کے لئے والدین کی خدمت نہایت ضروری ہے اس سلسلہ میں مختصر مضمون پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ماں باپ کو اُف بھی نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے تعظیم کے ساتھ ہم کلام ہو ان کے آگے عاجزی کے بازو رحمت کے ساتھ جھکائے رکھو اور ان کے لئے یوں دعا کرو کہ اے میرے رب میرے ماں باپ پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے!

ایک صاحب نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تیری جنت اور دوزخ ہیں (یعنی چاہے تو ان کی خدمت کر کے ان کو خوش رکھ کر جنت میں چلا جا اور چاہے تو ان کی نافرمانی کر کے دوزخ میں چلا جا) نبی کریم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ کی رضامندی والدین کی رضامندی میں ہے۔ اور اللہ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ سارے گناہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں معاف کردیتے ہیں۔ سوائے والدین کو ستانے کے کہ اس کی سزا مرنے سے پہلے دے دیتے ہیں نبی کریم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو کوئی اپنے والدین کی طرف ایک مرتبہ رحمت کی نظر سے دیکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین نے دریافت کیا یا رسول اللہ اگر کوئی سو مرتبہ روزانہ رحمت کی نظر سے دیکھے تب بھی یہی اجر ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں کیا شک ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے اور ہر عیب سے پاک ہے۔

ہائے افسوس کتنا کم بخت ہے وہ شخص جس کے والدین اس سے ناراض ہوں جو اپنے والدین کی تکلیف کا سبب بنا ہوا ہو۔ حالانکہ قرآن کریم و حدیث نبوی انسان کو تاکید کے ساتھ والدین کے حقوق بتا رہے ہیں۔ اے نادان جب موت کا نقارہ بجے گا تب تیری آنکھیں کھلیں گی۔ اور کونسا وقت آئے گا تیرے سنبھلنے کا۔ کچھ تو اپنی پیاری جان پر رحم کھا۔ جب تو دنیا کی آگ سے بھاگتا ہے تو جہنم کی آگ ستر گنا زیادہ تیز ہے اس سے اپنے آپ کو کیوں نہیں بچاتا؟ ارے بگلے اٹھ کھڑا ہو والدین کے قدموں میں جا کر اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن۔ اپنی سابقہ غلطیوں سے معافی مانگ کر انہیں راضی کر لے اللہ سے بھی اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے وہ بہت رحیم و کریم ذات ہے۔ وہ تو بندے کو معاف کرنے کے بہانے تراشتا ہے تو بھی تو اپنے دل کے زنگ کو ندامت کے چند قطروں سے صاف کر۔ کچھ مائل بہ کرم تو ہو۔ پھر رحمتوں کی بارش برستی دیکھنا سب غموں کے بادل چھٹ جائیں گے زندگی پرسکون ہو جائے گی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، فرمایا جنت ماں کے قدموں تلے ہے اور اس کی چابی باپ کی پیشانی پر ہے۔ دوستو اگر تم کسی مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو صدق دل سے بڑی خوش دلی سے ماں باپ کی خدمت کرو۔ دل سے عزت کرو، ان کی سختی و ترشی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو۔ ان کا کہا مانو۔ اطاعت شعاری و فرمانبرداری کے زیور سے مزین ہو جاؤ۔ نرم لہجے میں گفتگو کرو۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے ہرگز بلند نہ کرو۔ ان کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ ہاں اگر کوئی کام خلاف شریعت کرنے کو کہیں تو پھر اس وقت اللہ رب العزت کے حکم پر چلو اور ان کی اطاعت نہ کرو۔ کیونکہ مخلوق کی اطاعت اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہے۔ ذرا سوچو کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ہم والدین کی نافرمانی کر کے ان کی دل آزاری کر کے اپنے اللہ کو ناراض کر لیں اور اگر اللہ اپنے بندے سے ناراض ہو جائے تو بندوں کا اللہ کے سوا ہے ہی کون؟ آخر ہم نے بھی ایک دن والدین کا روپ دھارنا ہے اور انسان جو بیج بوتا ہے وہی پھل اٹھاتا ہے۔

اسی لئے فکر اور ہمت کے ساتھ ان کی خدمت کے لئے خود کو وقف کیجئے اور پھر اپنی زندگی سنورتے دیکھئے۔

باب پنجم

سکونِ قلب کے لئے تمام گناہوں سے توبہ کی ضرورت

سکون کی بارش:

استغفار سے جہاں بارش ہوگی وہیں قلب پر سکون کی بارش ہوگی۔ آپ تجربہ کر لیجئے کہ خدا کے آگے گڑگڑانے اور استغفار کرنے سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ دل کو سکون ملتا ہے۔

(ملفوظ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

جس طرح بارود کے ڈھیر کو معمولی سی دیا سلائی جلا کر ختم کر دیتی ہے اسی طرح بارگاہ خداوندی میں ندامت کے دو آنسو عمر بھر کے تمام گناہوں کو ختم کر کے رکھ دیتے ہیں۔

آیئے! اپنے دل کو تمام گناہوں، کثافتوں سے پاک کرنے کے لئے اللہ نے ہمیں جو توبہ و استغفار کا صابن عطا فرمایا ہے، اس کے ذریعے اپنے آپ کو تمام گناہوں سے پاک کر کے ابدی سکون قلب حاصل کریں۔

گناہوں سے توبہ

جس طرح مریض کے لئے دواؤں کے ذریعہ علاج ضروری ہے، اسی طرح بد پرہیزی سے بچنا بھی ضروری ہے۔ یہی حال دین اسلام کی تعلیمات کا ہے کہ وہ جس طرح روحانی امراض سے بچانے کے لئے مقوی اعمال خیر کی ترغیب دیتا ہے، اسی طرح گناہ جو اپنے اندر زہر کا اثر رکھتے ہیں ان سے بھی بچنے کے لئے ترغیب و ترہیب کا درس دیتا ہے۔

گناہوں سے بچنے کے متعلق ضروری، مفید اور کارآمد باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ گناہ سے بچنے کے سلسلہ میں پہلا قدم توبہ ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک سے گزشتہ کوتاہیوں کی مغفرت چاہے اور آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا عزم ہو۔ توبہ سے متعلق قرآن کریم ہم سے کیا کہتا ہے، کیا چاہتا ہے؟ ملاحظہ فرمایئے۔

توبہ......قرآن کی روشنی میں

اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں فرمایا:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْـٰٔنَ (النساء۔۱۸،۱۷)

"توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ وہ تو ان لوگوں کے لئے جو جہالت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں۔ سوایسوں پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، حکمت والے ہیں اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔"

صاحب تفسیر ابن کثیر نے مندرجہ بالا آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اللہ اس شخص کی توبہ قبول فرماتے ہیں جو جہالت سے گناہ کرے اور پھر وہ توبہ کر لے، اگرچہ ملک الموت کو دیکھنے کے بعد ہو البتہ غرغرہ کی حالت سے پہلے ہو۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کئی مفسرین حضرات نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے غلطی سے ہو یا قصداً بہرحال وہ جاہل ہے۔ حتیٰ کہ وہ گناہ کو چھوڑ دے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوالعالیہ یہ بیان کرتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی جہالت ہے، چاہے وہ قصداً ہی ہو۔

ابن جریج نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن کثیر نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا کہ ہر گناہ کرنے والا گناہ کرتے وقت جاہل ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ" میں قریب سے مراد ملک الموت کے دیکھنے سے پہلے کا وقت ہے۔ حضرت ضحاک نے فرمایا کہ موت سے پہلے پہلے جیسی بھی توبہ ہو، وہ قریب ہے۔

حضرت قتادہ اور حضرت سدی دونوں حضرات نے فرمایا کہ جب تک حواس درست ہوں۔

اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر۔۵۳)

"آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف فرما دے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔"

ایک اور جگہ اپنے بندوں پر از راہ شفقت فرما رہے ہیں۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (المائدہ۔۷۴)

"کیا وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اللہ سے بخشش طلب نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔"

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ. (التوبہ۔۱۰۴)

"کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔"

اور اللہ جل شانہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى. (طٰہٰ۔۸۲)

"اور بے شک میں اس شخص کو بہت بخشنے والا ہوں جو گناہوں سے توبہ کر کے ایمان لے آئے اور اچھے عمل کرے اور پھر سیدھی راہ پر قائم رہے۔"

سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا. (الفرقان۔۷۰)

"جس نے توبہ کی اور ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ گناہ کے بدلے ثواب کے کام کرنے لگے، شرک کے بدلے توحید پر جم گئے، بدکاری کے بدلے پاکدامنی حاصل ہوئی، کفر کے بدلے اسلام ملا، ایک معنی تو اس آیت کے یہ ہوئے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ خلوص کی ساتھ ان کی جو

توبہ تھی اس سے خوش ہو کر اللہ عزوجل نے ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ یہ اس لئے کہ توبہ کے بعد جب کبھی انہیں گناہ یاد آتے تھے تو انہیں ندامت ہوتی تھی، یہ غمگین ہو جاتے تھے۔ شرمانے لگتے تھے اور استغفار کرتے تھے، اس وجہ سے ان کے گناہ اطاعت میں بدل دیئے گئے، گو وہ ان کے نامہ اعمال میں گناہ کے طور پر لکھے ہوئے تھے۔ لیکن قیامت کے دن وہ سب نیکیاں بن گئے۔

سکون قلب کے لئے تمام گناہوں سے توبہ ضروری ہے

اب نبی کریم ﷺ کے مبارک اقوال ذکر کئے جاتے ہیں جو پریشان مسلمانوں کے لئے نسخہ شفاء اور دل کے سکون و اطمینان کا باعث ہیں۔

توبہ کا وقت کب تک ہے؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں جب تک اس کے غرغرہ کی حالت نہ ہو جائے۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھے اور وہاں حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ حضرت ابو قلابہ نے یہ حدیث بیان کی کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو ملعون قرار دیا تو ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی اور کہا کہ اے اللہ! تیرے عزت اور تیرے جلال کی قسم، میں ابن آدم کے دل سے نہیں نکلوں گا جب تک اس میں روح ہوگی۔ تو اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ میری عزت کی قسم، میں ابن آدم کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا، جب تک اس میں روح ہوگی۔

گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میری سب امت عافیت میں ہے (یعنی لائق مغفرت گناہوں کی سزا سے بچ سکتی ہے) سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں اور انسان کی لاپرواہی میں سے یہ بات بھی ہے (جو شرعاً ممنوع اور مبغوض ہے) کہ انسان رات کو کوئی گناہ کرے پھر باوجود یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی

فرمائی، صبح کو کہتا ہے کہ اے فلاں میں نے رات کو فلاں فلاں کام کیا ہے، حالانکہ اس نے اس حال میں رات گزاری کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی اور وہ صبح ہو جانے پر اللہ کے ڈالے ہوئے پردے کو اپنے اوپر سے ہٹاتا ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے:

عن ابی هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول والله انى لاستغفر الله واتوب اليه فى اليوم اكثر من سبعين مرة

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، یہ عمل دن میں ستر مرتبہ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔"

اگر ساری مخلوق گناہ کرنا چھوڑ دے تو؟

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

عن ابی ایوب انه قال حين حضرته الوفاة كنت كتمت عنكم شيئاً سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم سمعته يقول لو لاانكم تذنبون لخلق الله خلقاً يذنبون يغفرلهم (رواہ مسلم)

"حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں نے ایک بات رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی (اب جب کہ میرا آخری وقت ہے تو میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں) میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا جن سے گناہ سرزد ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا (اور اس طرح ان کی شانِ غفاریت کا ظہور ہوگا)۔" (صحیح مسلم)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں اور وہ گنہگاروں کو پسند کرتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعے گناہوں اور گنہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی ہے، بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہ سے بچایا جائے اور اعمال صالحہ کی ترغیب دی جائے۔ دراصل حدیث کا منشاء اور مدعا اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کو ظاہر کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے ظہور کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق پیدا کی جائے اور صفت رزاقیت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس کو رزق کی ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو رزق عطا فرمائے۔

''علی ھذا القیاس'' جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو، جس میں ہدایت لینے کی صلاحیت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ہدایت ملے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شان غفارت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی مخلوق ہو جس سے گناہ بھی سرزد ہوں۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرے اور گناہوں کی معافی اور بخشش چاہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ فرمائے۔ اس لئے ناگزیر ہے اور ازل سے طے ہے کہ اس دنیا میں گناہ کرنے والے بھی ہوں گے، ان میں سے جن کو توفیق ملے گا وہ استغفار بھی کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ بھی فرمائے گا اور اس طرح اس کی صفت مغفرت اور شانِ غفاریت کا ظہور ہوگا۔

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے اس ارشاد کا اپنی زندگی میں اس خیال سے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ کم فہم لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ پھر اپنے آخری وقت میں اپنے خاص لوگوں سے اظہار فرما کر امانت گویا ان کے سپرد کر دی۔

درس استغفار احادیث کی روشنی میں

حضور ﷺ کا استغفار:

(۱)......عن ابی سلمة بن عبدالرحمن قال قال ابوهريرة رضی اللّٰه عنه سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم يقول: واللّٰه لاستغفر اللّٰه واتوب اليه فی اليوم اكثر من

سبعین مرة. (صحیح البخاری باب استغفار النبی ﷺ فی الیوم واللیلۃ)

''ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کی قسم میں روزانہ ستر مرتبہ سے بھی زیادہ توبہ واستغفار کرتا ہوں۔'' (صحیح البخاری)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کہ حضور ﷺ کا استغفار کن امور سے تھا:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت، حضور ﷺ کا مغفرت چاہنا کس بات سے تھا کہ آپ کی ذات مبارکہ معصوم تھی۔

تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ قرب کے درجات ہوتے ہیں، جن کی حد نہیں ہے، نہ نبوت کے درجاتِ قرب ختم ہوتے ہیں، نہ ولایت کے۔ پس حضور ﷺ کا استغفار فرمانا کسی معصیت سے نہ تھا، بلکہ آپ کو جو ترقی درجاتِ قرب میں عطا ہوتی تھی تو ماسبق کا درجہ مابعد کے درجہ سے کمتر معلوم ہوتا تھا، اور خیال ہوتا تھا کہ اب تک کون سی چیز قرب کے اس درجہ عالی پر پہنچنے میں مانع تھی، پس آپ اس چیز کو ذنب سے تعبیر فرما کر استغفار فرماتے تھے۔ یہ حضرات مغزدین جانتے تھے۔

(۲)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے حضور استغفار کرو تو ہم نے استغفار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پورے ستر مرتبہ استغفار کرو تو ہم نے ستر مرتبہ استغفار کیا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''کوئی بندہ مرد ہو یا عورت ایسا نہیں کہ وہ دن میں ستر مرتبہ استغفار کرے مگر یہ کہ اللہ اس کے سات سو گناہ معاف فرمادیتے ہیں اور مراد ہو گیا وہ شخص مرد ہو یا عورت جس نے دن میں سات سو سے زیادہ گناہ کر لئے۔''

حضرت انسان سے ''احکم الحاکمین'' کی نافرمانی اسی وقت صادر ہوتی ہے جب وہ نفس و شیطان سے مغلوب ہو جائے اور اپنی خواہشات کا غلام بن جائے اور یہی جملہ معاصی کی بنیاد اور جڑ ہے۔ اسی لئے شریعت نے نفس اور شیطان کی پیروی سے جابجا منع فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کے چند انمول فرامین ملاحظہ فرمائیے۔

گناہ چھوڑے بغیر سکونِ قلب حاصل نہیں ہوسکتا

گناہ چھوڑنے کا حکم قرآن میں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ. (الانعام۔۱۲۰)

''اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا''

گناہ اللہ رب العزت کی نافرمانی کرنے کو اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنتوں سے روگردانی کرنے کو کہتے ہیں۔ گناہ میں انسان کے لئے دنیاوی نقصانات بھی ہیں اور اخروی نقصانات بھی ہیں۔

گناہوں کے نقصانات کا علم

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عالم شخص وہ ہوتا ہے جس پر گناہوں کے نقصانات اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ گویا وہ شخص گناہوں کے نقصانات سے جتنا زیادہ واقف ہوگا وہ اتنا ہی بڑا عالم ہوگا۔ یہ بات بہت کام کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کے نقصانات سے واقف ہو تو اس سے بچتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ مثال کے طور پر......

(۱)......انسان زہر کے نقصانات سے واقف ہوتا ہے، اس لئے وہ اس سے بچتا ہے، اگر اسے یہ بتا دیا جائے کہ آپ کے سامنے جو ایک ہزار بسکٹ پڑے ہیں ان میں سے نوسو ننانوے بالکل ٹھیک ہیں، صرف ایک بسکٹ میں زہر ہے، آپ کھا لیجئے تو کیا وہ اسے کھا لے گا؟ وہ انسان اسے کھانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوگا۔ وہ کہے گا کہ کیا پتہ جس کو میں کھا رہا ہوں اس میں زہر ہو۔ چونکہ ہمیں پتہ ہے کہ زہر کے کھا لینے سے انسان کو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے نہیں کھاتے۔ لیکن ایک بچہ جو اس سے واقف نہیں ہے اس بچے کو ایک بسکٹ پکڑائیں اور اس سے کہیں کہ یہ زہر والا ہے، تم کھا لو، تو وہ بچہ اسے منہ میں ڈال لے گا۔ اس لئے کہ وہ اس کے نقصان سے واقف نہیں۔ اس مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب انسان کسی چیز کے نقصان سے واقف ہوتا ہے تو وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا اور ہر ممکن طریقے سے بچتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے نقصان ہو جائے گا۔

(۲)......اسی طرح ہم سانپ کے نقصان سے واقف ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو پتہ ہے کہ

اگر سانپ کاٹ لے تو انسان مر جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی پلاسٹک کا بنا ہوا سانپ بھی دکھا دے تو لوگ ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ بڑا سانپ تو کیا اگر سانپ کا کوئی چھوٹا سا بچہ بھی کسی گھر میں نظر آ جائے تو عورتیں شور مچا دیتی ہیں۔ جب تک اس کو مار نہ لیا جائے تب تک وہ چین سے نہیں بیٹھتیں۔ وہ کہتی ہیں کہ چونکہ گھر میں بچے ہیں اس لئے اس کو مارنا ضروری ہے۔ چونکہ ہم سانپ کے نقصانات سے واقف ہیں اس لئے اس کا وجود اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتے۔

جب یہ مثالیں سمجھ میں آ گئیں تو یہ باتیں بھی ذہن میں رکھئے کہ......

نفس کی خواہش ہمارے لئے زہر کی مانند ہے۔ نفس ہمارے من میں گناہوں کے جو، جو خیالات پیدا کرتا ہے وہ زہر کی مانند ہیں۔ جس طرح انسان زہر سے بچتا ہے اسی طرح وہ نفس کے ان زہریلے خیالات سے بھی بچتا ہے جو اسے گناہ پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ جس طرح انسان زہریلے بسکٹ کی دعوت قبول نہیں کرتا، اسی طرح گناہوں کے جو بسکٹ نفس پیش کرتا ہے کہ یہ بھی کر لو، تو آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی بھی وہ بات قبول نہ کرے، وہ یہی سوچے کہ اس خواہش کے پورا کرنے میں زہر ہے۔ لہٰذا اگر میں پوری کروں گا تو روحانی موت مر جاؤں گا۔

اسی طرح برے دوست کی مثال سانپ کی طرح ہوتی ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ ''یار بد، مار بد'' سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے۔ یعنی برا دوست سانپ سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر مارِ بد (برے سانپ) نے کاٹ لیا تو انسان کی جسمانی موت واقع ہو جاتی ہے اور اگر یار بد نے کاٹ لیا تو انسان کی روحانی موت واقع ہو جاتی ہے...... بُرا دوست شیطان سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ وہ اس لئے کہ شیطان انسان کے دل میں فقط گناہ کا ارادہ یا خیال ڈالتا ہے، مجبور نہیں کرتا، لیکن بُرا دوست نہ صرف گناہ کا خیال ہی دل میں ڈالتا ہے، بلکہ ہاتھ پکڑ کر انسان سے گناہ بھی کروا لیتا ہے۔ تو بُرا دوست سانپ اور شیطان دونوں سے زیادہ بُرا ہوتا ہے۔

چونکہ ہم ڈاکو کے نقصانات سے واقف ہوتے ہیں، اس لئے اس کے کہنے پر گھر کا دروازہ نہیں کھولتے۔ شیطان کی مثال ہمارے ایمان کے ڈاکو کی مانند ہے، جیسے ڈاکو موقع کی تلاش میں ہوتا ہے کہ میں اس کے گھر میں ایسے وقت میں پہنچوں گا جب میں گھر کا صفایا کر دوں گا اور اسے پتہ بھی نہ چلے۔ شیطان بھی اسی انتظار میں ہوتا ہے۔ وہ ابن آدم کے قلب کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جب وہ بندے کو ذکر کرتا دیکھتا ہے تو پیچھے ہٹا رہتا ہے اور جیسے ہی وہ اس کو غافل پاتا ہے تو اسی وقت قلب کے اندر اپنے وار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب ہم شیطان کے نقصانات سے

واقف ہوں گے تو پھر شیطانی وساوس کے لئے اپنے دل کے دروازے نہیں کھولیں گے بلکہ دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد رکھیں گے تا کہ ہم شیطان کے وساوس سے بچ سکیں۔

پتہ چلا کہ ہم گناہوں کے نقصانات سے جتنا زیادہ واقف ہوں گے، اتنا ہی ان سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ ہم نے ڈاکٹر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اگر ان کو چربی والے کھانے یا پراٹھے دیئے جائیں تو وہ ان کے کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ کیوں نہیں کھاتے تو کہتے ہیں، جی ہمیں اس کے نقصانات کا پتہ ہے اور جس بندے کو اس کے نقصانات کا پتہ نہیں ہوتا کہ اس سے دل کی شریانیں بند ہو جاتی ہیں، وہ صبح، دوپہر، شام پراٹھے کھاتا ہے۔ وہ خوب چپاتی کباب کھاتا ہے، خواہ دل کی شریانیں بند ہی ہو جائیں...... اسی طرح ڈاکٹر جب باہر کے علاقے میں جاتے تو نلکے کا پانی بھی نہیں پیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں کئی بیماریوں کے جراثیم ہوتے ہیں۔ جن سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ لہذا ہم تو بوتل کا صاف پانی پئیں گے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر جب ہسپتال میں مریضوں کے پاس جاتے ہیں تو دستانے بھی پہنتے ہیں اور ناک میں ماسک بھی لگاتے ہیں۔ ان کو پتہ ہوتا ہے کہ بیمار کے قریب رہ کر کوئی بیماری دوسری کو لگ سکتی ہے۔ لہذا وہ احتیاط کرتے ہیں۔

کھمبے سے بجلی کی تار جا رہی ہو اور آپ کسی الیکٹریکل انجینئر سے کہیں کہ جناب! ذرا اس کو ہاتھ تو لگائیں تو وہ کہے گا، جناب! میں بے وقوف نہیں ہوں۔ اگر کہیں ایک ہی دفعہ ہاتھ لگا دیں تو وہ کہے گا، بجلی ایک دفعہ بھی معاف نہیں کرتی۔ وہ پہلی دفعہ ہی پکڑ لیتی ہے۔ انجینئر تو سمجھتا ہے کہ اس کے اندر وولٹیج ہے اور اس سے جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ لیکن عام آدمی دھوکہ کھا جائے گا، کیونکہ اسے نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ اسی طرح عام آدمی چونکہ گناہوں کے نقصانات سے واقف نہیں ہوتا، اس لئے وہ پرہیز نہیں کرتا۔ لیکن عالم سمجھتا ہے کہ گناہوں میں ایسی نحوست ہے اور ان کے مرتکب ہونے سے انسان اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے، اس لئے وہ گناہوں کے قریب نہیں جاتا۔

نیکی اور گناہ میں فرق

نیکی اور گناہ کا وہی فرق ہے جو روشنی اور اندھیرے کا ہوتا ہے۔ اگر کسی جگہ اندھیرا ہو تو وہاں انسان کو سانپ اور بچھو نظر ہی نہیں آتے اور وہ ان سے بچ نہیں سکتا۔ جیسے ہی روشنی آتی ہے سانپ بچھو کا پتہ چل جاتا ہے۔ اول تو وہ خود بھاگ جاتے ہیں ورنہ انسان ان کو مار دیتا ہے۔ اسی طرح

جس انسان کے پاس علم کا نور ہوتا ہے، اس نور کے آتے ہی گناہوں کے سانپ بچھو اس کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ انسان ان سانپ بچھوؤں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

نور قلبی کی حفاظت

یہ ایک موٹی سی بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ عام لوگوں میں اور اولیاء اللہ میں بنیادی فرق گناہوں سے بچنے کا ہے۔ ہم عام لوگ تو کبھی کبھی ایسی نیکیاں کر لیتے ہیں جیسی بڑے بڑے اولیاء اللہ کرتے ہیں..... خوب "رجوع الی اللہ" کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور دل میں نور آ جاتا ہے۔ مگر جب مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو گھر پہنچنے سے پہلے پہلے جتنا نور آیا تھا سب ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے کچا گھڑا ہوتا ہے، اگر اس میں پانی ڈال دیں تو چند گھنٹوں کے بعد وہ خالی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں سے پانی قطرہ قطرہ کر کے ٹپکتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارا حال ہوتا ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر عبادت کی تو دل میں نور بھر گیا۔ لیکن جیسے ہی مسجد سے باہر گئے اور لوگوں سے ملے تو دوسروں کی غیبت کرنے کی وجہ سے اور بدنظری وغیرہ کی وجہ سے وہ نور ٹپکنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح ہم ان نور کو ضائع کر بیٹھتے ہیں، اس کی حفاظت نہیں کرتے۔

میں نے خود ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک بیت الخلاء میں بالٹی پڑی تھی۔ اس کے اوپر والی ٹونٹی بند تھی۔ مگر لیک تھی اور اس میں سے ایک ایک قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد پوری بالٹی بھر گئی۔ وہاں ایک لوٹا بھی رکھا ہوا تھا اور وہ ٹونٹی کے قریب سے پھٹا ہوا تھا۔ اس کو بھرنے کے لئے ٹونٹی کھولی تو بھرتا ہی نہیں تھا۔ میں دونوں چیزوں کو دیکھ کر حیران ہوا کہ بالٹی کے اندر کوئی سوراخ نہیں ہے اور اوپر بند ٹونٹی سے ایک ایک قطرہ پانی ٹپک رہا ہے مگر چونکہ پانی محفوظ ہو رہا ہے اس لئے تھوڑی دیر کے بعد پوری بالٹی بھر گئی اور جس لوٹے کو سوراخ تھا، اس کے اوپر ہم نے ٹونٹی پوری کھول دی، مگر وہ بھرتا ہی نہیں...... اس لئے جتنا نور بھی اندر آتا ہے وہ ضائع ہوتا رہتا ہے اور اللہ کے ولی کی مثال اس بالٹی کی مانند ہے۔ ان کے اندر قطرہ قطرہ نور بھی آئے گا تو وہ اس نور کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے دل کی بالٹی نور سے بھری رہتی ہے۔

معصیت سے بچنے کا انعام

شریعت مطہرہ میں اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ انسان لمبی عبادتیں کرنے کی بجائے

گناہوں سے زیادہ بچے۔ مثلاً ایک آدمی تہجد نہیں پڑھتا، لمبے لمبے اذکار نہیں کرتا، نفلی روزے نہیں رکھتا، بھلے نفل اعمال کچھ نہ کرے، مگر گناہوں سے بچے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی میں معصیت نہیں ہے...... ہمارے سلسلہ میں بھی گناہوں سے بچنا سکھایا جاتا ہے۔ طلباء کو اس بات پر نظر رکھنی چاہئے کہ ہمارے وجود سے کوئی بھی کام شریعت کے خلاف صادر نہ ہو۔ ہم اپنی علم اور ارادہ سے کوئی گناہ نہ کریں۔ اگر یہ بات آپ نے پالی تو سمجھ لیجئے کہ آپ کو ولایت کا مقام حاصل ہو گیا ہے۔ یاد رکھیں کہ ولایت کے لئے......

- ......ہوا میں اڑنا شرط نہیں......
- ......پانی میں چلنا شرط نہیں......
- ......کوئی کرامت کے واقعات کا پیش آجانا شرط نہیں۔

بلکہ ولی اس کو کہتے ہیں جو خود کو گناہوں سے بچالیتا ہو۔ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کہہ دیا۔

اِنْ اَوْلِیَآءُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (انفال۔۳۴)

''اس کے ولی وہ ہوتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں۔''

یہ بھی یاد رکھیں کہ تقویٰ کچھ کرنے کا نام نہیں بلکہ کچھ نہ کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔ یعنی وہ باتیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ان کو نہ کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ موٹے الفاظ میں سمجھ لیجئے کہ تقویٰ یہ ہے کہ آپ ہر اس کام سے بچیں جن کے کرنے سے کل قیامت کے دن کوئی آپ کا گریبان پکڑنے والا ہو۔ لہٰذا اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا، لمبی لمبی نفلی عبادتیں کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ اب ایک آدمی لمبی لمبی عبادتیں کرتا ہے، مگر ساتھ ساتھ غیبت بھی کرتا ہے اور لوگوں کا دل بھی دکھاتا ہے تو وہ بے چارہ تو فقیر ہے۔ کل قیامت کے دن جب وہ پیش ہوگا تو حق والے اس کی ساری عبادتیں لے کر چلے جائیں گے، بلکہ ان کے گناہ الٹا اس کے سر رکھ دیئے جائیں گے۔ حدیث پاک میں ہے:

الوقاية خير من العلاج.

''پرہیز علاج سے بہتر ہے۔''

ایک آدمی کو نزلہ زکام ہو، وہ دوائی بھی کھائے اور ساتھ ساتھ آئس کریم بھی کھائے تو اس کی بیماری ٹھیک نہیں ہوگی۔ ڈاکٹر کہیں گے پہلے پرہیز کرو، تب دوائی فائدہ دے گی۔ اسی لئے مشائخ کہتے ہیں کہ گناہوں سے پہلے بچو، تب ذکر اذکار کا فائدہ ہوگا۔ لہٰذا ہم اپنے جسم کو گناہوں سے

بچائیں اور اللہ رب العزت کی نافرمانی نہ کریں۔ اس بات پر ہماری ہر وقت نظر رہے کہ ہم کسی گناہ کا بھی ارتکاب نہ کریں۔ ہم صبح اٹھیں تو دل میں یہ نیت ہو کہ میں نے آج کوئی گناہ نہیں کرنا۔ پھر صبح سے شام تک اس کوشش میں لگے رہیں کہ......

- ......آنکھ سے کوئی گناہ نہ ہو......
- ......زبان سے کوئی گناہ نہ ہو......
- ......شرمگاہ سے کوئی گناہ نہ ہو......
- ......ہاتھ پاؤں سے کوئی گناہ نہ ہو......

خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ کے بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک بڑی ہی پیاری بات لکھی، وہ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے کوئی دن گناہوں کے بغیر گذارا وہ ایسا ہی ہے کہ جیسے اس نے وہ دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں گزارا...... سبحان اللہ...... اس لئے آپ روزانہ اٹھ کر صبح کو اللہ سے دعائیں مانگا کریں کہ اے مالک! میں آج کا دن ایسا گزارنا چاہتا ہوں کہ تیرے حکم کی نافرمانی نہ ہو، اس کو تمنا بنا کر مانگیں۔ اگر کوئی ایک دن بھی ہماری زندگی میں ایسا ہو تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ اس کی برکت سے قیامت کے دن ہم پر اللہ کی رحمت ہو جائے گی۔

گناہ نجاست کی مانند ہے

گناہ باطنی اعتبار سے نجاست کی مانند ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم جس عضو سے بھی گناہ کرتے ہیں ہمارا عضو باطنی طور پر ناپاک ہو جاتا ہے۔ گویا......

- ......آنکھ نے غلط دیکھا تو آنکھ ناپاک ہو گئی......
- ......زبان سے جھوٹ بولا تو زبان ناپاک ہو گئی......
- ......کان سے غیبت سنی تو کان ناپاک ہو گئے......
- ......ہاتھ سے چوری کی تو ہاتھ ناپاک ہو گئے......
- ......پاؤں سے غلط کام کے لئے چل کر گئے تو پاؤں ناپاک ہو گئے......
- ......شرمگاہ سے بدکاری کی تو شرمگاہ ناپاک ہو گئی......

لیکن اگر سراپا گناہ میں مبتلا ہو کر بھی توبہ تائب ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی پاک فرما دیں گے۔

گناہ کی بو

نجاست کے اندر بو ہوتی ہے۔لہذا انسان جن اعضاء سے گناہ کرتے ہیں ان اعضاء سے باطنی طور پر بدبو آتی ہے۔اس کی دلیل حدیث پاک میں ملتی ہے۔مثال کے طور پر......

حدیث پاک میں آیا ہے کہ انسان جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے۔ حتیٰ کہ فرشتے اس سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اور اس بندے سے دور ہو جاتے ہیں۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب آدمی کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو ملک الموت کے ساتھ آنے والے دوسرے فرشتے اس آدمی کی اعضاء کو سونگھتے ہیں۔جن جن اعضاء سے اس نے گناہ کئے ہوتے ہیں ان اعضاء سے ان کو بدبو محسوس ہوتی ہے...... جیسے بچے ہوئے کھانے کو عورتیں سونگھ کر پتہ لگالیتی ہیں کہ یہ ٹھیک ہے یا خراب۔ ذرا سی مہک محسوس ہو تو وہ کہتی ہیں کہ کھانا خراب ہے...... بالکل اسی طرح فرشتے موت کے وقت انسان کے اعضاء کو سونگھتے ہیں۔اگر ان میں گناہوں کی بدبو ہو تو انہیں پتہ چل جاتا ہے اور وہ اس بندے کی پٹائی شروع کر دیتی ہیں اور جو توبہ تائب ہونے والا نیکوکار انسان ہوتا ہے اس کے اعضاء گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔لہذا ان سے بدبو محسوس نہیں ہوتی۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب آئے اور آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ہماری محفلوں میں بے محابہ چلے آتے ہیں اور ان کی نگاہوں سے زنا ٹپکتا ہے...... اس سے پتہ چلا کہ بسا اوقات گناہوں کی بدبو بعض نیک لوگوں کو دنیا میں بھی محسوس ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ گناہوں کی یہ بدبو صرف دنیوی زندگی میں اور موت کے وقت ہی فرشتوں کو محسوس نہیں ہوتی بلکہ جہنم میں پڑنے کے بعد بھی ان کے اعضاء سے بدبو محسوس ہو گی۔

چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو انسان زناکار ہیں جہنم میں ڈالنے کے باوجود ان کی شرمگاہوں سے ایسی بدبودار ہوا نکلے گی کہ سارے جہنمیوں کو پریشان کر دے گی اور وہ بڑے غصے کے ساتھ اسی جہنمی کو دیکھ کر کہیں گے کہ تیرے جسم سے کیسی بدبو نکلی جس نے جہنم کے اندر ہماری تکلیف میں اضافہ کر دیا۔

گناہوں کو ہلکا نہ سمجھیں

یاد رکھیں کہ کبھی کسی گناہ کو ہلکا نہ سمجھیں۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے دوست! گناہ کرتے ہوئے یہ نہ دیکھ کہ چھوٹا ہے یا بڑا بلکہ اس پروردگار کی عظمت کو دیکھ کہ جس کی تو نافرمانی کر رہا ہے۔ کبھی کسی نے چھوٹے بچھو کو اس لئے ہاتھ نہیں لگایا کہ یہ چھوٹا ہے۔ کبھی کسی نے چھوٹے انگارے کو ہاتھ لگایا ہے کہ چھوٹا ہے۔ سب چھوٹے بچھو سے بھی ڈرتے ہیں، چھوٹے سانپ سے بھی ڈرتے ہیں اور چھوٹے انگارے سے بھی ڈرتے ہیں۔ کیونکہ وہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔لیکن اگلی بات سن لیں کہ بچھو، سانپ اور انگارے کا نقصان پھر بھی کم ہوتا ہے اور گناہ کا وبال ان سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اہل نظر کی دعاؤں کی برکات

جب انسان اللہ والوں کی نگاہوں میں آتا ہے تو گناہوں کی دلدل سے نکل جاتا ہے۔ایک نوجوان سلسلہ عالیہ میں بیعت ہوئے۔ وہ کہنے لگے کہ میں پاکستان کے وفاق المدارس میں مسلسل تین سال سے فرسٹ آ رہا تھا۔مگر گناہ کبیرہ سے بچ نہ سکا۔ بیعت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما دی۔ جی ہاں، یہ نسبت کا نور ہوتا ہے جو سینوں میں منتقل ہوتا ہے۔ یہ بڑوں کی دعائیں ہوتی ہیں جو انسان کے گرد پہرہ دیتی ہیں۔

دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

یہ اہل نظر کی دعائیں اور اہل ہمم کی ہمتیں ہوتی ہیں۔ وہ تہجد کے اندر گڑگڑا رہے ہوتے ہیں اور ان کے لئے دعا مانگ رہے ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں کہاں کس کس کی دعاؤں کے صدقے گناہوں سے حفاظت فرما رہے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم گناہوں کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں، ہم تو ترکیبیں ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں، ہم گناہوں کا موقع تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔مگر ہماری کوشش کے باوجود ہمیں گناہوں کا موقع نہیں ملتا۔اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں، یہ اللہ والوں کی دعاؤں کا کمال ہوتا ہے جو وہ تہجد کے وقت سالکین کے لئے مانگ رہے ہوتے ہیں۔

خوف خدا ہو تو ایسا......!!!

آج کل ہم گناہ کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمیں گناہ کا موقع نہیں ملتا۔ اس لئے گناہ نہیں کر پاتے۔ جبکہ ہمارے اسلاف ایسے متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے کہ ان کے گرد گناہ کا موقع بھی ملتا تو وہ خوف خدا کی وجہ سے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ مثال کے طور پر......

ایک تابعی کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو عیسائی بادشاہ نے قید کروادیا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کو قتل کروادے۔ مگر اس کے وزیر نے کہا کہ نہیں، اس کے اندر بہادری اتنی ہے کہ اگر یہ کسی طرح ہمارے مذہب میں آجائے تو یہ ہماری فوج کا کمانڈر انچیف بنے گا۔ ایسا بندہ آپ کو کہاں سے مل سکے گا۔ اس نے کہا، اچھا میں اس کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کرتا ہوں...... اس کا خیال تھا کہ میں اس کو لالچ دوں گا۔ چنانچہ اس نے ان کو لالچ دیا کہ ہم تجھے سلطنت دیں گے، تم ہمارا مذہب قبول کرلو۔ مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ جب انہوں نے کوئی توجہ نہ دی تو وہ پریشانی کے عالم میں بیٹھ سوچ رہا تھا۔ اس دوران اس کی نوجوان بیٹی نے پوچھا، ابا جان! آپ پریشان کیوں بیٹھے ہیں؟ اس نے کہا، بیٹی! یہ معاملہ ہے۔ وہ کہنے لگی، ابا جان! آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کو راستہ پر لاتی ہوں۔

چنانچہ بادشاہ نے انہیں ایک کمرے میں بند کروادیا اور اس لڑکی سے کہا کہ تم اسے راستہ پر لے آؤ۔ اب وہ لڑکی اس کے لئے کھانا لاتی اور بن سنور کر سامنے آتی۔ اس کا یہ سب کچھ کرنے کا مقصد انہیں اپنی طرف مائل کرنا تھا۔ وہ لڑکی اس طرح چالیس دن تک کوشش کرتی رہی۔ مگر انہوں نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد وہ ان سے کہنے لگی کہ آپ کیسے انسان ہے، دنیا کا ہر مرد عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور میں اس قدر خوبصورت ہوں کہ ہزاروں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں۔ اور میں تمہارے لئے روزانہ بن سنور کر آتی رہی، مگر تم نے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو مرد نہیں ہے یا کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے غیر عورت کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے میں نے تمہاری طرف توجہ نہیں کی۔

اس لڑکی نے کہا کہ جب تمہیں پروردگار کے ساتھ اتنی محبت ہے تو پھر ہمیں بھی کچھ تعلیمات دو۔ چنانچہ انہوں نے اس لڑکی کو دین کی باتیں سکھانی شروع کردیں۔ شکار کرنے کو آئے تھے،

شکار ہو کر چلے...... بالآخر وہ لڑکی کلمہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ لہذا انہوں نے اس کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنادیا۔ وہ کلمہ پڑھ کر کہنے لگی کہ اب میں مسلمان ہوں، لہذا اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔ بعد میں اس نے خود ہی ایک ترکیب بتائی جس کی وجہ سے ان تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قید سے نجات مل گئی اور وہ لڑکی خود بھی محلات چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ چلی گئی...... اللہ اکبر۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک جوان لڑکی ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے چالیس دن تنہائی میں کوشش کرتی رہی مگر انہوں نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا...... یا اللہ! ہمیں تو حیرانی ہوتی ہے...... فرشتوں کو بھی تعجب ہوتا ہوگا۔ یہ کس لئے تھا؟ اس لئے کہ ان کا تزکیہ ہوچکا تھا اور نفس کے اندر سے گندگی نکل چکی تھی...... مگر آج نوجوانوں کی حالت ایسی ہے کہ وہ گناہ اس لئے نہیں کرپاتے کہ کوئی گناہ کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ورنہ اگر کوئی گناہ کا اشارہ کردے تو گناہ کے لئے ابھی تیار ہیں۔

اتنی پاکباز ہستیاں......!

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ، اس امت میں ایسی ایسی پاکباز ہستیاں بھی گزری ہیں جن کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو بیس بیس سال تک گناہ لکھنے کا موقع ہی نہیں ملا...... اللہ اکبر...... جب یہ حضرات ایسے نامہ اعمال کو لے کر اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوں گے اور دوسری طرف ہم ہوں گے کہ گناہ سے کوئی دن خالی نہیں ہوتا۔ حالانکہ سالک کے دل میں تو ہر وقت غم ہونا چاہئے کہ میں نے اپنے وجود سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کرنا۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم رات کے وقت رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اے میرے اللہ! اے میرے مالک! میں گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔ آپ چاہیں تو مجھے بچا سکتے ہیں۔ آپ میری حفاظت فرمالیجئے۔

دل مغموم کو مسرور کردے
دل بے نور کو پرنور کردے
مرا ظاہر منور جائے الٰہی
مرے باطن کی ظلمت کو دور کردے
غم حیات کے سائے محیط نہ کرنا

کسی غریب کا دل غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولا
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

دل کو غسل دینے کا طریقہ

توبہ کرنے کے دو فائدے:

اگر آپ نے اپنے دل میں پکا ارادہ کرلیا کہ رب کریم! آج میں نے اپنے سب گناہوں سے توبہ کرلی، تو سمجھ لیجئے کہ ہم نے اپنے دل کو دھولیا اور ہم نے اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے قریب کردیا۔ جب تک گناہوں کو نہیں چھوڑیں گے، اس وقت تک اللہ رب العزت کا وصل نصیب نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ کے پاس جب بھی کوئی آتا ہے تو وہ سب سے پہلا کام ہی یہ کرواتے ہیں کہ بھئی! اپنے گناہوں سے توبہ کرو...... اچھا، بعض اوقات شیطان دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ فلاں گناہ نہیں چھوڑ سکتا، تو بھئی! اپنے آپ کو سمجھائیں کہ اگر ہم گناہ نہیں چھوڑ سکتے تو اللہ تعالیٰ تو ہم سے گناہ چھڑوا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے دل ان کی انگلیوں کے درمیان ہیں۔

یقلبها کیف یشآء

''اللہ تعالیٰ جیسے چاہتے ہیں دلوں کو پھیر دیتے ہیں۔''

اگر اللہ تعالیٰ نے دلوں کو پھیر دیا تو پھر گناہوں کو چھوڑنا آسان ہوجائے گا۔ اس لئے توبہ کرنے کی سچی پکی نیت کرلیجئے اور گناہ کو چھوڑنے کا ارادہ کرلیجئے۔ بھلے کوئی بندہ روز گناہ کرتا ہے، پھر بھی وہ توبہ کی نیت کرلے...... اس کے دو فائدے ہوں گے...... ایک فائدہ تو یہ کہ اس توبہ کی وجہ سے آج تک جتنے گناہ کئے وہ تو معاف ہوجائیں گے، پچھلا حساب بےباک ہوجائے گا۔ یہ تو فائدہ ہے ہی سہی اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت مدد فرما کر آئندہ بھی حفاظت فرمادیں گے۔ اول تو دو فائدے ملیں گے، ورنہ ایک فائدہ تو لازمی ملے گا۔ لہٰذا توبہ ایک ایسا عمل ہے جو ہر وقت کرتے رہنا چاہئے، تاکہ اس توبہ سے ہمارے سابقہ سب گناہ معاف ہوجائیں۔ ورنہ شیطان کئی دفعہ ورغلاتا ہے اور کہتا ہے کہ...... نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی...... شیطان ذہن میں ایسی بات ڈال دیتا ہے کہ میں تو روزانہ گناہ کرتا ہوں۔ میں کیسے توبہ کرسکتا ہوں۔ بھئی! سچی بات یہ ہے کہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ:

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

میرے بندے! سو دفعہ توبہ توڑ بیٹھا تو اب بھی میرے دَر پر آجا، میرا دَر کھلا ہے، تو توبہ کرے گا تو میں تیری توبہ قبول کرلوں گا۔

ہم تو ایسے سوچنا شروع کردیتے ہیں کہ جیسے کہ ہم نے بخشنا ہوتا ہے۔ اگر ہم نے کسی کو بخشنا ہوتا تو پھر واقعی ہم تو اتنی سی غلطی بھی معاف نہ کرے۔ او خدا کے بندے اللہ تعالیٰ نے بخشنا ہے اور اللہ رب العزت کی ذات بڑی رحیم و کریم ہے۔ بندے سے معافی مانگنی ہوتی تو یہ بڑا مشکل کام تھا۔ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی تو ہوتی ہے۔ البتہ جو حقوق بندوں کے تلف کئے ہیں وہ تو بندے سے ہی بخشوانے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ نے کسی کا دل دکھایا ہے اور کسی کا حق مارا ہے تو اس بندے سے معافی مانگ لیجئے۔ کیونکہ دنیا کی شرمندگی تھوڑی ہے اور آخرت کی شرمندگی بڑی اور بری ہے۔

ایک آدمی دکان پر اکاؤنٹ کا کام کرتا ہے۔ اس کو پتہ بھی ہے کہ آڈٹ والوں نے چیک کرنے آنا ہے۔ وہ اپنی کتاب کو چیک ہی نہیں کرتا تو جس دن آڈٹ والے آئیں گے تو وہ جوتے ہی کھائے گا۔ لہٰذا اس کو چاہئے کہ وقت سے پہلے ہی اپنا حساب کتاب دیکھ لے Figures ایک دوسرے کے ساتھ ملتی بھی ہیں یا نہیں۔ جس طرح دکاندار وقت سے پہلے اپنے آڈٹ کے لئے تیار ہوتا ہے اسی طرح ہم بھی اپنے قبر کے آڈٹ سے پہلے اپنے آپ کو تیار کرلیں اور یہ بڑا آسان کام ہے۔ کیونکہ توبہ کرتے وقت کوئی Exercise (ورزش) تو نہیں کرنی ہوتی...... اگر کوئی Exercise ہوتی تو تم نے ڈنڈ بیٹھکیں نکالنی ہیں تو ہوسکتا ہے کہ کوئی عذر کرتا کہ میں تو کمزور ہوں۔ لہٰذا نکال نہیں سکتا...... بھئی! توبہ تو دل کی نیت کے ساتھ ہے، اگر کوئی بندہ دل ہی سے نادم ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ''الندم توبة'' کے مصداق دل کی ندامت پر ہی اس کے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔

شرمندگی کی آگ میں جلنا بہتر ہے

اب ایک مسئلہ سن لیجئے...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت ''مَنْ یَّعْمَلْ سُوْءً یُّجْزَ بِهٖ'' (النساء۔۱۲۳) کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو گناہ کرے گا اس کو اس کی سزا ملے گی۔ دنیا کی سزا یہ ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اس پر پریشانیاں ڈال دیں گے اور پھر گناہ کو معاف کردیں گے اور اگر پریشانیاں نہ ڈالیں تو پھر اگر وہ

بندہ خود توبہ تائب ہو جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیں گے۔ یہ بھی تو ایک قسم کی سزا ہی ہے کہ ایک بندہ اپنے دل میں نادم و شرمندہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگتا رہے تو وہ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے بھی گناہ کیا اس کو دو میں سے ایک آگ میں جلنا پڑے گا یا تو دنیا میں ندامت اور شرمندگی کی آگ میں جلے، اندر ہی اندر کڑھن ہو، ندامت ہو، معافی مانگ رہا ہو اور توبہ کر رہا ہو۔ اگر وہ دنیا میں ندامت کی آگ میں جلے تو اللہ تعالیٰ آخرت کی آگ سے محفوظ فرما لیں گے اور اگر دنیا میں نادم اور شرمندہ نہیں ہوگا تو ان گناہوں کی وجہ سے آخرت کی آگ میں جلنا پڑے گا۔

اب آسان طریقہ کون سا ہے؟...... دنیا میں نادم اور شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینا زیادہ آسان ہے، کیونکہ ہم آخرت کی آگ میں جلنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہم تو ناز و نعمت کے پلے ہوئے بندے، ہم تو دھوپ کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے بھلا جہنم کی گرمی کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اسی وقت اپنے تمام گناہوں سے پکی سچی توبہ کر لیں اور دل میں شرمندگی ہو کہ اے میرے مالک! میں اب تک گناہ کرتا رہا، اب مجھے بات سمجھ میں آئی کہ یہ گناہ تو نجاست ہیں اور انہوں نے میرے جسم کے اعضاء کو نجس بنا دیا ہے...... اور واقعی اگر اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی بدبو کو ظاہر فرما دیتے تو ہمارے پاس تو کوئی بیٹھنا بھی پسند نہ کرتا۔ یہ تو پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے پردے ڈال دیئے ہیں...... اس لئے یہی دعا مانگیں کہ رب کریم! جس طرح آپ نے ہماری ظاہری نجاستوں کے اوپر پردے ڈال دیئے ہیں، اسی طرح ہماری باطنی نجاستوں پر بھی پردے ڈال دیجئے۔

جہنم سے خلاصی کا ایک سبب

یاد رکھیں کہ اگر مکھی کے سر کے برابر بھی بندے کی آنکھوں میں سے آنسو اللہ کے خوف کی وجہ سے نکلے گا تو وہ اس بندے کے لئے کبھی نہ کبھی جہنم سے نکلنے کا سبب بن جائے گا۔ جہنم میں ایک جہنمی جل رہا ہوگا۔ وہ دیکھے گا کہ جنتی آئے ہیں اور انہوں نے اپنے واقف لوگوں کی سفارش کی ہیں اور جہنمیوں کو نکال دیا ہے۔ اس بندے کا بھی کوئی ایسا واقف نہ ہوگا جو اس کی سفارش کرے گا۔ وہ اپنی بے بسی دیکھ کر پریشان ہوگا۔ حدیث پاک میں آیا ہے جب کوئی بھی اس کی سفارش نہیں کرے گا تو اس بندے کو پلکوں کا ایک بال اللہ رب العزت کے سامنے فریاد کرے گا

اور کہے گا کہ اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بندہ ایک مرتبہ آپ کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے گناہوں کو یاد کر کے رویا تھا اور اس کی آنکھ سے اتنا چھوٹا سا آنسو نکلا تھا کہ میں اس سے تر ہو گیا تھا، لہٰذا آپ میری گواہی قبول کر لیجئے کہ یہ آپ سے ڈرنے والا بندہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرمائیں گے کہ تم اعلان کر دو کہ ہم نے اس بال کی گواہی کو قبول کر کے اس بندے کو جہنم سے بری فرما دیا ہے۔ سبحان اللہ۔

گناہ کے موقع سے بچنے کی دعا

اللہ کے حضور دعا مانگا کریں اے اللہ! ہمیں گناہوں کے موقع پر سے بچا لیجئے۔

غم حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولا
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

یہ اللہ تعالیٰ ہی گناہوں سے بچا سکتے ہیں۔

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ

''اور میں پاک نہیں کہتا اپنے نفس کو بے شک نفس تو سکھاتا ہے برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے۔'' (یوسف۔ ۵۳)

رب کا رحم کب ہوتا ہے؟...... جب بندہ خود بچنے کی کوشش کرے اور معاملہ اس کے سر سے اوپر پہنچ جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو بچا لیتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب گناہ کی دعوت ملی تو انہوں نے فوراً اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گناہ سے بچا لیا۔

دو عجیب دعائیں

آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کریں کہ اے اللہ! شیطان مردود کو ہم سے دور کر دیجئے۔ چونکہ اللہ والے دعائیں مانگتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمایا کرتے ہیں۔ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتی تھیں تو وہ عجیب دعائیں مانگتی تھیں۔

(۱)...... اے اللہ! رات آ گئی۔ ستارے چھٹک چکے، دنیا کے بادشاہوں نے دروازے

بند کر لئے اللہ! تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے، میں تیرے دَر پر مغفرت کا سوال کرتی ہوں۔

(۲)......اے اللہ! جس طرح آپ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اسی طرح شیطان کو میرے اوپر مسلط ہونے سے روک دیجئے۔

جب انسان اس طرح اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت بھی فرماتے ہیں۔

توبہ کرتے وقت رونے کی فضیلت

یاد رکھیں کہ توبہ کرتے وقت رونے کو معمولی نہ سمجھیں بلکہ کوشش کریں کہ آنکھوں میں سے آنسو موتیوں کی طرح گرنے شروع ہو جائیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی علیہ السلام کا وعظ سن رہے تھے۔ وعظ سنتے ہوئے ایک صحابی زار و قطار رونے لگ گئے۔ ان کی حالت دیکھ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ آج اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح روئے ہیں کہ ان کی وجہ سے یہاں پر موجود سب لوگوں کے گناہ کو معاف کر دیا گیا۔ سچی بات عرض کروں کہ اگر نیکوں پر گنہگاروں کی توبہ کا اجر واضح ہو جائے تو وہ بھی گنہگاروں پر رشک کرنے لگ جائیں کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں مگر ایسی توبہ کی کہ اللہ نے ان کے گناہوں کو ان کی نیکیوں میں تبدیل فرما دیا۔ بلکہ کئی خوش نصیب لوگ ایسے خلوص سے توبہ کرتے ہیں کہ اگر ان کی توبہ کے ثواب کو پورے شہر کے گنہگاروں پر تقسیم کر دیا جائے تو اللہ رب العزت سب گنہگاروں کی مغفر فرما دیں۔

ملفوظات

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس سرہ

گناہ انسانیت سوز ہیں:

فرمایا...... جتنے اعمال و حرکات انسانیت سوز ہیں وہ گناہ کبیرہ ہیں۔ گناہ کبیرہ کے کرنے سے انسان ''اسفل السافلین'' تک جا پہنچتا ہے اور حیوانات سے بھی بدترین ہو جاتا ہے۔ تمام انسانوں کو انسانیت سوز امور سے عموماً اور مسلمانوں کو خصوصی طور پر بچنا چاہئے۔ اس پر حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی گندی چیز سڑ جائے تو اس سے اتنا نقصان نہیں، کیونکہ وہ پہلے سے سڑی ہوئی ہے، لیکن اگر ایک لطیف چیز مثلاً حلوہ (انڈے وغیرہ) سڑ جائے تو اس میں جلد اور زیادہ تعفن پیدا ہوتا ہے، تو اسی طرح سے مسلمانوں کی بداعمالیاں زیادہ تعفن پیدا کرتی ہیں...... بانسبت کفار و مشرکین کی بداعمالیوں کے، وجہ یہ ہے کہ مسلمان صاحب ایمان تھے، ان کے پاس صلاحیت و استعداد تھی، انہوں نے اپنی استعداد سے کام نہ لیا، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم و کرم سے مسلمانوں کو جب ایمان کی دولت عطا فرمائی کہ اس کی بدولت کبھی کبھی رجوع الی اللہ کی توفیق ہو جاتی ہے، اس طرح رجوع الی اللہ اور استغفار سے اس کے گناہ محو ہو جائیں گے تو ایمان بہت بڑی طاقت ہے، لیکن اس کے تحفظ کے لئے سامان ضرور کیا جائے اور اس کو جو ضعف پہنچانے والی چیزیں ہیں، ان سے پرہیز و احتیاط لازمی ہے۔

گناہ عافیت سوز ہیں:

فرمایا...... گناہ عافیت سوز ہیں، جن کو ہم نے اپنے اختیار سے اختیار کر رکھا ہے، جو ناپاک زہریلے اور ہم کو برباد کرنے والے ہیں، ان کا علاج اقرار جرم، گناہوں کو چھوڑنا، رجوع الی اللہ اور بدپرہیزی سے بچنا ہے۔ باقی بیماریوں، دشواریوں اور تکالیف کا ہونا یہ تمام فطری لوازمات ہیں، عافیت سوز نہیں، ان سے کوئی مبرا نہیں، یہ اللہ والوں کو بھی ہوتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم توبہ کرتے ہیں، وظیفے بھی پڑھتے ہیں، لیکن بیماریاں، دشواریاں کبھی رفع نہیں ہوتیں، حالت پہلے والی ہے۔ فرمایا اس کی مثال ایسی ہے جیسی کسی شخص کو ایک دمبل (پھوڑا) ہے، اس کو سخت درد اور تکلیف ہے وہ ایک ماہر سرجن کے پاس گیا، اس نے دمبل کا آپریشن کیا، جتنا اس میں زہریلا مادہ تھا، سب کا سب نکال دیا۔ مرہم لگایا، پٹی کر دی۔ اس نے کہا کہ اب خطرہ سے خالی ہے۔ حالانکہ زخم تو ابھی باقی ہے، اندمال نہیں ہوا، اسی طرح ہمارا حال ہے۔ ہم نے استغفار کیا۔ زہریلا مادہ نکل گیا (زخم) دشواریاں ابھی باقی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آہستہ آہستہ زخم بھر جائے گا، جب اندمال ہو جائے گا تو سکون قلب کی دولت نصیب ہوگی اور معاصی سے نفرت ہو جائے گی۔

(ملفوظ حضرت عارفی رحمہ اللہ)

فرمایا...... آج ساری دنیا حواس باختہ زندگی گزار رہی ہے۔ کوٹھیاں سجی ہوئی اور پرتکلف ہیں۔ آسائش و زیبائش کے سارے سامان ہیں، لیکن عافیت کی دولت سے محروم ہیں۔ جانوروں

کی سی زندگی بسر ہو رہی ہے، اپنے آپ کو تسلی دینے کے لئے سیر و تفریح کا مشغلہ اختیار کرتے ہیں۔ گھر والوں کو بھی کرواتے ہیں، لیکن کیا اس سے عافیت مل سکتی ہے؟ کبھی نہیں!

گناہ چھوڑنے کا مجرب نسخہ:

فرمایا...... فجر کی یا عشاء کی نماز کے بعد خدا کے سامنے تھوڑی دیر بیٹھ کر اپنے اعمال کا محاسبہ کرو اور کہو کہ اے خدا! میرے تمام اعمال سب آپ کے سامنے ہیں، میں نفس اور شیطان سے مغلوب ہوں، یہ میری روزمرہ زندگی ہے۔ یعنی اپنی بے بسی اور مجبوری کو خدا کے سامنے پیش کرو اور کہو یا اللہ! میں چاروں طرف سے گرداب میں پھنس چکا ہوں، یا اللہ! میں کہنے کو مسلمان ہوں لیکن تقاضائے دین سے بالکل خالی، حوادثات میں گھرا ہوا ہوں، بالکل بے بس ہوں۔ اے اللہ میری مدد فرما، میری حالت کو تبدیل فرما، محروم نہ فرما، میں عاجز بندہ ہوں، آپ ارحم الراحمین ہیں۔ میرے صغائر و کبائر سب معاف کردیجئے، یا اللہ! آپ کا وعدہ سچا ہے، میں اقراری مجرم ہوں، گناہوں کے ترک کا پکا ارادہ کرتا ہوں، آئندہ آپ مجھے اپنی حفاظت میں رکھ لیں۔ اسی طرح سے یہ نسخہ کچھ دنوں تک آزمائیں۔ انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

لغزشوں سے انکسار پیدا ہوتا ہے:

فرمایا...... حسنات سے تو معرفت خداوندی بڑھتی ہے اور لغزشوں سے عبدیت و انکسار پیدا ہوتا ہے اور اس کی کوئی حد نہیں۔ اگر لغزشیں نہ ہوں تو عبدیت و تقویٰ ہی پیدا نہ ہو، اس لئے کہ لغزشیں ندامت کا سبب بنتی ہیں اور تقویٰ کی روح رواں ندامت ہے۔ کیونکہ جب اپنی حالت بد پر ندامت ہوگی تو آئندہ اصلاح کی فکر کرے گا اور احتیاط کی کوشش کرے گا۔ یہی تقویٰ کی روح ہے۔

استغفار مقام عبدیت کی انتہاء ہے:

فرمایا...... استغفار بہت بڑی چیز ہے اور مقام عبدیت کی انتہاء ہے۔ اہل حق اور اہل باطل میں یہی فرق ہے کہ ''اهل هوی و هوس'' اور اہل باطل اپنے کاموں اور عبادتوں پر شکر تو ادا کرتے ہیں، مگر استغفار نہیں کرتے۔ ان کو صرف اپنے کاموں پر ناز ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں، بس عبادت کرلی، اب استغفار کی کیا ضرورت ہے اور اہل حق ہمیشہ ڈرتے ہیں، جہاں وہ شکر کرتے ہیں، وہاں ڈرتے ہوئے استغفار بھی کرتے ہیں۔

عبدیت کا جوہر استغفار:

استغفار عبدیت کا خاص الخاص جوہر ہے اور شکر تعلق مع اللہ اور معرفت الٰہی کا خاص الخاص جوہر ہے اور انعامات الٰہیہ کا شکر ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ سے محبت اور معرفت بڑھتی ہے۔ استغفار مقام عبدیت تک لے جانے والی چیز ہے۔ یہ عجز و انکساری اور ندامت قلب کے ساتھ بارگاہ الٰہی کی طرف توجہ کرنا ہے۔ استغفار محدود ہے اور شکر لامحدود ہے۔ شکر کے بجالانے میں جتنی کمی اور تقصیر ہو جائے استغفار کرتے رہو، اس سے شکر کی تکمیل ہوتی رہے گی۔

فرمایا...... شکر کو اپنا وظیفہ بنالو۔ جتنے اعمال کی توفیق ہو جائے اس پر شکر ادا کرنا چاہئے۔ ناقص عمل پر بھی شکر ادا کرو، پھر احساس نقص پر استغفار کرلو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار شکر کا مطالبہ ہے، جیسا کہ فرمایا کہ:

اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا۔۱۳)

متقی بننے کا گمان کبھی نہ ہونے پائے:

فرمایا...... متقی بننا اچھی بات ہے، اس کی تمنا رکھو۔ لیکن خبردار یوں نہ سمجھنا کہ کبھی تم متقی بن بھی جاؤ گے، متقی ہونے کا احساس کبھی نہ ہونے پائے، تقویٰ پیدا کرنے کے طریقے اختیار کرتے رہو، تقویٰ پیدا ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز کرنے سے، جتنا عجز و نیاز بڑھتا چلا جائے گا، جتنی شکستگی بڑھتی چلی جائے گی، جتنی ندامت قلب بڑھتی چلی جائے گی، اتنا ہی تقویٰ بڑھتا چلا جائے گا۔ تقویٰ سے ایمان میں ترقی ہوتی رہے گی اور انعامات الٰہیہ کا شکر ادا کرنے سے معرفت و محبت خداوندی میں ترقی ہوتی رہے گی۔ یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔

بُرے لوگوں کی نشانی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں وہ شخص نہ بتاؤں جو سب سے زیادہ بُرا ہو؟ عرض کیا گیا، اے اللہ کے نبی ﷺ ضرور بتائیے۔ ارشاد فرمایا کہ جو اکیلا کھائے اور اپنے غلام کو مارے، اکیلا کھانے سے مراد یہ ہے کہ مل جل کر رہنے کی عادت نہ ہو اور اپنے ماتحتوں پر سختی کرنے والا ہو۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا شخص بتاؤں جو اس سے بھی بُرا ہو؟ عرض کیا گیا کہ نبی ﷺ وہ بھی بتا دیجئے۔ ارشاد

فرمایا کہ جو آدمی لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں ایسا آدمی اس سے بھی برا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں تمہیں ایک شخص بتاؤں جو اس سے بھی زیادہ برا ہو؟ عرض کیا گیا، اے اللہ کے نبی ﷺ بتادیجئے۔ فرمایا کہ ایسا بندہ کہ نہ اس سے نیکی کی امید ہو اور نہ اس کے شر سے بندے کو امن ہو، پھر اس کے بعد فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا بندہ بتاؤں جو اس سے بھی زیادہ برا ہو۔ عرض کیا گیا، اے اللہ کے نبی ﷺ کون ہے؟ فرمایا کہ جو کسی کی لغزش سے درگزر نہ کرے اور کسی بھی بندے کی معذرت کو قبول نہ کرے۔ یہ معاملہ تو پروردگار نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اگر انسانوں کے بس میں بات ہوتی تو یہ جیتے جاگتے بندے کو جہنم میں پھینک دیتے۔

اے پریشان حال! سچی توبہ کر

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بچو! گناہوں سے بچو، کیونکہ اس کے نتائج برے ہیں۔

کتنے گناہ ایسے ہیں جن کے کرنے والے مسلسل پستی میں گرتے رہے، اس طرح کہ ان کے قدم پھسلتے رہے۔ ان کا فقر بڑھتا رہا، جو کچھ دنیا فوت ہوئی اس پر حسرت بڑھتی رہی، جنہوں نے دنیا پالی تھی اس پر رشک ہوتا رہا اور اگر اپنے کیئے گناہ کا بدلہ ملنے لگا، یعنی اغراض سے محرومی ہونے لگی تو تقدیر پر اس کا اعتراض نئے نئے عذاب لاتا رہا۔

"کس قدر افسوس ہے۔ اس مبتلا، سزا پر! جسے سزا کا احساس نہ ہو اور ہائے وہ سزا! جو اتنی تاخیر سے ملے کہ اس کا سبب بھلا دیا جائے۔"

کیا حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نہیں فرماتے تھے کہ میں نے ایک آدمی کو اس کے فقر پر عار دلایا تو چالیس سال کے بعد خود میں فقر میں مبتلا ہو گیا؟ اور کیا حضرت ابن الخلال نہیں فرماتے تھے کہ میں نے ایک خوبصورت لڑکے کی طرف دیکھ لیا تو چالیس سال کے بعد قرآن شریف بھول گیا۔

پس اس گرفتار سزا پر سخت افسوس ہے، جسے یہ خبر نہیں کہ سب سے بڑی سزا، سزا کا احساس نہ ہونا ہے۔

سچی توبہ کرو! ممکن ہے سزا کا ہاتھ رک جائے اور گناہوں سے خصوصاً خلوت کے گناہوں سے بچو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہ کرنا بندے کو اس کی نگاہ سے گرا دیتا ہے۔ اپنے اور اللہ کے راز کے تعلقات کو سنوارے رکھو، جبکہ اس نے تمہارے ظاہری احوال کو سنوارا ہے۔

اے گناہگار! اس کی ستاری سے دھوکہ میں نہ پڑ، کیونکہ کبھی وہ تیری ستر تک کھول کر رکھ دیتا

ہے۔ اس کے حلم و بردباری سے دھوکہ مت کھا کیونکہ کبھی سزا اچانک آپڑتی ہے۔

گناہوں سے قلق اور خدا سے التجا کا اہتمام کر، کیونکہ تیرے حق میں یہی نافع ہو سکتا ہے۔

"حزن و غم کی غذا کھا اور آنسوؤں کا پیالہ پی۔"

"غم کی کدال سے خواہشات کے دل کا کنواں کھود تا کہ اس سے ایسا پانی نکلے جو تیرے جرم کی نجاست کو دھودے۔" (مجالس جوزیہ)

کیا گناہ ترک کیا جا سکتا ہے؟

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں فرمایا:

"گناہوں کے متعلق ایک بڑی مفید بات آپ کو بتاتا ہوں یہ بات آپ مجھ سے ہی سنیں گے۔" اول تو جہاں تک ہو سکے ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچو اور اگر گناہ کرتے ہی ہو تو اس کو گناہ اور حرام ہی سمجھو اور دوسری بات یہ ہے کہ سوتے وقت دن بھر کے گناہوں کا حساب کر لیا کرو کہ صبح سے اس وقت تک کیا کیا گناہ کیئے خصوصاً وہ گناہ جو معاش کے متعلق ہیں کیونکہ مال حرام سب سے بری چیز ہے یہ تخم ہے تمام گناہوں کا سو اس طرح گناہوں کو یاد کیا کرو اور تخلیہ میں زبان سے کہا کرو کہ اے اللہ میں بڑا نالائق ہوں اور اس قابل ہوں کہ غرق کر دیا جاؤں کوئی عذر میرے پاس نہیں ہے۔ میں نے بہت ہمت کی مگر کامیابی نہیں ہوئی آپ مدد فرمائیے اور مجھے اس خباثت سے نجات عطا فرمائیے۔

میں یہ ایسی کام کی بات بتاتا ہوں کہ اول تو اس سے وہ گناہ ہی چھوٹ جائے گا اور اگر بالفرض نہ چھوٹا اور ساری عمر اس میں مبتلا رہے تب بھی اتنا فائدہ پہنچے گا کہ مرتے وقت صرف ایک گناہ ہی سر رہے گا۔ کیونکہ جب روز توبہ کی جاتی ہے تو اس سے ماضی کا تو کفارہ ہو جاتا ہے، بجائے اس کے کہ سو دن کے گناہ سر ہوتے ایک ہی دن کے رہ جائیں گے جو تدبیر میں نے بتائی ہے اس سے آپ کے ذمہ صرف ایک دفعہ رہ جاتی ہے اور بغیر اس کے بہت سی دفعات لگی ہوئی ہیں یعنی بے فکری کا گناہ غفلت کا گناہ روزانہ کی بداعمالیوں کا گناہ رہ جائے گا اور ان گناہوں کے لئے ایک اور کام کی بات عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ گناہ جن کو چھوڑنے میں ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی اور ایک وہ جن کو چھوڑنے میں کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ اول کی مثال مردوں کے لئے ریشم پہننا، داڑھی منڈوانا وغیرہ۔ ان کو چھوڑنے میں کیا تکلیف ہوتی ہے۔ ان کو فوراً چھوڑ دینا چاہئے۔ دوسری قسم گناہ کی یہ ہے مثلاً ناجائز ملازمت رشوت لینا (عورتوں کا نامحرم کے ساتھ

آنا، باریک لباس پہننا، ننگے سر رہنا وغیرہ) تو ایسے گناہوں کے متعلق کہہ دیتا ہوں کہ رفتہ رفتہ چھوڑ دو نیت یہ ہوتی ہے کہ کس طرح تو چھوڑیں جن سے ایک دم چھوڑنے کی امید نہیں بلکہ اگر ان پر زور ڈالا جائے تو عمر بھر بھی نہ چھوڑیں اس کے لئے وہی طرز عمل رکھو جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔

کہ رات کو وہ گناہ یاد کرو اور اپنی خطا کا اعتراف کر کے زبان کہ ''اے اللہ میں بڑا نالائق ہوں، گندہ ہوں، اپنی غلطی سے شرمندہ ہوں۔ اسی طرح اور سخت الفاظ اپنے متعلق استعمال کر اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ میں حاضر ہوں آپ میری مدد فرما دیں۔ میرا قلب ضعیف ہے گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں ہے آپ ہی میری نجات کا سامان فرما دیجئے، یا اللہ اب تک جو میں نے گناہ کئے ہیں اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے میں یہ نہیں کہتا کہ میں پھر گناہ نہیں کروں۔ گا (اس لئے کہ مجھے اپنی ہمت اور نیت پر بھروسہ نہیں اور بری عادت کا چھوڑنا آسان نہیں ہے) اگر گناہ ہوگا تو پھر آپ سے معاف کرا لوں گا (آپ اس طرح عمل شروع کر دیں) اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ اول تو گناہ چھوٹ جائے گا اور اگر ساری عمر بھی نہ چھوٹا تو صرف ایک دفعہ کے آپ مجرم رہیں گے۔ لیجئے میں نے ایسی آسان تدبیر بتلا دی ہے جس کی نسبت میرا دعویٰ ہے کہ اس سے زیادہ تخفیف دس برس تک بھی کسی مصلح سے نہ سنئے گا اور اس بیان پر شاید بعض طبقوں میں شبہ پیدا ہو کہ یہ گناہ کی تعلیم کی جا رہی ہے۔ سو سمجھ لو کہ یہ گناہ کی تعلیم نہیں ہے ترک گناہ کی تعلیم ہے ہاں اس کے لئے سہولت کی شکل نکالی گئی ہے۔

بدعملی کی سزا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے جماعت مہاجرین! پانچ خصلتیں ہیں جن کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ تمہارے اندر پیدا ہو جائیں۔ ایک یہ ہے کہ جب کسی قوم میں بے حیائی پھیلتی ہے تو ان پر طاعون اور وبائیں نیز ایسے ایسے نئے نئے امراض مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو ان کے آباؤ اجداد نے سنے بھی نہ تھے اور دوسرے یہ کہ جب کسی قوم میں ناپ تول میں کمی کا مرض پیدا ہو جائے تو ان پر قحط اور گرانی مشقت محنت اور حکام کے مظالم مسلط کر دیئے جاتے ہیں اور تیسرے یہ کہ جب کوئی قوم زکوٰۃ ادا نہ کرے تو بارش بند کر دی جاتی ہے اور چوتھے یہ کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑے تو اللہ تعالیٰ اس پر اجنبی دشمن مسلط فرما دیتے ہیں جو

ان کے مال بغیر کسی حق کے چھین لیتا ہے اور پانچویں یہ کہ جب کسی قوم کے ارباب اقتدار کتاب اللہ کے قانون پر فیصلہ نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام ان کے دل کو نہ لگیں تو ان کے آپس میں منافرت اور لڑائی جھگڑے ڈال دیتے ہیں۔ (بیہقی، ابن ماجہ)

توبہ کی شان

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام اور شیطان کی دشمنی ٹھن گئی تو شیطان آدم علیہ السلام کا حاسد اور فریبی دشمن تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو تاج خلافت پہنا دیا گیا۔ جنتوں کے وعدے دیئے گئے تو شیطان کو فکر ہوئی۔ اس نے کہا ''یا اللہ! آدم بہر حال میرا دشمن ہو گیا اور میں اس کا دشمن۔ اس کے پاس عقل بھی ہے اور اسباب ہدایت بھی ہیں۔ یہ تو میرا ناطقہ بند کر دے گا۔ کچھ وقت مجھے بھی دیجئے گا کہ میں اس پر غالب رہوں۔''

حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ''ہم نے تجھے اکثریت کی قوت دی۔ آدم علیہ السلام کا اگر ایک بیٹا ہوگا تو تیرے دس بیٹے ہوں گے۔ اس کے سو ہوں گے تیرے ایک ہزار ہوں گے، تو ہمیشہ اکثریت میں رہے گا۔ یہ ایک ارب ہوں گے تو دس ارب ہوگا۔''

مگر وہ بھی بڑا ہوشیار ہے اس نے دیکھا کہ بعض دفعہ تو اقلیت بھی اکثریت پر غالب آ جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں اکثریت ہی کا غلبہ ہو۔ اس نے عرض کیا۔ ''یا اللہ! بے شک میں اکثریت میں ہو گیا لیکن اگر طاقتور اقلیت ہو وہ تو اکثریت پر غالب آ جاتی ہے اس لئے مجھے اور طاقت دیجئے۔''

فرمایا...... ''تجھے یہ طاقت دیتے ہیں کہ تو آدم کے بدن میں اس طرح سرایت کر سکے گا جیسے خون رگوں میں دوڑتا ہے!''

کہنے لگا...... ''اب میں اسے پچھاڑ سکوں گا۔ اس لئے اس کے اندر گھس کر قلب میں وسوسے ڈالوں گا، دماغ کو خراب کروں گا اور جو چاہے اندر جا کے کروں گا۔ اب مجھے طاقت مل گئی۔'' اور وہ مطمئن ہو گیا۔

اب حضرت آدم علیہ السلام کو فکر پڑی کہ اس کم بخت کی یہ طاقت کہ میرے اندر گھس جائے۔ میرے اندر تو یہ طاقت نہیں کہ اس کے اندر گھس سکوں تو یہ غالب رہے گا ان سب کو جہنمی بنا دے گا۔ مجھے بھی تو کوئی قوت دیجئے (میں بھی اس کا مقابلہ کر سکوں)

حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ''آدم تجھ کو بھی ہم ایک طاقت دیتے ہیں کہ شیطان کی ہزار برس کی

کارروائیاں ایک دم میں سب ملیامیٹ ہوجائیں گی اور وہ ایسے چت ہوگا کہ چاروں شانے لگ جائیں گے۔"

کفر تک اگر ہوجائے تو توبہ نصیب ہونے پر ایک منٹ میں سارا کفر ختم ہوجائے گا۔

اس نے سو برس کفر کرایا۔ تم نے ایک سچی توبہ کی وہ سارا سو برس کا کفر ختم ہوجائے گا۔ اس کی ساری کارستانیاں ختم ہوجائیں گی۔ تو توبہ میں اتنی بڑی طاقت ہے کہ شیطان بھی اس سے عاجز ہے۔ اس لئے آدمی توبہ نہ چھوڑے۔ ذرا سی بات ہوئی فوراً توبہ کرلے بلکہ استغفار کو مستقل تسبیح کے طور پر پڑھے۔ کم از کم سو دفعہ روزانہ استغفار کرے۔

"استغفر اللّٰہ تعالٰی ربی من کل ذنب واتوب الیہ" سو دفعہ پڑھے۔ سو گناہ نہیں کرے گا مگر سو استغفار ہوجائیں گے تو اس کے گناہ ختم ہوتے رہیں گے اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ صرف دس منٹ کی بات ہے۔ صبح کی نماز کے بعد اگر سو دفعہ استغفار پڑھ لے تو کوئی محنت تو نہیں مشقت نہیں۔ دن بھر میں سو گناہ نہیں کرتا مگر توبائیں (توبہ کی جمع) سو ہو گئیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ سب گناہ ختم ہوجائیں گے۔

بہر حال قلب کا رخ صحیح رکھے اعتدال کے ساتھ چلتا رہے جب گناہ ہو معافی مانگ لے ایک نہ ایک روز منزل پر پہنچ جائے گا۔

ستر کلمات استغفار

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ارشاد الساری میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کوئی مظلوم قید خانہ میں چلا گیا وہاں اس کو نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ ﷺ نے اس قیدی کو استغفار کے ستر (۷۰) کلمات تعلیم فرمائے کہ روزانہ دس استغفار اس طرح پڑھنے کے لئے فرمایا کہ جمعہ سے شروع کر کے جمعرات کو ختم کرلے۔ قیدی نے ان استغفارات کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نجات دے دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کو روزانہ صبح پڑھا کرتے تھے۔

ان کلمات استغفار کا ترجمہ حضرت مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ کا ہے۔

اصل کتاب میں ہر استغفار کے بعد یہ درود شریف لکھا ہوا ہے۔

فَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ

وَاغْفِرْهُ لِيْ يَا خَيْرَ الْغَافِرِيْنَ.

اس لئے ہر استغفار کے بعد اس درود شریف کو پڑھ لیا جائے۔

حقیقی استغفار:

کتاب "حصن حصین" میں ہے کہ جب کوئی غافل دل سے استغفار کرے گا کہ جس دل میں مغفرت مانگنے کا مضمون حاضر نہ ہو اور دل سے خدا تعالیٰ کی طرف التجا نہیں کر رہا تو اس کا پھر نتیجہ یہ ہے کہ مغفرت کاملہ سے محروم رہے گا۔ حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ ایسے ہی استغفار کی نسبت فرماتی ہیں "کہ ہمارا استغفار خود بہت سے استغفار کا محتاج ہے۔"

اللہ اللہ اللہ

(۱)...... یا اللہ!...... آپ نے مجھے عافیت بخشی...... آپ کے فضل وکرم سے بہت سی نعمتیں آپ کی کھائیں اور برتیں آپ نے کبھی بھوکا نہیں رکھا...... برابر روزی پہنچائی آپ کی ان نعمتوں کے کھانے سے قوت آئی لیکن میں نے اس قوت کو بجائے آپ کی فرمانبرداری کے نافرمانی میں خرچ کیا...... کتنے ہی میں نے عیب کئے آپ نے لوگوں سے پردہ میں رکھا...... کبھی آپ کا خوف آیا تو آپ کے امن وعافیت سے دھوکہ کھا گیا اور سمجھا کہ مجھے آپ نہ پکڑیں گے اور آپ کی پکڑ کا خیال بھی آیا تو آپ کے حلم کی طرف دھیان گیا اور عفو وکرم کی امید میں گناہ کر بیٹھا! اے اللہ میں ہر ایسے گناہ سے معافی چاہتا ہوں مجھے بخش دیجئے۔

(۲)...... یا اللہ!...... میں آپ سے ہر اس گناہ کی معافی چاہتا ہوں جو آپ کے غضب کا باعث ہو اور ہر اس گناہ سے بھی جس کو آپ نے منع کیا تھا اور میں کر گزرا اور اس گناہ سے بھی معافی مانگتا ہوں جس کی نحوست میں آپ کی عبادت واطاعت سے محروم ہوا۔

(۳)...... یا اللہ!...... میں ہر اس گناہ کی بھی معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کی مخلوق میں سے کسی کو گناہ میں لگا دیا ہو حیلہ وحوالہ کر کے اس کو گناہ کی بات پھنسا دیا ہو...... یا اسے تو گناہ کی بات کا علم نہ تھا میری بتانے سے اس گناہ کو مانا اور یا...... کسی کے گناہ کا باعث ہوا ہوں...... کل قیامت کے روز ان گناہوں کو لے کر کس طرح سامنے آؤں گا۔ الٰہی! مجھے اور میرے ہر ایسے گناہ کو معاف فرما دے۔

(۴) یا اللہ!...... میں ہر ایسے گناہ سے پناہ چاہتا ہوں جو گمراہی اور کفر کی طرف لے

جائے...... راہ سے بے راہ کر دے...... لوگوں میں بے وقار کر دے...... دنیا وآخرت میں رسوائی ہو جائے اور دیگر ایسے گناہ کر گزرا تو الٰہی مجھے معاف فرما دے۔

(۵)...... یا اللہ!...... ایسے گناہ کہ جن کے ارتکاب سے میں نے اپنے جسم کو تھکا دیا اور مخلوق سے پردہ کرتا رہا لیکن ہائے تجھ سے پردہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن تجھ سے پردہ میں ہو جانے کا خیال بھی نہ آیا۔ اس کی باوجود کہ آپ مجھ کو رسوا کر سکتے تھے مجھے رسوائی سے بچا لیا اور حقیقت میں آپ کی سوا اور کون ایسا ہے کہ گناہ دیکھتا ہو اور پردہ پوشی کرتا ہو۔ اے اللہ! میرے ہر گناہ کو معاف فرما دے۔

(۶)...... یا اللہ!...... میں تو نافرمانی کرتا رہا لیکن آپ نے اپنے علم سے مجھے ڈھیل دے دی...... مجھے گناہ کرتے دیکھ کر بھی مجھے چھوڑے رکھا...... اس بداعمالی کے ساتھ میں نے جو مانگا آپ نے دیا۔ آپ کا کہاں تک شکر ادا کروں...... مجھ پر میرے دشمنوں نے خفیہ وعلانیہ حملے کئے مجھے ایذا پہنچانی چاہی لیکن آپ نے مجھے ان کے حملوں سے بچا لیا اور مجھے رسوا نہ ہونے دیا۔ آپ نے مجھ گنہگار و عاصی کی اس طرح مدد کی جیسے آپ اپنے اطاعت گزار بندوں کی مدد فرماتے ہیں۔ مجھے اس طرح رکھا جیسا اپنے پسندیدہ بندہ کو رکھا کرتے ہیں لیکن اے پروردگار! اس کرم کے ہوتے ہوئے بھی میں گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا اور باز نہ آیا...... الٰہی! مجھے محض اپنے فضل وکرام سے بخش دیجئے۔

(۷)...... یا اللہ!...... میں نے کتنی بار توبہ کی...... قسمیں کھائیں...... واسطے دیئے کہ اب یہ گناہ نہ کروں گا لیکن جب شیطان نے اس گناہ کی طرف دعوت دی...... مجھے میرے نفس نے اس کو مزین کر کے سامنے کیا تو میں نے بے دھڑک اس گناہ کا ارتکاب کیا افسوس مجھے لوگوں سے تو حیا آئی لیکن آپ سے کبھی حیا نہ کی کہ آپ ہر وقت دیکھنے اور خبر رکھنے والے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ سے کہاں چھپ سکتا ہوں نہ کوئی مکان...... نہ اندھیرا...... نہ کوئی حیلہ وتدبیر آپ سے اوجھل کر سکتا ہے۔ افسوس میری اس جرأت پر کہ جس کام کو آپ نے منع کیا تھا میں نے جان کر بھی مخالفت کی پھر بھی آپ نے پردہ فاش نہ کیا بلکہ اپنے بندوں میں اس طرح شامل رکھا کہ گویا میں بھی آپ کا فرمانبردار بندہ ہوں۔ ان گناہوں سے شرمندہ ہوں کہ ان کو سوائے آپ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ چاہتے گناہ کرنے کے بعد کوئی نشان چہرے پر لگا دیتے لیکن اے اللہ! تو نے نیکوں کا سا چہرہ بنائے رکھا...... لوگوں کی نگاہ میں باعزت رہا۔ لوگ مجھے اپنے نزدیک اچھا ہی سمجھتے رہے ورنہ میں تو جیسا تھا آپ کے علم میں ہے...... یہ محض آپ ہی کا فضل وکرم تھا۔ الٰہی! آپ ایسے سب گناہ میرے بخش دیجئے۔

(۸)...... یا اللہ!...... میں ہر اس گناہ کی معافی چاہتا ہوں جس کی لذت سے میں نے ساری کالی کر دی...... اس کی فکر میں دماغ سوزی کرتا رہا...... رات سیاہ کاری میں گزاری اور صبح نیک بن کر باہر آیا حالانکہ میرے دل میں بجائے نیکی کے وہی گناہ کے گندگی بھری رہی۔ اے پروردگار! تیری ناراضگی کا کوئی خوف ہی نہ کیا...... میرا کیا حال ہوگا۔ الٰہی مجھے اپنی مہربانی سے معاف فرما دے۔

(۹)...... یا اللہ!...... میں اس گناہ کی بھی معافی چاہتا ہوں جس کے سبب آپ کے کسی ولی پر ظلم کیا ہو یا آپ کے کسی دشمن کی مدد کی ہو یا تیری مخالفت میں چل کھڑا ہوا ہوں یا تیرے اوامر ونواہی کے خلاف تگ ودو میں لگا رہا ہوں ایسے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

(۱۰)...... یا اللہ!...... اس گناہ سے بھی معافی دے کہ میں نے مسلمانوں میں بغض وعداوت اور منافرت پھیلا دی ہو یا میرے گناہوں کے باعث مسلمانوں پر آفت ومصیبت آ گئی ہو یا میرے گناہ کی وجہ سے دشمنان اسلام کو ہنسنے کا موقع ملا ہو یا دوسروں کی میرے گناہ کی وجہ سے پردہ دری ہوئی ہو یا میرے گناہ کے باعث مخلوق پر بارش برسانے سے روک لی گئی ہو۔ الٰہی! میرے سب گناہ بخش دیجئے۔

(۱۱)...... یا اللہ!...... آپ کی ہدایت آ جانے کے بعد اور دین کی بات کا علم ہو جانے کے بعد بھی میں نے آپ کو غافل بنائے رکھا۔ آپ نے حکم دیا...... یا منع کیا...... کسی عمل کی رغبت دلائی...... اپنی رضا ومحبت کی طرف بلایا اور اپنے قریب کرنے کے لئے اعمال خیر کی دعوت دی۔ آپ نے سب کچھ انعام کیا لیکن میں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ الٰہی! میری ہر ایسی خطا کو معاف فرما دے۔

(۱۲)...... یا اللہ!...... جس گناہ کو کر کے میں بھول گیا ہوں لیکن آپ کے یہاں وہ لکھا ہوا ہے میں نے اس کو ہلکا سمجھا لیکن نافرمانی پھر نافرمانی ہے وہ آپ کے یہاں موجود پاؤں گا۔ میں نے بارہا اعلانیہ گناہ کیا آپ نے چھپا لیا...... لوگوں نے دھیان نہ کیا اور ہر ایسا گناہ جس کو آپ نے اس لئے رکھ چھوڑا ہے کہ توبہ کرے گا تو معاف کریں گے الٰہی! میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ مجھے فرما دیجئے اور میری توبہ قبول فرمائیے۔

(۱۳)...... یا اللہ!...... میں نے ایسے گناہ بھی کئے کہ میں کرتا رہا اور ڈرتا رہا ہوں کہ اب پکڑا جاؤں گا مگر آپ نے بچائے رکھا...... میں نے گناہ کرنے میں پوری کوشش صرف کر دی...... رسوائی کا بھی خیال نہ کیا لیکن آپ نے پردہ پوشی ہی فرمائی۔ الٰہی وہ گناہ بھی میرے معاف کر دے۔

(۱۴)...... یا اللہ!...... مجھے اس گناہ کی وعید اور سزا معلوم تھی آپ نے اس کے عذاب سے ڈرایا۔ اس کی برائی بیان کی مجھے علم تھے لیکن نفس وشیطان نے سے ایسا سجایا کہ میں نے آپ کی وعید ودھمکی سے بے اعتنائی برتی۔ اے اللہ! مجھے معاف فرمادے۔

(۱۵)...... یا اللہ!...... میں ہر ان گناہوں سے معافی چاہتا ہوں جو آپ کی رحمت سے دور کردیں اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہوں۔ عزت سے محروم کردیں اور برائی کے لائق کردیں۔ آپ کی نعمتوں کے زوال کا سبب ہوں۔

(۱۶)...... یا اللہ!...... میں ہر اس گناہ سے معافی چاہتا ہوں جس سے میں نے آپ کی کسی مخلوق کو عار دلائی ہو...... یا آپ کی مخلوق کو فعل قبیح میں مبتلا کردیا اور خود میں بھی اس میں لگ گیا ہوں اور جرأت کے ساتھ کر رہا ہوں۔

(۱۷)...... یا اللہ!...... گناہ کرکے توبہ اور توبہ کرنے بعد پھر وہی کیا۔ اپنی توبہ کو جا نثار رہا اور گناہ کرتا رہا۔ رات کو معافی مانگی دن کو پھر وہیں چلا گیا اور بار بار یہی حال رہا۔ الٰہی میں اپنے گناہوں کا اقراری ہوا اور آپ کی نعمتوں کا بھی اقرار کرتا ہوں مجھے معاف فرمادے۔

(۱۸)...... یا اللہ!...... میں نے آپ سے کوئی وعدہ کیا ہو یا نذر مان کر کوئی عبادت واجب کی ہو یا آپ کی کسی مخلوق سے وعدہ کرکے پھر گیا ہوں یا غرور میں آکر اس کو ذلیل وحقیر سمجھا ہو اے اللہ! اس کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما اور مجھے معاف فرمادے۔

(۱۹)...... یا اللہ!...... آپ نے نعمت عطا کی اس سے قوت آئی لیکن آپ کی دی ہوئی قوت کو میں نے آپ ہی کی نافرنی میں خرچ کیا۔ کتنا بُرا کیا...... آپ نے تو کھلایا پلایا اور میں نے آپ ہی کی مخالفت کی آپ کو ناراض کرکے مخلوق کو راضی کیا...... نادم ہوں، برا کیا...... اے اللہ! مجھے معاف فرمادے۔

(۲۰)...... یا اللہ!...... کتنی بار ایسا ہو کہ میں نیکی کے ارادے سے چلا مگر راستے ہی میں گناہ کی طرف چلا گیا اور جہاں تیرا غضب نازل ہوتا وہاں نفس کو راضی کیا اور آپ کی ناراضگی کی پرواہ نہ کی۔ میں آپ کے غضب وعذاب کو بھی جانتا تھا مگر شہوت نے ایسا حجاب ڈال دیا... یا کسی دوست نے ایسا ورغلایا کہ گناہ ہی اچھا معلوم ہوا۔ الٰہی یہ سب کرتوت کرکے آیا ہوں اور اس امید سے آیا ہوں کہ آپ ضرور سب گناہ معاف فرمادیں گے...... اب اس امیدوار کو نا امید نہ فرمانا...... میرے سب گناہ معاف فرمادیجئے۔

(۲۱)...... یا اللہ!...... میرے گناہوں کو آپ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں...... میں تو کرکے بھول بھی گیا ہوں مگر آپ کے علم میں سب ہیں۔ کل بروز قیامت آپ مجھ سے سوال کریں گے...... سوائے اقرار کرنے کے اور کیا جواب دوں گا۔ اے اللہ مواخذہ نہ فرمانا آج ہی وہ سب گناہ معاف فرمادیجئے۔

(۲۲)...... یا اللہ!...... بہت سے گناہ اس طرح کئے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ آپ کے سامنے ہوں مگر خیال کیا کہ توبہ کرلوں گا...... معافی چاہ لوں گا۔ ''الٰہ العالمین!'' گناہ کرلیا اور نفس وشیطان نے توبہ واستغفار سے باز رکھا...... گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا رہا الٰہی! میری اس جرأت پر نظر نہ فرمانا...... اپنی شان کریمی کے صدقے مجھے معاف فرمادے میں توبہ کرتا ہوں...... معافی چاہتا ہوں۔ اے اللہ!...... مجھے معاف کردے۔ آپ کے سوا اور کون معاف کرنے والا ہے۔

(۲۳)...... یا اللہ!...... ایسا بھی ہوا کہ گناہ کرکے میں نے آپ سے حسن ظن رکھا کہ آپ عذاب نہ دیں گے...... آپ معاف کردیں گے اس وقت میرے نفس نے یہی پٹی پڑھائی کہ اللہ کا کرم ورحمت تو بہت وسیع ہے اور آپ پردہ ڈالتے رہے بس میں سمجھا کہ جب وہ پردہ پوشی فرمارہے ہیں تو عذاب بھی نہ دیں گے۔ بس اسی خیال میں آکر بہت سے گناہ کرلئے...... اے اللہ! مجھے معاف فرمادے۔

(۲۴)...... یا اللہ!...... ان گناہوں کی بھی معافی چاہتا ہوں جن کی وجہ سے دعا کے قبول ہونے سے محروم ہوگیا...... روزی کی برکت اور خیر نہ رہی۔ ان گناہوں کو بھی معاف فرمادے۔

(۲۵)...... یا اللہ!...... جن گناہوں کے سبب لاغری آتی ہے اور نقاہت چھا جاتی ہے۔ بروز قیامت حسرت وندامت ہوگی ان گناہوں کو بھی معاف فرمادے۔

(۲۶)...... یا اللہ!...... جو گناہ باعث تنگی رزق ہوں...... باعث مانع خیر وبرکت ہوں...... باعث محرومی حلاوت عبادت ہوں سب معاف فرمادے۔

(۲۷)...... یا اللہ!...... جس گناہ کی میں نے تعریف کی ہو یا کینہ کی طرح دل میں چھپایا ہو یا دل میں عزم مصمم کرلیا ہو کہ یہ گناہ کروں گا یا زبان سے اظہار بھی کردیا ہو یا وہ گناہ جو میں نے اپنے قلم سے لکھا ہو یا اعضاء سے اس کا ارتکاب کرلیا ہو یا اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اس گناہ کے کرنے پر آمادہ کیا ہو ایسے سب گناہوں کو معاف فرمادیجئے۔

(۲۸)...... یا اللہ!...... میں نے گناہ رات کو بھی کیے دن کو بھی کیے۔ لیکن آپ نے اپنے حلم سے پردہ پوشی فرمائی کہ کسی مخلوق کو اس کا علم نہ ہونے دیا...... میں نے آپ کی اس ستاری فرمانے کا کچھ خیال نہ کیا۔ میرے نفس نے اس گناہ کو پھر مزین کر کے پیش کیا اور گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے پھر کر گزرا۔ میں بار بار ایسا ہی کرتا رہا۔ ''الٰہ العالمین''۔ میرے اس حال کو خوب جانتے ہیں آئندہ ایسا نہ کروں گا آپ سے توفیق مانگتا ہوں میں توبہ کرتا ہوں معافی چاہتا ہوں۔ الٰہی معاف فرما دیجئے۔

(۲۹)...... یا اللہ!...... بہت سے گناہ بڑے تھے لیکن میں نے ان کو چھوٹا سمجھا اور محض اس خیال سے کہ کرلو...... دیکھا جائے گا میں کر گزرا۔ اب آئندہ ایسا نہ کروں گا آپ بچنے کی توفیق دے دینا اب میں معافی چاہتا ہوں ایسے گناہ بخش دیجئے۔

(۳۰)...... یا اللہ!...... میں نے آپ کی کسی مخلوق کو گمراہ کیا ہو...... اس کو گناہ کی بات بتائی ہو...... اکسایا ہو...... اپنے آپ کو بچانے کی خاطر اس گناہ میں پھنسا دیا ہو یا میرے نفس نے گناہ کو ایسا سجا دیا ہو کہ مجھے دیکھ کر دوسرا اس گناہ میں مبتلا ہو گیا ہو۔ اور جان بوجھ کر گناہ کرتا رہا۔ ''الٰہ العالمین!'' سب گناہوں کو معاف کر دیجئے۔

(۳۱)...... یا اللہ!...... میں نے امانت میں خیانت کی ہو...... خیانت مال کی ہو یا زبان کی ہو اور نفس نے اس کو مزین کر دیا اور میں اس میں مبتلا ہو گیا یا شہوانی خیانت کر لی ہو یا کسی کو گناہ کرنے میں امداد دی ہو یا کسی بھی طریقہ سے اس کو گناہ کرنے پر قوت پہنچائی ہو یا اس کا ساتھ دیا ہو...... کبھی کوئی نصیحت کرنے والا آیا میں نے اس کو برا بھلا کہا ہو...... کسی قسم کی اس کو ایذا دی ہو یا تکلیف پہنچائی ہو یا کسی حیلہ کے ذریعہ اس کو ناحق ستایا ہو اے اللہ! میں معافی چاہتا ہوں مجھے معاف فرما دے۔

(۳۲)...... یا اللہ!...... میں آپ سے گناہ کی معافی چاہتا ہوں جس کی وجہ سے آپ کے غضب کے قریب ہو گیا ہوں یا کسی مخلوق کو گناہ کی طرف لے گیا یا ایسی خواہش دلائی ہو کہ وہ اطاعت و عبادت سے دور ہو گیا ہو۔

(۳۳)...... یا اللہ!...... میں نے عجب کیا ہو...... ریا کاری کی ہو...... کوئی آخرت کا عمل شہوت کی نیت سے کیا ہو...... کینہ...... حسد...... تکبر...... کذب...... غیبت...... خیانت...... چوری ...... اپنے اوپر اترانا...... دوسرے کو ذلیل کرنا یا اس کو حقیر سمجھ کر یا حمیت...... و عصبیت میں آکر

بے جا سخاوت...... ظلم...... لہو و لعب...... چغلی یا اور کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو جس کے سبب میں ہلاکت میں آگیا ہوں...... الٰہی مجھے فرد ے۔

(۳۴)...... یا اللہ!...... غیر اللہ سے عقلی طور پر ڈر گیا ہوں...... تیرے کسی ولی سے دشمنی کی ہو، الٰہی! تیرے دشمنوں سے دوستی کی ہو اور تیرے دوستوں کو رسوا کیا ہو یا تیرے غضب میں آجانے کا کام کیا ہو، تو الٰہی مجھے معاف فرما دے...... میری توبہ ہے۔

(۳۵)...... یا اللہ!...... وہ گناہ جو آپ کے علم میں موجود ہیں اور میں بھول گیا ہوں ان گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔

(۳۶)...... یا اللہ!...... کوئی گناہ اور اس سے توبہ کی لیکن جرأت کر کے پھر اس توبہ کی پرواہ نہ کی ہو یکے بعد دیگرے گناہ کرتا چلا گیا۔ الٰہی! ان تمام گناہوں سے پناہ دے دے اور مجھ بخش دے۔

(۳۷)...... یا اللہ!...... جس گناہ کے کرنے سے عذاب کے قریب ہو گیا ہوں اور آپ سے محروم ہو گیا ہوں یا تیری رحمت سے وہ گناہ حجاب میں ہو گیا یا اس کی وجہ سے تیری کسی نعمت سے محروم ہو گیا ہوں ان تمام گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔

(۳۸)...... یا اللہ!...... میں نے آپ کے مقید حکم کو مطلق کر دیا ہو یا مطلق حکم کو مقید کر دیا ہو اور میں اس کی وجہ سے خیر سے محروم ہوں اے اللہ! اس کو معاف فرما دے۔

(۳۹)...... یا اللہ!...... جو گناہ آپ کی عافیت دینے کے باوجود عافیت میں دھوکہ کھا کر کر لیا ہو تیری نعمت کو غلط ناجائز استعمال کیا ہو یا آپ کے رزق کی وسعت کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو گیا یا عمل تیری رضا کے لئے کر رہا تھا لیکن نفس کی شہوت کے غلبہ سے وہ کام تیری رضا سے نکل گیا ہو اس کی معافی دے دے۔

(۴۰)...... یا اللہ!...... کوئی گناہ تھا میں نے رخصت سمجھ کر کر لیا...... جو حرام تھا اس کو حلال سمجھ کر کر لیا ہو تو آج اسے بھی معاف فرما دیجئے۔

(۴۱)...... یا اللہ!...... بہت سے گناہ آپ کی مخلوق سے چھپا کر کر لئے لیکن آپ سے کہاں چھپا سکتا تھا۔ الٰہی! میں اپنا عذر پیش کرتا ہوں اور آپ سے معافی چاہتا ہوں معافی چاہنے کے بعد بھی گناہ ہو جائے تو اس کی بھی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے بخش دیجئے۔

(۴۲)...... یا اللہ!...... جس گناہ کی طرف میرے پیر چلے ہوں...... میرے ہاتھ بڑھے ہوں...... میری نگاہوں نے ایسا ویسا دیکھا ہو...... زبان سے گناہ ہوئے ہوں...... آپ

کا رزق بے جا برباد کر دیا ہو لیکن آپ نے باوجود اس کے اپنا رزق مجھ سے نہیں روکا اور عطا کیا۔ میں نے پھر اس عطا کو تیری نافرمانی میں لگایا اور اس کے باوجود میں نے زیادہ رزق مانگا..... آپ نے زیادہ دیا..... میں نے گناہ ''علی الاعلان'' کیا لیکن آپ نے رسوا نہ ہونے دیا۔ میں گناہ پر اصرار کرتا رہا آپ برابر حلم فرماتے رہے۔ پس اے ''اکرم الاکرمین'' میرے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

(۴۳)..... یا اللہ!..... جس گناہ کے صغیرہ ہونے سے عذاب آئے..... جس گناہ کبیرہ ہونے سے عذاب زیادہ ہو جائے اور ان کے وبال میں مبتلا ہو جائے اور ان پر اصرار کرنے سے نعمت زائل ہو جائے ایسے سب گناہ میرے معاف کر دیجئے۔

(۴۴)..... یا اللہ جس گناہ کو صرف آپ نے دیکھا آپ کے سوا کسی نے نہ دیکھا اور سوائے آپ کے عفو و نجات کا کوئی ذریعہ نہیں انہیں بھی آپ معاف فرما دیجئے۔

(۴۵)..... یا اللہ!..... جس گناہ سے نعمت زائل ہو جائے..... پردہ دری ہو جائے..... مصیبت آ جائے..... بیماری لگ جائے..... درد ہو جائے یا وہ کل کو عذاب لائے ان گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے۔

(۴۶)..... یا اللہ!..... جس گناہ کی وجہ سے نیکی زائل ہو گئی۔ گناہ پر گناہ بڑھے..... تکالیف اتریں اور تیرے غضب کا باعث ہوں ان سب گناہوں کو معاف فرما دے۔

(۴۷)..... یا اللہ!..... گناہ تو صرف آپ ہی معاف کر سکتے ہیں۔ آپ نے بہت سے گناہ اپنے علم میں چھپا لئے ہیں آپ ان کو معاف کر دیجئے۔

(۴۸)..... یا اللہ!..... میں نے تیری مخلوق پر کسی قسم کا ظلم کیا یا تیرے دوستوں کے خلاف چلا۔ تیرے دشمنوں کی امداد کی ہو..... اہل اطاعت کی مخالفت اہل معصیت سے جا ملا ہوں..... ان کا ساتھ دیا ہو..... الٰہی ان گناہوں کو بھی معاف فرما دے۔

(۴۹)..... یا اللہ!..... جن گناہوں کے باعث ذلت و خواری میں آ گیا ہوں یا تیری رحمت ہی سے ناامید ہو گیا ہوں یا طاعت کی طرف آنے سے گریز کرتا رہا..... اپنے گناہ کو بڑا سمجھ کر..... ناامیدی پیدا کر لی ہو اسے معاف فرما دیجئے۔

(۵۰)..... یا اللہ!..... بعض گناہ ایسے بھی کئے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ یہ گناہ کی بات ہے اور آپ میرے حال کو جانتے ہیں لیکن گناہ کو ہلکا خیال کیا اور تیری پکڑ کا خیال نہ کیا۔ اپنی رو میں

گزرا..... الٰہی ان کو معاف فرما دیجئے۔

(۵۱)..... یا اللہ!..... دن کی روشنی میں تیرے بندوں سے چھپ کر گناہ کیا اور رات کے اندھیرے میں تیرا حکم توڑا یہ صرف میری نادانی ہی تھی کیوں کہ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کے نزدیک ہر پوشیدہ ظاہر ہے۔ آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں آپ کے یہاں سوائے آپ کی رحمت کے نہ مال کام آئے گا نہ اولاد کام آئے گی۔ اے اللہ! مجھے قلب سلیم عطا فرما اور مجھے معاف فرما۔

(۵۲)..... یا اللہ!..... ان گناہوں سے جن کی وجہ سے تیرے بندوں میں ناپسندیدہ ہو جاؤں اور تیرے دوست نفرت کرنے لگیں اور تیرے اہل طاعت کو وحشت ہونے لگے ایسے گناہوں کا ارتکاب کر لیا ہو تو آپ معاف فرما دیجئے اور ان حالات سے پناہ میں رکھئے۔

(۵۳)..... یا اللہ!..... جو گناہ کفر تک پہنچائے..... تنگی اور محتاجی لائے تنگی و سختی کا سبب ہو جائے..... خیر سے دور کر دے..... پردہ دری کا سبب بن جائے..... فراخی کو روک لے..... اگر کر لئے ہوں معاف فرما ورنہ محفوظ رکھ یا الٰہ العالمین!

(۵۴)..... یا اللہ!..... جو گناہ عمر کو خراب کریں امید سے ناامید کر دیں۔ نیک اعمال کو برباد کر دیں الٰہی! ایسے گناہوں سے بچا کر رکھنا اگر کر لئے ہوں تو معاف فرما۔

(۵۵)..... یا اللہ!..... آپ نے قلب کو پاک کیا..... میں نے گناہوں سے ناپاک کر لیا..... آپ نے پردہ رکھا میں نے خود کو چاک کر دیا۔ اپنے برے اخلاق کو مزین کیا اور بنا رہا ایسے گناہ بھی معاف فرما دے۔

(۵۶)..... یا اللہ!..... وہ گناہ جن کے ارتکاب سے آپ کے وعدوں سے محروم ہو جاؤں اور آپ کے غصہ و عذاب میں آ جاؤں۔ الٰہی! مجھ پر رحمت رکھنا اور ایسی سب گناہ معاف فرما دیں۔

(۵۷)..... یا اللہ!..... ایسے گناہوں سے معافی چاہتا ہوں جس کی وجہ سے آپ کے ذکر سے غافل رہا ہوں اور آپ کی وعیدوں اور ڈرانے کی آیات سے لاپرواہ ہو گیا اور سرکشی کرتا رہا۔ الٰہی! معاف فرما دے۔

(۵۸)..... یا اللہ!..... تکالیف میں مبتلا ہو کر کبھی میں نے شرک کر لیا ہو یا آپ کی شان میں گستاخی کر لی ہو۔ آپ کے بندوں سے آپ کی مخلوق کے سامنے اس طرح مسکینی کا اظہار کیا ہو یا چاپلوسی کی ہو کہ جیسے حاجت روائی اسی کے قبضے میں ہے۔ الٰہ العالمین ایسے گناہوں کی بھی معافی عطا فرما۔

(۵۹)...... یا اللہ!...... ان معاصی کی مغفرت کا طلبگار ہوں کہ بوقت مصیبت تیرے سوا کسی دوسرے کو پکارا ہو اور غیر اللہ سے امداد کی دعا کی ہو۔

(۶۰)...... یا اللہ!...... تیری عبادت میں جانی و مالی گناہ کا اختلاط کر لیا یا مال کی طمع میں شریعت کا خیال نہ کیا ہو یا کسی مخلوق کی اطاعت کی اور تیری نافرمانی کی ...... تیرے حکم کو ٹالا اور اس کے برخلاف مخلوق کے حکم کو سراہا ہو۔ محض دنیا کی خاطر ناجائز منت وسماجت کی ہو حالانکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی حاجت پورا کرنے والا نہیں۔ الٰہی! ان گناہوں کو بھی معاف فرما دے۔

(۶۱)...... یا اللہ!...... گناہ تو بڑا تھا مگر نفس نے معمولی سمجھا اور اس کے کرتے ہوئے نہ ڈرا نہ رکا۔ الٰہی! ان کی بھی معافی دے دے۔

(۶۲)...... یا اللہ!...... آخری سانس تک جتنے گناہ ہو چکے ہوں گے سب بخش دیجئے۔ اوّل بھی...... آخر کے بھی...... بھولے سے کئے یا جان بوجھ کر کئے...... خطا ہو گئی...... قلیل وکثیر۔ صغیرہ وکبیرہ...... باریک اور موٹے...... پرانے اور نئے...... پوشیدہ وظاہر...... اللہ العالمین! ان سب گناہوں کو بخش دیجئے۔

(۶۳)...... یا اللہ!...... جتنے حقوق تیری مخلوق کے مجھ پر ہیں میں ان کے عوض مرہون ہوں۔ الٰہی! ان سب کو میری طرف سے ان کے حقوق ادا کر دیجئے بلکہ ان کے حقوق سے اور ان کو زیادہ دے دیجئے اور مجھے ان سے معاف کرا دیجئے۔ میرے تمام ہر قسم کے اہل حقوق کو بخش دیجئے ان کو دوزخ سے بچا کر جنت الفردوس عطا فرمائیے۔ اے اللہ! اگرچہ حقوق بہت ہیں مگر آپ کے پردہ عفو میں کچھ بھی نہیں مجھے سبکدوش فرما کر عفو وعافیت ومعافات کے ساتھ دنیا سے اٹھائیے۔

(۶۴)...... یا اللہ!...... کسی آپ کے بندے یا بندی کا مال ناحق لیا ہو...... کسی کی آبرو خراب کر دی ہو...... اس کے جسم کے کسی حصہ پر مارا ہو۔ اس پر ظلم کیا ہو۔ انہوں نے مطالبہ حق کیا لیکن میں نے طاقت نہ ہونے کی وجہ سے نہ دیا یا لاپرواہی برتی ہو ان سے بھی معاف نہ کرا سکا ہوں آپ کے سب اختیار میں ہے میری معافی فرما دیجئے۔

(۶۵)...... یا اللہ!...... جتنے میرے گناہ آپ کے علم میں ہیں۔ سب معاف فرما دیجئے۔

(۶۶)...... یا اللہ!...... آپ کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی بندہ اتنے کہ زمین وآسمان بھر جائے گناہ لے کر بھی آئے تو میں اتنی مغفرت لے کر چلتا ہوں اور اسے معاف کر دیتا ہوں...... الٰہی! مجھے بھی

معاف فرما دیجئے۔

(۶۷)...... یا اللہ!...... جب بندہ تین مرتبہ رب اغفرلی کہتا ہے تو آپ فرماتے ہیں اے بندے! میں نے معاف کیا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اِلٰہ العالمین! میں تین مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(۶۸)...... یا اللہ!...... کل حساب کے وقت مجھ سے حساب نہ لینا بلا حساب جن بندوں کو آپ جنت میں بھیجیں گے مجھے بھی معاف فرما کر ان کے ساتھ کر دینا۔

(۶۹)...... یا اللہ!...... ''**استغفر اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ**'' کہتا ہوں اور میری دعا یہ ہے کہ ہر آن حرکت وسکون پر ابدالآباد تک میرے نامہ اعمال میں اتنے استغفار کثرت سے ہو جائیں تاکہ اس دن مجھے خوشی حاصل ہو۔

(۷۰)...... یا اللہ رسول کریم ﷺ روزانہ ستر بار استغفار فرماتے تھے میں نے یہ عدد پورا کیا ہے۔ اے اللہ حضور اکرم ﷺ کے طفیل وواسطہ سے میری مغفرت فرما دے۔

آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ صَلٰوةً دَائِمَةً بِدَوَامِكَ بَاقِيَةً بِبَقَائِكَ لَامُنْتَهٰى لَهَا دُوْنَ عِلْمِكَ صَلٰوةً تُرْضِيْهِ وَتَرْضٰى بِهَا عَنَّا يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

باب ششم

تقدیر پر راضی رہنا اور تفویض وتوکل

مالک ہے جو چاہے کر تصرف
کیا وجہ کسی بھی فکر کی ہے
بیٹھا ہوں میں مطمئن کہ یارب
حاکم بھی ہے تو حکیم بھی ہے

رہنا نہ چاہے تو اگر مفت کے انتشار میں
پیش نظر یہ گر رہے دیکھ تلاش یار میں
اپنے جو بس کی بات ہو رہ بس اسی میں منہمک
پیچھے اس کے نہ پڑ کبھی جو نہ ہو اختیار میں

تقدیر پر راضی رہنا

بڑے سے بڑے صدمے کے پہنچنے پر جب مسلمان کہتا ہے کہ میں تقدیر پر راضی ہوں اللہ پاک کی یہی چاہت تھی تو یقین جانئے کس قدر سکون اور تسلی نصیب ہوتی ہے مت پوچھئے۔

تعجب ہے ان لوگوں پر جو خدا کے وجود کے منکر ہیں یا عقیدہ کے منکر ہیں کہ جب ان پر کوئی تکلیف آتی ہے تو کوئی بعید نہیں کہ شدت غم سے ان کا دماغ ماؤف ہو جائے یا عقل مختل ہو جائے۔ اللہ پاک کا احسان ہے کہ اس نے ایسی شریعت سے نوازا ہے جو کسی لمحہ کسی موڑ پر بھی ہمیں بے دست وپا نہیں چھوڑتی۔ عقیدہ تقدیر سے متعلق مختصر مباحث حاضر خدمت ہیں۔

تعریف رضا بالقضا

تیری دعا سے قضا بدل تو نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے (اقبال)

علماء کرام نے رضا کی متعدد تعریفات کی ہیں۔ ہر ایک نے اپنے مشرب اور مقام کے مطابق تعریف کی ہے۔ ان میں سب سے اہم تعریف سید میر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے آپ فرماتے ہیں۔

قضا کی تلخی میں دل کا سرور رضا کہلاتا ہے۔

ابن عجیبہ رحمہ اللہ کا قول:

مسکراتے ہوئے مصائب کا استقبال کرنا رضا ہے۔ یا نزول قضا کے وقت دل کے سرور کو رضا کہتے ہیں یا اللہ کی قضا وقدر میں ترک اختیار کو رضا کا نام دیا جاتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والے امور پر انکار نہ کرنے اور ان پر شرح صدر کا مظاہرہ کرنے کو رضا کہتے ہیں۔

رضا کیا ہے:

حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں نے استاد ابو علی دقاق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رضا یہ نہیں ہے کہ تم مصیبت کا احساس نہ کرو بلکہ رضا یہ ہے کہ تم اللہ کے حکم اور اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرو یاد رکھو کہ بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قضا پر راضی رہے جس پر راضی رہنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ بندے کے لئے ہر اس بات پر جو اس تقدیر میں ہے راضی رہنا جائز یا واجب نہیں۔ مثلاً معصیت پر اور یا مسلمانوں کی ایذا رسانی وغیرہ پر۔

حقیقت رضا:

رضا کی حقیقت "ترک الاعتراض علی القضاء" (یعنی) قضاء پر اعتراض نہ کرنا ہے نہ زبان سے نہ دل سے بعض اوقات اس کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی پس اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اول حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام۔ اس کا عبد مکلف ہے۔

تقدیر کا صحیح مفہوم:

یہ ہے کہ ایک مومن کا عقیدہ کہ اپنی طرف سے تدبیر پوری کی لیکن تدبیر کرنے کے بعد معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ یا اللہ ہمارے ہاتھ میں تدبیر تھی وہ تو ہم نے اختیار کر لی۔ اب معاملہ آپ کے اختیار میں ہے آپ کا جو فیصلہ ہوگا ہم اس پر راضی رہیں گے۔ ہمیں اس

پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لہٰذا واقعہ کی پیش آنے سے پہلے عقیدہ تقدیر کسی کو بے عملی پر آمادہ نہ کرے۔ جیسے بعض لوگ عقیدہ تقدیر کو بے عملی کا بہانہ بنا لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا لہٰذا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ کام کیوں کریں؟ یہ درست نہیں کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنی تدبیر کرتے رہو۔ ہاتھ پاؤں ہلاتے رہو۔ لیکن ساری تدابیر اختیار کرنے کے بعد اگر واقعہ اپنی مرضی کے خلاف پیش آ جائے تو اس پر راضی رہو لیکن اگر تم اپنی رضا مندی کا اظہار نہ کرو بلکہ یہ کہہ دو کہ یہ فیصلہ تو بہت غلط ہوا بہت برا ہوا تو اس کا نتیجہ سوائے پریشانی میں اضافے کے کچھ نہیں ہوگا اس لئے کہ جو واقعہ پیش آ چکا ہے وہ بدل نہیں سکتا۔

دل کا ہر حال میں اللہ سے راضی رہنا علامت محبت ہے:

جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے یا جس بندے سے اللہ رب العزت خود محبت کرتے ہیں ہر دو حالتوں میں وہ بندہ مرتضی ہوتا ہے یعنی اللہ کی رضا اس کے شامل حال ہوتی ہے اور بیشک رضا الٰہی کا حصول ہی ایک بندے کی معراج ہے۔ لیکن اب آئیے دیکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اس علامت کو کس کس انداز میں بیان کیا ہے۔

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قوت القلوب میں لکھا ہے کہ محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو ابتلاء (مصیبت و تکلیف) آئے اس پر راضی رہے اور اس کو پوشیدہ رکھنا بھی علامت محبت میں سے ہے۔ (قوت القلوب)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ذیشان ہے کہ:

اللہ تبارک و تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اسے (امتحان کے طور پر) کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے پس اگر وہ صابر بنا رہتا ہے تو اس کو منتخب کرتا ہے اور اگر اس کی قضا پر راضی ہوتا ہے تو اس کو برگزیدہ کر لیتا ہے۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنی تقسیم پر راضی کر دیتا ہے یہاں بھلائی سے مراد محبت بھی لیا جا سکتا ہے یعنی جس بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں کیونکہ بھلائی اسی کے ساتھ کی جاتی ہے جس سے محبت ہوتی ہے۔

محبت اور مصیبت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور مصیبت کے وقت فریاد کرے وہ در حقیقت سچا دوست نہیں ہوتا بلکہ جھوٹا ہے اس واسطے کہ دوستی اس بات کا نام ہے کہ جو کچھ دوست کی طرف سے آئے اس پر راضی رہے (اور لاکھوں شکر بجا لائے اور دوسرے یہ کہ شاید اسی بہانے سے یاد کرے)۔ (ہشت بہشت)

محبت کی زیادتی تکلیف کو ختم کر دیتی ہے

محبت کی زیادتی تکلیف کا احساس ختم کر دیتی ہے اور محبت کو مخلوق کی محبت میں بھی مدد دیتی ہے جیسا کہ بعض نے بیان کیا ہے ہمارے ہمسایہ میں ایک آدمی تھا۔ اسے اپنی لونڈی سے محبت تھی۔ وہ بیمار ہوگئی وہ اس کے لئے حلوہ بنانے لگا۔ وہ ہانڈی میں چمچہ چلا رہا تھا کہ لونڈی نے ہائے کہا۔ وہ گھبرا گیا چمچہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور وہ اپنا ہاتھ ہی ہانڈی میں چلاتا رہا یہاں تک اس کی انگلیاں جل کر گر پڑیں اور اسے معلوم نہ ہوا اس کی تائید ان عورتوں کے واقعے سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور انہیں تکلیف کا احساس بھی نہ ہوا تھا۔ تو جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خواہش کے خلاف بھی رضا کا ہونا ناممکن نہیں ہے اور جب یہ مخلوق کی محبت میں ممکن ہے تو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی لذت کے متعلق بطریق اولیٰ ممکن ہوگا۔ (احیاء العلوم)

ایک اللہ والے کا واقعہ

ایک محب کو دیکھا وہ زمین پر نحیف و ناتواں پڑا ہے اور ایک بڑا بھیڑیا اس کے جسم سے گوشت نوچ رہا ہے۔ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ قریب گئے بھیڑیے کو مار بھگایا اور اس محب کا سر اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور پوچھا کتنی مدت سے تو اس ملال میں ہے؟ بزرگ نے اپنی آنکھ کھولی اور غصے سے کہا تو کون ہے؟ جس نے میرے اور محبوب کے درمیان جدائی ڈال دی۔ واہ سبحان اللہ! محبت کے کیا رنگ ہیں۔ (کیمیائے سعادت)

کیا محب کو مصائب سے تکلیف ہوتی ہے؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کبھی محبت کو بھی بلا کی تکلیف ہوتی ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ ہرگز نہیں! اگر ستر مرتبہ بھی تلوار سے مارا جائے تب بھی تکلیف نہ ہو۔ ایک عارف کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سبب مجھے اس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز سے محبت ہے یہاں تک کہ اگر دوزخ کو محبوب بنائے تو میں دوزخ ہی میں جانا محبوب سمجھوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت کی وجہ سے آگ میں جلنے کی بھی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔ (مجالس غزالی)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یادرکھو کہ قضائے الٰہی پر راضی رہنا بہت بلند مقام ہے جس سے بڑا کوئی مقام نہیں کیونکہ محبت بہت بڑا مقام ہے اور خدا کی رضا پر راضی رہنا محبت ہی کا ثمرہ ہے لیکن یہ ثمرہ ہر محبت کا نہیں ہوتا بلکہ صرف اس محبت کا ثمرہ ہے جو درجہ کمال تک پہنچی ہوئی ہو۔

خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

محبت الٰہی کا دعویٰ اسی کو کرنا چاہئے جو دوست کی دی ہوئی مصیبت پر صبر کر سکے۔

خواص کا طریقہ:

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالکین کا راستہ بہت لمبا ہے اور وہ ریاضت کا طریقہ ہے اور خواص کا طریقہ بہت قریب ہے مگر زیادہ دشوار ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارا عمل ان باتوں پر ہو جن سے اللہ راضی رہے اور تو اللہ کی قضاء سے راضی رہے۔

رضا مغفرت سے کا سبب ہے:

رضا معرفت خدا کا سب سے بڑا ذریعہ اور دنیا کی جنت ہے۔ رضا کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے بندے کا دل جھک جائے۔

رضا قرآن کی روشنی میں:

رضائے الٰہی کی انتہاء تک پہنچنے کے لئے بہت سے خطرات سے گزرنا ہوتا ہے اور جب یہ

مقام آجاتا ہے کہ بندہ ہر حال اپنے اللہ سے راضی ہو جاتا ہے تو اللہ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے کیونکہ پروردگار عالم نے خود فرمایا ہے کہ:

(۱)......رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

"اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے یہ عظیم کامیابی ہے۔" (الانعام۔۱۱۹)

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ کا قول:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خدا کا راضی ہونا یہ ہے کہ وہ بندے کی خوش اعمال پر از راہ اجرا سے کرامت اور عزت عطا کرے۔ بندے کا راضی ہونا یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام پر سر تسلیم خم کرے اور اوامر کو بجالائے۔ خدا کا راضی ہونا مقدم ہے کیونکہ جب تک اس کی رضا نہ ہو کوئی انسان اس کے احکام بجالانے کی توفیق نہیں رکھ سکتا۔ انسانی رضا کا تعلق رضائے خداوندی سے ہے بلکہ وہ صورت پذیر ہی نہیں ہو سکتی جب تک اس کی رضا شامل حال نہ ہو۔ (کشف المحجوب)

(۲)......قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. (التوبہ۔۵۱)

"آپ فرما دیجئے ہمیں وہی (مصیبت) پہنچے گی۔ جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ وہی ہمارا مالک ہے اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔"

(۳)......اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (الطلاق۔۳)

"بیشک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔"

ایمان و کفر، نیک عمل اور بد عمل کرنے میں انسان خود مختار ہے اور انہی کے اعتبار سے انسان جزا و سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

(۴)......فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. (الکہف۔۲۹)

"پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔"

(۵)......مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ. (حم السجدہ۔۴۶)

"جس نے نیک عمل کیا تو اپنے نفع کے لئے اور جس نے برا کام کیا تو اپنے

نقصان کے لئے اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔"

(۲)......مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا. (الحدید:۲۲)

"لوگوں پر جتنی مصیبتیں زمین پر نازل ہوتی ہیں اور جو تم پر نازل ہوتی ہیں وہ سب ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ رکھی ہیں۔"

مقام رضا احادیث کی روشنی میں

حضور ﷺ اور مسئلہ تقدیر:

(۱)......ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذہنوں میں مسئلہ تقدیر کے بارے میں عجیب وغریب شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔ وہ ان سولات کو لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ جو اللہ نے فیصلہ فرمایا ہے وہ تو بدل نہیں سکتا۔

افلا نتوکل

"کیا ہم اپنی تقدیر پر ہی بھروسہ نہ کرلیا کریں۔"

اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جف القلم بما انت لاق.

"جو کچھ تمہیں ملنے والا ہے اسے قلم لکھ کر خشک ہو گئے ہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف مجبور محض نہیں بنایا بلکہ صلاحیت واہلیت کا جوہر عطا فرمایا ہے۔ عقل وخرد اور دانش وبینش سے نوازا ہے۔ اس کو سعی وکوشش کے ساتھ اپنے مقدر کو تلاش کرنے کی آزادی دی ہے اور اسے عمل کا اختیار دے دیا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کا حکم نہیں دیا کہ فارغ بیٹھنا اور تقدیر پر شکوے کئے جائیں۔

صحابہ اور مسئلہ تقدیر:

(۲)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ (مسجد نبوی میں بیٹھے) قضاوقدر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ کررہے تھے کہ اسی حال میں رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے آئے اور (ہم کو یہ بحث کرتے دیکھا) تو آپ ﷺ بڑے فروختہ اور غضبناک ہوئے۔ یہاں

تک کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور اس قدر سرخ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہو۔ پھر اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا:

کیا تم کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے لئے یہی پیغام لایا ہوں (کہ تم قضاوقدر جیسے اہم اور نازک مسئلوں میں بحث کرو) خبردار! تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جب کہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت وبحث کو اپنا طریقہ بنالیا۔ میں تم کو قسم دیتا ہوں میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ہرگز حجت اور بحث نہ کیا کرو۔ (ترمذی)

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح کرتے ہوئے کہا کہ قضاء وقدر کا مسئلہ بلاشبہ مشکل اور نازک مسئلہ ہے۔ لہٰذا مومن کو چاہئے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے تو بحث اور حجت نہ کرے بلکہ اپنے دل ودماغ کو اس پر مطمئن کرلے کہ اللہ کے صادق ومصدق رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ کو اسی طرح بیان فرمایا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے۔

تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہئے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے نہیں سمجھ سکتے۔ پس جب اللہ کے سچے پیغمبر ﷺ نے ایک حقیقت بیان فرمادی (جس کا پوری طرح سمجھ لینا سب کے لئے آسان نہیں ہے) تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے ان کے لئے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی بحث اور کٹ حجتی نہ کریں بلکہ اپنی عقل اور اپنے ذہن کی نارسائی اور اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے سخت غصہ اور جلال کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ حضرات آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت میں تھے اور آپ ﷺ سے براہ راست دین حاصل کررہے تھے۔ ان کو جب آپ نے اس غلطی میں دیکھا تو قلبی تعلق رکھنے والے معلم ومربی کی طرح آپ کو سخت غصہ آیا۔ اس موقع پر آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ:

تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جب کہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت وبحث کا طریقہ اختیار کیا۔

تو یہاں امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد غالباً ان کی گمراہی ہے۔ قرآن وحدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس بناء پر آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت آئیں جب کہ انہوں نے اس مسئلے

کو حجت و بحث کا موضوع بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلے سے شروع ہوا ہے۔

تقدیر پر ایک عجیب حدیث:

(۳)..... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے۔"

(مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوزخ یا جنت جہاں بھی جائے گا اس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے)۔

صحابہ رضی اللہ عنہ عرض کیا:

تو کیا ہم اپنے اس نوشتۂ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور سعی و عمل چھوڑ نہ دیں۔

(مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے تو پھر سعی و عمل کا دردسر کیوں مول لیں)۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"نہیں عمل کیے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے تو اس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور جو کوئی بدبختوں میں سے ہے تو اس کو شقاوت اور بدبختی والے اعمال بد ہی کی توفیق ملتی ہے۔

تشریح:....... رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر شخص کے لئے اس کا آخری ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں پہلے سے مقدر ہو چکا ہے لیکن اچھے یا برے اعمال سے وہاں تک پہنچے کا راستہ بھی پہلے سے مقدر ہے اور تقدیر الٰہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا، وہ اپنے فلاں فلاں اعمال خیر کے راستے سے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ اپنی فلاں فلاں بداعمالیوں کی وجہ سے جائے گا۔ پس جنتیوں کے لئے اعمال خیر اور دوزخیوں کے لئے اعمال بد بھی مقرر ہیں اور اسی لئے ناگزیر ہیں حضور ﷺ کے اس جواب کا ماحصل بھی قریب قریب وہی ہے جو اوپر والی حدیث میں آپ ﷺ کے جواب کا تھا۔ (معارف الحدیث)

(۴)..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز تقدیر سے ہے یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ و ناقابل ہونا اور قابل و ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔

(۵)..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں ہیں اور فرمایا کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم)

تقدیر پر راضی رہنے سے متعلق اللہ کا فرمان:

(۶)..... آپ ﷺ نے فرمایا:

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے تقدیر بنائی۔ تدبیر بنائی۔ تدبیر کی اور اپنی صنعت کو مضبوط کر دیا اور جو کچھ ہونے والا ہے میں اس کا حکم کر چکا ہوں جو اس پر راضی ہے اس سے میں بھی راضی ہوں اور جو اس پر ناراض ہے اس سے میں بھی ناراض ہوں وہ میرے غصہ کے لئے تیار رہے جب مجھے دیکھے گا وار فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے خیر و شر پیدا کئے خوش قسمت وہ انسان ہے جسے خیر کے لئے پیدا کیا اور خیر کو اس پر آسان کر دیا اور بدبخت وہ ہے جسے میں نے شر کے لئے پیدا کیا اور برائی کو اس پر آسان کر دیا اور افسوس ہے اس پر جو چوں و چرا سے کام لے۔
(کیمیائے سعادت)

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب معارف الحدیث میں تقدیر پر ایک طویل حدیث لکھی ہے اس کے بعد آپ نے اس کا خلاصہ لکھا جو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے ارشاد فرمایا کہ:

(۱)..... اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں مقدر فرما دیں اور جو کچھ ہونا ہے گویا وہ سب بالتفصیل لکھ دیا۔

(۲)..... انسان جب رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس پر تین چلے گزر جاتے ہیں اور نفخ روح کا وقت آتا ہے تو اللہ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اس کے متعلق چار باتیں لکھتا ہے۔ اس کی مدت عمر اس کے اعمال اس کا رزق اور اس کا نیک بخت یا بدبخت ہونا۔ (معارف الحدیث)

(۳)..... ہمارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

(۴)..... ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

میں اللہ ہوں۔ میرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ جو میرے ابتلاء پر صبر نہیں کرتا اور میری قضاء پر راضی نہیں ہوتا اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا تو اسے چاہئے کہ میرے سوا (کسی دوسرے کو) رب بنا لے۔
(قوت القلوب)

اللہ کا ضابطہ:

(۸)......حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔
جتنی بڑی مصیبت ہوتی ہے اتنا ہی بڑا ثواب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو سے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے جو خدا سے خوش ہے تو وہ بھی اس سے خوش رہتا ہے اور جو اسی سے خفا ہو تو خدا بھی اس سے خفا ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

ایمان کی علامت

(۹)......ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے چند صحابہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم مومنین مسلمین ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور راحت پر شکر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بخدا تم سچے مومن ہو۔ (حاکم)

آدمی کی سعادت رضا میں ہے:

(۱۰)......حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:
آدمی کی سعادت اس میں ہے کہ اس پر راضی رہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر فرمایا اور آدمی کی بدبختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگنا چھوڑ دے اور اس میں آدمی کی بدبختی ہے کہ اس پر ناراض ہو جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے فیصلہ فرمایا ہے۔ (احمد، ترمذی)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔
بندے کی سعادت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہو۔
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے پہلی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے وہ یہ ہے۔
میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں محمد میرے رسول ہیں جو شخص میری قضا کو تسلیم نہ کرے اور میری مصیبت پر صابر نہ ہو اور میری نعمت کا شکر نہ کرے اسے میرے سوا کوئی اور رب بنا لینا چاہئے اور جو شخص میری قضا کو تسلیم کرے اور مصیبت پر صابر رہے اور میری نعمت کا شکر ے اس کو میں نے صدیق لکھ چھوڑا ہے اور اس کو صدیقوں کے ساتھ مبعوث کروں گا۔ (اولیاء اللہ کے اخلاق)

عابد وغنی ومومن بننے کا نسخہ:

محرمات سے بچ تو تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن جائے گا اس پر راضی ہو جا جو اللہ تعالیٰ نے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے تو تو تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائے گا اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کر تو تو حقیقی مومن بن جائے گا لوگوں کے لئے وہ چیز پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو، تو حقیقی مسلمان بن جائے گا۔ زیادہ ہنسنے سے اجتناب کر کیونکہ یہ دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ (ترمذی)

علامت رضا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے رب سے وہی سوال کیا جو اہل اللہ کے شایان شان تھا۔ کہ باری تعالیٰ تیری رضا کی کیا علامت ہے؟ میں کیسے سمجھوں کہ تو مجھ سے راضی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا اے موسیٰ میرے راضی ہونے کی علامت اور پہچان بڑی آسان ہے۔
اپنے دل کی طرف متوجہ ہو اور اسے دیکھ کہ جب تیرا دل مجھ پر راضی ہو جائے تو سمجھ کہ میں بھی تم پر راضی ہوں۔ یعنی ہر وقت اپنے دل کا جائزہ لیتے رہنے سے تجھے میری رضا کا علم ہو سکتا ہے اگر تیرا دل ہر حال میں مجھ سے راضی ہے حتیٰ کہ اگر وہ گردن کٹا کر نیزے پر چڑھ کر تپتے پتھروں پر لیٹ کر گرم ریت پر لیٹ کر اور ننگے جسم پر کوڑے مارے جانے پر بھی راضی ہے تو میں بھی راضی ہوں۔ اگر بندہ اپنی جان مال عزت وآبرو اور اولاد وغیرہ سب کچھ لٹا کر بھی اللہ پر راضی ہے تو یقیناً وہ بندہ مقام مرتضیٰ پر فائز ہے اور محبت میں کامل کہلانے کا حقدار ہے۔ (قوت القلوب)

رضا بالقضا پر ایک عجیب فضیلت:

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک گروہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائے گا۔
فرمایا: انہیں فرشتے پوچھیں گے۔ ''کیا تم نے حساب دیکھا؟''
وہ کہیں گے۔ ''ہم نے کوئی حساب نہیں دیکھا۔''
وہ پوچھیں گے۔ ''کیا تم نے پل صراط پار کیا؟
وہ کہیں گے۔ ''ہم نے پل صراط نہیں دیکھا۔''
انہیں پوچھیں گے۔ ''کیا تم نے دوزخ دیکھا؟
وہ کہیں گے۔ ''ہم نے کچھ چیز نہیں دیکھی۔''

فرشتے پوچھیں گے۔ ''تم کس کی امت سے ہو؟''
وہ کہیں گے۔ ''امت محمد ﷺ سے ہیں۔''
فرشتے کہیں گے۔ ''ہم تمہیں اللہ کی قسم دیتے ہیں بتاؤ تم دنیا میں کیا اعمال کرتے تھے؟''
وہ جواب دیں گے۔ ''ہمارے اندر دو خصلتیں تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیں اس درجہ تک پہنچادیا۔''
وہ پوچھیں گے۔ ''وہ کیا ہیں؟''
وہ کہیں ''گے'' وہ یہ تھیں۔
(۱)..... جب ہم خلوت میں ہوتے تو خدا کی نافرمانی کرنے سے حیا کرتے۔
(۲)..... اور ہمیں اللہ تعالیٰ جو دیتا اس تھوڑے سے پر بھی راضی ہو جاتے۔
فرشتے کہیں گے تم اس کے واقعی حق دار ہو۔ (قوت القلوب)

رضا بالقضا کی شرعی حیثیت:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ ہر تکلیف میں مومن کے لئے خیر ہے اور اس میں خیر سمجھنا ایسا ہی فرض ہے جیسے نماز روزہ فرض ہے۔ حضرت شیخ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اخلاص سے اونچا بھی ایک مقام ہے اس کا نام رضا بالقضاء ہے یہ مقام بہت آخر میں عطا ہوتا ہے، جس طرح مرض جاہ کا بہت آخر میں نکلتا ہے۔

تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے اس کا سمجھنا فرض نہیں:

کسی سائل نے حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب سے عرض کیا کہ حضرت یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا یہ ہے۔ دیکھو اطباء سورج کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے سے روکتے ہیں۔ آخر سورج کو اس طرح دیکھنے کو کیوں منع کرتے ہیں کیا آپ کے اندر دیکھنے کی قوت نہیں بلکہ وہ اس لئے منع کرتے ہیں کہ اگر سورج کو ٹکٹکی لگا کر دیکھو گے تو آنکھ کی بینائی ختم ہو جائے گی کیونکہ تمہاری آنکھ آفتاب کو دیکھنے کی متحمل نہیں ہے۔ اسی طرح بعض علوم اتنے دقیق ہوتے ہیں کہ وہ ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہیں آ سکتے اس لئے ان میں پڑنے سے روکا جاتا ہے۔ انہیں میں مسئلہ تقدیر ہے۔ اگر اس میں پڑو گے تو ایمان کا خطرہ ہے بالا جمال تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے مگر اس کی تفصیل معلوم کرنا شرعاً مطلوب نہیں ہے۔

البتہ اسلام نے اس کے بارے میں یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو پیدا فرمایا اور اس کو اختیار دیا لیکن وہ قدرت اور اختیار خود اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے یہ اس کی مخلوق ہے مگر جتنا اختیار دیا اس میں اس کا حق ہے اس لئے بندے کو جتنا اختیار اور قدرت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اسی کے متعلق سوال ہوگا اور حکم خداوندی کو اپنے اختیار کے مطابق پورا نہ کرنے پر سزا ملے گی۔ (خطبات حکیم الاسلام)

عمل اور مسئلہ تقدیر:

اکثر پڑھے لکھے لوگ جب مسئلہ تقدیر پر گفتگو شروع کرتے ہیں تو یہ بات ضرور زیر بحث لاتے ہیں کہ جب ہماری تقدیر (اچھی یا بری) لکھی جاچکی ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اتنی بڑی غلط فہمی ہے جس کا اگر ازالہ نہ کیا جائے تو ایمان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور یہ سراسر بے بنیاد اور غلط تصور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقدیر کے عقیدے سے یہ مطلب لینا کسی اعتبار سے بھی درست نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگو! تم اپنے کام کئے جاؤ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہوں گے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

کام کرنا انسان پر لازم ہے اور اس کے نتیجے کے مطابق جزا دینا خدا کا کام ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

فحج آدم موسیٰ

''حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''

اقوال رضا بالقضا

کم پر راضی رہنا:

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو شخص اپنے مرتبے سے کم چیز پر راضی ہوا اللہ تعالیٰ سے اس کے مرتبہ سے زیادہ بلند مرتبہ اس کو دے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

حضرت عمر فاروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہوں اس میں مجھ پر چار نوازشات ہوتی ہیں۔

(۱)...... یہ آزمائش میرے دین کے متعلق نہ تھی۔

(۲)...... میں اس میں رضا سے محروم نہ رہا۔

(۳)...... یہ آزمائش اتنی بڑی نہ تھی۔

(۴)...... میں اس پر اجر وثواب کا امیدوار ہوں۔

حضرت ابوسلیمان وارثی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جب بندہ اپنی خواہشات کو ترک کردے تو اس سے اللہ راضی ہو جاتا ہے۔

حضرت نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو شخص مقام رضا تک پہنچنا چاہے اسے ان باتوں پر لگا رہنا چاہئے جن میں اللہ کی رضا ہے۔

حضرات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں آگ کھانے کو اس بات کی بہ نسبت زیادہ پسند کرتا ہوں کہ جو چیز میسر نہ ہو اس کے متعلق کہوں کہ کاش مجھے میسر ہو اور جو چیز مجھے میسر ہو اس کے متعلق کہوں کہ کاش مجھے میسر نہ ہوتی۔'' (کیمیائے سعادت)

افضل کون:

تین اہل مقام بندوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان میں سے افضل کون ہے۔

(۱)...... جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق میں موت کو پسند کرتا ہے۔

(۲)...... ایک بندہ مولائے کریم کی عبادت کی خاطر زندہ رہنے کو پسند کرتا ہے

(۳)...... ایک بندہ یہ کہتا ہے کہ میں خود کچھ بھی پسند نہیں کرتا بلکہ میرا آقا میرے لئے جو پسند کرے اس پر راضی ہوتا ہوں اگر وہ چاہے تو مجھے ہمیشہ زندہ رکھے اور چاہے تو کل ہی موت دے دے۔ بتاتے ہیں کہ یہ لوگ ایک عارف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس فیصلہ لینے گئے اس نے فرمایا:

صاحب رضا ان میں سے افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ قلیل ترین فضول کام ہوگا اور معاملہ میں بھی ایسے ہی ہے اس لئے کہ اس نے اعتراض وطلب خبر ہی کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ بغیر طلب خبر کے ہی گھر میں داخل ہو گیا اس طرح اس کا نکلنا بھی بغیر طلب (طلب خبر کے بغیر) کے مفہوم پر ہوگا۔ اس لئے مقام رضا کا درجہ مقام شوق سے اعلیٰ ہے اور اس کے بعد اس کا درجہ افضل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی خاطر موت کو پسند کرتا ہے یہ محبت میں اور زندگی میں حقیقی زہد کا مقام ہے۔ (قوت القلوب)

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے راحت وسکون کا راز:

حضرات ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے جا کر پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے فرمایا بڑے مزے میں ہوں اور اس شیخ کے مزے کا کیا پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی واقعہ اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ جو واقعہ بھی پیش آتا ہے وہ اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا دنیا کے سارے کام میری مرضی کے مطابق ہو رہے ہیں۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ حضرت! یہ بات تو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں ہوئی کہ دنیا کے تمام کام ان کی مرضی کے مطابق ہو جائیں۔ آپ کو یہ کیسے حاصل ہوئی جواب میں فرمایا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے۔ جو اللہ کی مرضی ہے اور جب سارے کام میری مرضی سے ہو رہے ہیں تو میرے مزے کا کیا پوچھنا؟ پریشانی تو میرے پاس بھی نہیں بھٹکتی پریشانی تو اس شخص کو ہو جس کی مرضی کے خلاف کام ہوتے ہوں۔ (اصلاحی خطبات)

علامات رضا:

ذوالنورین مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رضا کی تین علامات ہیں:

(۱)...... قضا سے پہلے اختیار کو ترک کرنا۔

(۲)...... قضا کے بعد کسی قسم کا افسوس نہ کرنا۔

(۳)...... مصائب میں حب الٰہی بڑھتے رہنا۔

اہل رضا کے نزدیک یہ بات بھی رضا کی علامت ہے کہ بندہ یہ نہ کہے کہ آج شدید گرمی ہے اور یہ نہ کہے کہ آج سردی کا دن ہے اور نہ ہی یہ کہے فقر ایک ابتلا اور تکلیف ہے اور نہ کہے اہل وعیال بھی ایک آفت اور بوجھ ہے اور حرفت ایک مشقت اور محنت ہے۔ ان باتوں میں قلب کو ہلکان نہ کرے بلکہ قلب سے رضا وتسلیم رکھے ذہن کو مطمئن اور اطاعت گزار بنا لے۔

حصول رضا کے طریقے

پہلا طریقہ:

حصول رضا کا سب سے مجرب نسخہ یہ ہے کہ اللہ کی محبت کو پیدا کیا جائے جتنی اللہ کی محبت

ہوگی اتنی ہی مقام رضا میں ترقی ہوگی کیونکہ سچا عاشق اپنے محبوب کے حکم کے خلاف ایک قدم بھی نہیں چلتا۔ چنانچہ ہمارے دل میں جتنی اللہ کی محبت ہوگی اتنا ہی ہم اللہ کی چاہت کو پورا کریں گے اور اس کی چاہت کو اپنی چاہت سمجھیں گے۔

دوسرا طریقہ:

حصول رضا کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی پر کوئی مصیبت آئے وہ یہ سوچے کہ مجھ پر اس سے بڑی مصیبت آسکتی ہے یعنی وہ اپنی مصیبت کو بڑھا چڑھا کر سوچے مثلاً اگر کسی کا ایک ہاتھ ایکسیڈنٹ میں ضائع ہوگیا تو اس پر بھی وہ خدا کا شکر ادا کر کے اپنے نفس سے کہے مجھے اللہ نے دو ہاتھ دیئے دو پیر دیئے دو آنکھیں دیں دو کان دیئے اگر اتنی ساری نعمتوں کے باوجود اللہ نے ایک ہاتھ سے محروم کر دیا تو کیا ہوا اس نے اپنی رحمت سے دیا اسی نے واپس لے لیا۔

تیسرا طریقہ:

حصول رضا کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص یہ سوچے کہ اس مصیبت میں ضرور خیر ہوگی۔

چوتھا طریقہ:

حصول رضا کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص یہ سوچے کہ اس تکلیف کے ذریعے اللہ تعالیٰ میرا امتحان لے رہے ہیں کہ میں اپنے دعویٰ محبت میں جھوٹا ہوں یا سچا اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ میرا گناہوں کو معاف فرما کر آخرت میں درجات بلند فرما رہے ہیں۔

رضا بالقضاء پر صوفیاء کے واقعات

ایک بزرگ کا واقعہ:

(۱)...... ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انہوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا جس پر اسباب لادتے تھے اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کیا کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دے کر سب کو جگا دیا کرتا تھا۔ اللہ کی شان کہ ایک دن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گی۔ ان کی بیوی رونے لگے کہ ہائے مرغ جاتا رہا۔ شیخ نے فرمایا ''رومت اسی

میں بہتری ہوگی۔'' اس کے بعد بھیڑیا آیا اور گدھے کو مار گیا۔

اس وقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا اس میں خیر تھی رونے کوئی بات نہیں۔ اس کے بعد اچانک کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو شیخ نے پھر یہی فرمایا کہ غم نہ کرو اس میں بھلائی تھی۔ غرض صبح ہوئی تو دفعتاً غنیم کا ایک لشکر اس میدان میں لوٹنے کے لئے آپڑا اور جتنے بھی گھروں کا ان کو پتہ چلا سب کو لوٹ لیا اور بجز ان بزرگ اور ان کی بیوی کے سب ہی کو گرفتار کر کے باندی غلام بنا کر لے گئے۔

ان کے مکانات کا پتہ دشمن کی فوج کو اس طرح چلا کہ کسی کے دروازے کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا اور کسی کا مرغ اپنی بانگ بلند کر رہا تھا۔ اس وقت ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھا! اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب یہی جانور بن گئے۔ پس خدا کا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مر گئے ورنہ آج ہم بھی گرفتار ہوتے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

(۲)...... مروی ہے کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ٹانگ کاٹ دی گئی اور اسی رات ان کا عزیز ترین بیٹا انتقال کر گیا۔ آپ کے ساتھی افسوس کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ میرے سات بچے تھے تو نے ان میں سے ایک لے لیا اور چھ کو باقی رکھا۔ میری چار اطراف تھیں ان میں سے تو نے ایک لے لی اور تین کو باقی رکھا۔ اگر تو نے آج مجھ سے کچھ لیا ہے تو یہ سب کچھ تو نے ہی عطا کیا تھا اگر تو نے مجھے آج آزمائش میں مبتلا کیا ہے تو تو نے مجھے عافیت بھی بخشی تھی۔

رضا بالقضاء اور آپ ﷺ:

(۳)...... حضرت انس سے روایت ہے جو حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں تقریباً دس برس رہے جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اس وقت ان کی عمر نو دس سال کی تھی۔ ان کی والدہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا کہ حضور ﷺ کی خدمت کیا کریں تقریباً دس سال تک خدمت میں رہے۔

یہ بیان کرتے ہیں کہ کبھی حضور ﷺ نے مجھ سے باز پرس نہیں کی کہ فلاں کام کیوں کیا؟

فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ جس کام کے لئے آپ ﷺ نے کہاں فلاں کام کرآؤ میں نے نہیں کیا۔ اس پر باز پرس نہیں کی کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ جس کام کو حضور ﷺ نے منع فرمایا، اس کو میں نے کرلیا تو اس پر باز پرس نہیں کی۔

ایک عورت کا واقعہ:

محمد بن شفیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ اپنی والدہ کے لئے خربوزہ خرید اگر انہیں پسند نہ آیا اور خفا ہوئیں میں نے عرض کیا اماں جان آپ کس پر خفا ہوتی ہیں بیچنے والے یا خریدار پر یا اس کے خالق پر؟ واللہ اس کا خالق تو احسن الخالقین ہے اور بائع اور مشتری تجھے وہی دیتا ہے جو ازل میں تیرے لئے رکھا ہے پھر میری والدہ نے استغفار اور توبہ کی۔ (اولیاء اللہ کے اخلاق)

محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

ایک دفعہ محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں سخت پھنسی نکلی تو ان کے دوست نے کہا بخدا مجھے یہ حال دیکھ کر تم پر رحم آتا ہے۔ محمد بن واسع نے جواب دیا کہ اے دوست اگر تو مجھ سے محبت رکھتا ہے تو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کہ یہ پھنسی میری زبان آنکھ یا شرمگاہ میں نہیں نکلی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جب اگلے دانت گر پڑے تو انہوں نے فرمایا اللہ کا شکر ہے میری سماعت اور بصارت نہیں گئی۔

پس اے دوست اس خلق میں جسے ہم نے بیان کیا ہے غور کر سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی ایک عجیب تحقیق:

ہمارے حاجی صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور آکر یہ عرض کیا کہ میں بیمار ہوگیا تھا۔ اتنی مدت تک مجھ کو حرم شریف کی نماز نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت نے اپنے خاص لوگوں سے فرمایا کہ عارف (عارف کامل اور جو دین کی سمجھ رکھتا ہے) ان باتوں سے رنجیدہ نہیں ہوتا کیونکہ مقصد تو خدا تعالیٰ کی رضامندی اور ان کی نزدیکی ہے اور جس طرح کہ قدرت رکھنے کی حالت میں حرم شریف

کی نماز خدا تعالیٰ کی نزدیکی کا ایک طریقہ ہے۔ اسی طرح ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بیمار ہو جائیں اور بیماری کا ثواب ملے جو تندرستی میں حرم شریف کے اندر ملتا تھا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے ''کہ بندہ جو کام تندرستی میں کیا کرتا تھا بیماری میں بھی اس کا برابر ثواب ملتا رہتا ہے'' اس کے بعد فرمایا کہ بندہ کو مولا پر فرمائش کرنے کا حق کہ مجھ کو فلاں طریقہ سے مقصود حاصل ہو دونوں راستے خدا تک پہنچنے کے لئے ہیں وہ جس طریقہ سے چاہے پہنچائے بندے کو کیا حق ہے کہ ایک راستہ کو اپنی رائے سے مقرر کر لے اور اس کی فرمائش کرے خوب کہا ہے۔

کفر است دریں مذہب خودبینی و خودرائی
یعنی اس راستہ میں خودبینی اور خودرائی کفر ہے
در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست
یعنی جو طاعت پیش آئے اور جس طرح سرکار لے جائیں بالکل خیر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک ایسے آدمی پر گزر ہوا جو کوڑھی اور برص کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر فالج گرا ہوا تھا۔ وہ بے دست و پا پڑا ہوا کہہ رہا تھا کہ ''اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے ''اس بلا'' سے محفوظ رکھا جس میں بہت مخلوق مبتلا ہے۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا ''وہ کون سی بلا باقی ہے جس سے خدا نے تمہیں محفوظ رکھا ہے؟'' اس نے کہا ''میں اس شخص کی بہ نسبت یقیناً عافیت میں ہوں جس کے دل میں خدا نے وہ معرفت پیدا نہیں کی جو میری دل میں پیدا کی ہے۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''تو نے واقعی سچ کہا۔'' پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو فوراً اچھا بھلا تندرست ہوگیا اور اٹھ بیٹھا اور خوبصورت و بینا ہوگیا۔ پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عبادت کیا کرتا تھا۔ (کیمیائے سعادت)

نبی دو جہاں ﷺ کا واقعہ:

ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام اچانک آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور حضور سرور دو عالم ﷺ سے کہا کہ اے محمد خدا نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ ابوبکر سے کہہ دیجئے کہ اب تو تمہیں صحت ہوگئی۔ حضور نبی ﷺ کو اس سے تعجب ہوا پھر آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ

اے ابوبکر تمہیں کیا بیماری ہوگئی تھی۔ انہوں نے کہا سات برس سے دانت میں درد تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کبھی مجھے اطلاع نہ دی۔ انہوں نے عرض کیا دوست کی کیا شکایت کرتا۔

رضا پر راضی رہنے کا واقعہ:

حضرت بشر حافی روایت کرتے ہیں کہ بغداد میں ایک شخص کو ہزار لاٹھیاں ماری گئیں اس نے اُف تک نہ کی۔ میں نے پوچھا کہ اے شخص! اس قدر جور وستم کے باوجود تیرے منہ سے اُف تک نہ نکلی، آخر کیسے؟ اس نے کہا کہ محبوب میرے سامنے تھا پھر اُف کیسی؟ میں نے کہا اور اگر وہ سب سے بڑا محبوب ہوتا تو کیسی رہتی؟ یہ سنتے ہی اس نے ایک چیخ مارا اور گر پڑا دیکھا تو جان نکل چکی تھی۔ (احیاء العلوم)

حضرت لقمان کا واقعہ:

عبدالرحمٰن بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب منہاج العابدین میں رضا بالقضا پر ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ:

حضرت سعید بن میتب نے کہا: ''لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹے! تم پر جو کچھ بھی گزر جائے خواہ تم اس کو پسند کرو یا ناپسند کرو۔ بہر حال اپنے دل میں یہی سمجھا کرو کہ اس میں تمہارے بھلائی تھی''۔ بیٹے نے کہا کہ جب تک اس بات کی صحت معلوم نہ ہوجائے میں آپ کی یہ بات کیسے مان لوں تو لقمان نے کہا۔ ''چلو اس زمانے کے پیغمبر کے پاس چلتے ہیں وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے''۔ بیٹے نے کہا: ''ٹھیک ہے چلتے ہیں۔'' تو وہ دونوں اپنے اپنے گدھوں پر سوار ہوئے اور راستے کا خرچ روٹی پانی لے لیا۔ پھر کتنے ہی دن اور راتیں چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک صحرا ان کے سامنے آ گیا اور وہ اس میں داخل ہوگئے اور جتنی دیر اللہ نے چاہا چلتے رہے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا۔ گرمی سخت ہوگئی اور روٹی اور پانی بھی ختم ہوگیا۔

گدھے تھکاوٹ کے وجہ سے نڈھال ہوگئے تو وہ اتر کر پیدل چلنے لگے۔ اسی طرح چلے جارہے تھے کہ لقمان نے اپنے سامنے نظر دوڑائی تو انہیں کچھ سیاہی اور دھواں نظر آیا انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ سیاہی تو درخت ہیں اور دھواں آبادی کا نشان۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح رخ کرلیا۔

وہ اسی طرح جارہے تھے کہ راستے میں پڑی ہوئی ہڈی لقمان کے بیٹے کے پاؤں میں چبھ

گئی اور ایسی چبھی کہ تلوے سے اوپر نکل آئی۔ بیٹا غش کھا کر گر پڑا۔ لقمان نے لپک کر اسے اٹھایا دانتوں سے پکڑ کر ہڈی نکالی اور اپنی پگڑی پھاڑ کر زخم پر باندھ دی۔ اس زخم لگنے کی وجہ سے آپ اس جگہ نہ جاسکے جہاں آپ کو جانا تھا۔ لقمان نے اپنے بیٹے کو مطمئن کرنے کے لئے کہا کہ بیٹا اس حادثے میں ہماری بہتری ہے کیا پتہ اس چھوٹی مصیبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم سے بڑے مصیبت کو دور کردیا ہو۔ اتنے میں ایک سوار نمودار ہو جس نے سفید لباس پہن رکھا تھا! اس سوار نے کہا کہ میں جبرائیل ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شہر کو تباہ کرنے کا حکم دیا اور تم دونوں کو اس شہر میں آنے سے روکنا تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے کے ساتھ یہ حادثہ کیا جس کی وجہ سے تم شہر میں داخل نہ ہوسکے۔ پھر جبرائیل نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے کے قدم پر ہاتھ پھیرا تو اس لڑکے کا زخم صحیح ہوگیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مقام رضا کو تقویت بخشی اور آپ کے بیٹے کے شبہ کو دور کیا۔

رضاء بالقضاء......ارشادات حکیم الامت

تطبیق بین الرضا والدعاء:

دعاء کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم آپ کی اجازت سے وہ چیز مانگتے ہیں جو ہمارے علم میں مصلحت وخیر ہے اگر آپ کے علم میں بھی وہ خیر ہے تو عطا کردیجئے ورنہ نہ دیجئے۔ ہم دونوں حال میں راضی ہیں مگر اس رضا کی علامت یہ ہے کہ قبول نہ ہونے سے شاکی اور تنگ دل نہ ہو دعا کرتا رہے دعا کرنا خلاف رضا نہیں مگر دعا میں (باستثنائے محل استخارہ کے اس کا خیر ہونا اپنے نزدیک بھی ایک متردد فیہ ہے) یہ نہ کہا جائے گا کہ اگر آپ کے علم میں خیر نہ ہو تو نہ دیجئے کیونکہ یہ خلاف ہے حکمت مشروعیت دعا کے اور وہ حکمت اظہار ہے احتیاط کا اور کہنے میں ابہام ہے استغناء کا۔

اہل اللہ محض اظہار عبدیت کے لئے دعا کرتے ہیں۔

اہل اللہ محض حکم کی وجہ سے اظہار عبدیت کے لئے دعا کرتے ہیں اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ ہم نے جو مانگا وہی مل جائے بلکہ ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی ہوتے ہیں خواہ قبول ہو یا نہ ہو۔

رضا بالقضاء کی حقیقت اور اس کی تحصیل کا طریقہ:

رضا بالقضاء کی حقیقت ''ترک اعتراض علی القضاء'' ہے اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضاء طبعی

ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اور اول حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے مدبیر اس کے تحصیل کی استحضار ہے رحمت وحکمت الٰہی کے واقعات کا جو اخلاف طبع ہیں۔

نقصان پر رنج ہونا خلاف رضا نہیں ہے۔

حقیقت رضا کی "ترک الاعتراض علی اللّٰہ" ہے نقصان پر رنج ہونا خاصہ بشری ہے ہاں اس کا مکلف ہے کہ خدا تعالیٰ پر اعتراض نہ ہو، اس سے ناراض نہ ہو جائے تکلیف و رضا کا جمع ہونا۔

محقق جو رضا و تکلیف کو جمع کر لیتا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ عقلاً خوش ہوتا ہی اور طبعاً متالم ہوتا ہے۔ تکلیف کی بات سے طبعاً تکلیف ضروری ہوتی ہے۔ مگر عقلاً اس کی وجہ سے کہ "ہر چہ از دوست می رسد نیکوست" وہ تکلیف شیریں ہو جاتی ہے۔

مولیٰ حقیقی سے جو عطا ہوا:

جس وقت مولیٰ حقیقی سے جو عطا ہوتا ہے اس وقت کے مناسب وہی ہوتا ہے اس کے خلاف کی تمنا نہ کرنی چاہئے۔

تقدیر کا مقصود:

جس نے تقدیر کے فیصلوں کی معرفت حاصل کر لی، وہ ان پر ثابت قدم رہ سکتا ہے اور وہ شخص بڑا نادان ہے جس نے ان فیصلوں کے مقابلے کی ٹھان لی، کیونکہ فیصلہ کرنے والی ذات کو اس سے مقصود اس کو جھکانا ہوتا ہے، لیکن اس کے مقابلہ کی کوشش کی اور بظاہر کامیاب ہو گیا تو اسے جھکنا کہاں پڑا؟

اس کی مثال اس طرح سمجھو! کہ ایک فقیر بھوکا ہوتا ہے اور بقدر ہمت صبر کرتا ہے۔ لیکن جب صبر سے عاجز ہو جاتا ہے تو مخلوق سے سوال کے لئے نکلتا ہے۔ حالانکہ اسے اللہ سے حیا آتی ہے کہ (اس کے سامنے) مخلوق سے سوال کرے۔ اس وقت اگرچہ وہ اپنی اس ضرورت کی وجہ سے معذور ہوتا ہے، جس نے اس کو سوال کے لئے مجبور کر دیا، لیکن وہ اپنے آپ کو "مغلوب الصبر" تصور کرتے ہوئے معذرت کرتا اور حیا کرتا رہتا ہے اور یہی اس سے مقصود بھی ہوتا ہے۔

کیا حضور ﷺ کو مکہ سے نکلنا پڑا؟ پھر دیکھو کہ بغیر مطعم بن عدی کی امان لئے ہوئے جو کافر

تھے، آپ مکہ واپس نہیں آ سکے۔

پس پاکیزہ ہے وہ ذات! جس نے سارے امور کو اسباب سے متعلق کیا ہے۔ تا کہ عارف کو ضرورت کے وقت سبب اختیار کرنے کے لئے جھکنا پڑے۔ (دل کی دنیا)

تسلیم حکمت الٰہی:

میں نے بعض حالات پر غور کیا، مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان اجسام کو حکمت کے مطابق بہت مضبوط بنایا ہے۔ اس سے اس کی قدرت کا کمال اور حکمت کی خوبی معلوم ہوئی۔ پھر بعد چندے اسے چور چور کر دیا تو اب اس کی حکمت کا یقین ہو جانے کے بعد اس کے فعل کے راز میں عقلیں متحیر ہو گئیں۔ پھر ان عقلوں کو یہ بتایا گیا کہ سارے جسم قیامت میں دوبارہ بنا دیئے جائیں گے اور یہ سانچہ صرف اس لئے بنایا گیا تا کہ معرفت کا میدان عبور کرے اور عمل کے موسم میں تجارت کر لے۔ یہ سن کر عقلوں کو کچھ سکون ہو گیا۔

پھر انہوں نے کچھ چیزیں دیکھیں جو اس سے بڑھ کر تعجب خیز تھیں۔ مثلاً ایسے نوجوانوں کو موت دے دینا جو ابھی اپنے مقصد پیدائش میں سے کچھ حاصل نہیں کر سکے تھے اور اس سے زیادہ مقام حیرت اس کا یہ معاملہ ہے کہ بچوں کو ان کے تڑپتے والدین کے ہاتھوں سے چھین لیتا ہے اور اس کا راز ظاہر نہیں ہوتا۔ حالانکہ خدا ان بچوں سے بے نیاز تھا اور ان کے والدین ضرورت مند تھے اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز معاملہ ایسے بوڑھوں کو باقی رکھنا ہے جو بے چارے اپنی بقاء کی حقیقت سے بھی غافل ہو چکے ہوں اور ان کو تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے اور اسی قبیل سے عقلمند مومن پر روزی کا تنگ کرنا ہے اور احمق کافر پر وسیع کرنا ہے۔ اسی طرح کے اور بہت سے معاملات ہیں جن کی علت اور راز سمجھنے میں عقل متحیر اور مبہوت ہے۔ (ایضاً)

تقدیر پر رضا کا مراقبہ:

تو میرے باطن سے آواز آئی کہ تقدیر پر صبر کرنے کی تشریح رہنے دو کیونکہ جتنا تم بیان کر چکے ہو اتنا کافی ہے۔ اب تقدیر پر راضی رہنے کا مراقبہ بیان کرو۔ میں اس کے تذکرہ میں اپنی روح کے لئے راحت کی بو محسوس کر رہا ہوں۔

میں نے کہا اے ہاتف باطنی! اپنا جواب سنو! اور سچی بات سمجھو!

تقدیری فیصلوں پر رضا معرفت کا ثمرہ ہے۔ جب تم کو خدا تعالیٰ کی معرفت ہوگی تو اس کے فیصلوں پر راضی بھی رہو گے، کیونکہ قضاء کے ضمن میں بہت سی تلخیاں پیش آتی ہیں۔ جن کا مزہ راضی برضا محسوس کرتا ہے۔ لیکن عارف کے نزدیک معرفت کی حلاوت کی وجہ سے تلخیاں کم ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ معرفت محبت کی طرف لے جاتی ہے۔ جس سے تقدیر کی تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں۔

اس تقریر کو سن کر ہاتف باطنی نے کہا اب مجھ کو وہ امور بتلائیے جن پر رضا اختیار کروں؟ فرض کیجئے کہ میں بیماری اور فقر کے فیصلوں پر راضی رہوں تو کیا اس کی اطاعت میں سستی پر بھی رضا اختیار کروں؟ اور اہل محبت سے دوری پر بھی راضی رہا کروں؟ اس لئے مجھ سے بیان کریں کہ کونسے افعال اس کی رضا کے تحت آتے ہیں اور کون سے نہیں؟

میں نے کہا تم نے بہت عمدہ سوال کیا۔ اچھا تو دونوں کا فرق ذرا گوشِ ہوش سے سننا۔

تم ان امور پر رضا اختیار کرو جو خدا تعالیٰ سے صادر ہوں، جبکہ سستی اور تخلف تمہاری طرف منسوب ہے۔ پس اپنے فعل پر راضی نہ رہنا اور اللہ تعالیٰ کا پورا پورا حق ادا کرنا اور ان امور میں جو اس کے قریب کریں نفس سے مجاہدہ کرنا۔ لیکن جو چیزیں مجاہدہ میں سستی کا سبب ہوں ان پر راضی نہ رہنا۔

اور جو اس کے ایسے فیصلے ہوں جن میں تیرا کچھ دخل نہ ہوں ان پر راضی رہو۔

جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کے پاس ایک عابد کا ذکر ہوا جو گھوڑے سے دانہ چن کر کھاتے تھے۔ "پوچھا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے علاوہ دوسرا رزق کیوں نہیں مانگ لیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص تقدیر پر راضی ہو وہ خود سے انتخاب نہیں کرتا۔"

اور شخص معرفت کا مزہ چکھ لیتا ہے وہ اس میں محبت کا مزہ پاتا ہے۔ (ایضاً)

تو ہو کسی بھی حال میں مولا سے لو لگائے جا
قدرت ذوالجلال میں کیا نہیں گڑگڑائے جا
بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرہ میں پھڑپھڑائے جا
اَشک یوں ہی بہائے جا دل کی لگی بجھائے جا
آہیں بھی کھینچ کھینچ کر آتش غم بڑھائے جا
حسن تماشہ دوست کو عشق کرشمہ ساز تو
کھیل یونہی نئے نئے شام و سحر دکھائے جا

ضربیں کسی کے نام کی دلوں پہ یونہی لگائے جا
گو نہ ملے جواب کچھ در یونہی کھٹکھٹائے جا
کھولیں وہ نہ کھولیں دَر اس پہ کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

تفویض وتوکل

انسانی زندگی اکثر و بیشتر پریشانیوں کے آنے میں خود حضرت انسان کا بھی حصہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے پروگرام تشکیل دے کر ایک منصوبہ ذہن میں تیار کر لیتا ہے۔ لیکن جب تدبیر پر تقدیر غالب آجاتی ہے اور حسب منشاء طے شدہ امور میں خلل واقع ہوتا ہے تو پھر پریشانی نہ آئے تو اور کیا ہو۔ عقلائے دنیا کے اس راستے کے برعکس حضرات انبیاء و اولیاء بزرگان دین کسی بھی معاملہ میں اپنی طرف سے تجویز کے برعکس تفویض یعنی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا راستہ اختیار فرماتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان ہر موڑ پر رضائے حق پر راضی رہتا ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے حال پوچھا تو فرمایا، اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جس کی مرضی کے مطابق دنیا کا ہر کام ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے تابع کر لیا ہے۔ لہٰذا اب دنیا میں جو کچھ بھی حالات آئیں گے مجھے ان پر کوئی صدمہ نہیں ہے۔ یہ ہے تفویض کی برکت۔

اس تفویض کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے کچھ ارشادات ذکر کئے جاتے ہیں، جن پر عمل کرنے کی برکت سے کچھ بعید نہیں کہ سکون قلب کی دولت نصیب ہو جائے۔

طریقہ حصول تفویض:

خدا کی تجویز میں اپنی تجویز کو فنا کر دو۔ ابتداء میں تو اہل اللہ کی یہ حالت تکلف کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت و قدرت کو سوچ کر اپنے ارادہ و تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے، پھر یہ ان کے لئے امر طبعی بن جاتی ہے۔

حصول تفویض کا دوسرا طریقہ:

اپنے ارادہ کو خدا کے ارادہ کا تابع کر دیں کہ جو کچھ ہوگا، ہم اس پر راضی ہیں، اس پر عمل شروع کر دیجئے اور برابر کرتے رہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے گا اور اسی

سے راحت حاصل ہوگی، بدون اس کے راحت نہیں مل سکتی اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ کیونکہ کثرت تکرار سے سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے آج کل جو لوگ پختہ حافظ ہیں وہ پہلے ہی دن سے پختہ نہیں ہوئے بلکہ کثرت تکرار سے پختہ بنے ہیں یا آج جو خوش نویس ہیں وہ کثرت مشق ہی سے خوش نویس ہوا ہے۔ اسی طرح کثرت تکرار سے تفویض حاصل ہو جائے گی۔ یہی عین عبدیت ہے اور بندگی ہے، غلام کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

اعتقادِ تقدیر میں بڑی قوت ہے:

تہذیب، قلب کو جتنی قوت اعتقاد سے ہوتی ہے اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی۔ کفار چاہے لاکھ یاقوتیاں کھائیں، مگر اس اکسیر کے سامنے سب گرد ہیں۔ یہ قائل تقدیر کسی حالت میں متزلزل نہیں ہو سکتا جو مصیبت سامنے آئے گی، یوں کہے گا کہ یہ تو مقدر تھی ٹلنے والی نہ تھی، خواہ میں راضی ہوں یا ناراض۔

پھر خدا کی تقدیر سے ناراض ہو کر عاقبت بھی یوں خراب کی، پھر اس کے ساتھ اس کے دل میں یہ آتا ہے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہے۔

ممفوض کامل کی شناخت:

ممفوض کامل وہ ہے کہ اگر عمر بھر اس کے کان میں یہ آواز آئے "انک من اھل الجنۃ" یا یہ آواز آتی رہے کہ "انک من اھل النار" تو کسی وقت بھی عمل میں ذرا برابر بھی کمی نہ کرے۔ بدستور کام میں لگا رہے۔ نہ پہلی آواز سے بے فکر ہو، نہ دوسری آواز سے دلبرداشتہ ہو۔

توکل مطلوب:

توکل مطلوب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر اعتقاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، جو وہ چاہیں گے وہی ہوگا اور خلاف شرع تدبیر نہ کرو، واللہ تم متوکل ہو۔

تمام تدابیر کے بعد تفویض ہی سے گرہ کھلتی ہے:

حضرت بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں جن میں تمام تدبیریں ختم ہو جاتی ہیں اور کام نہیں ہوتا۔ بس گرہ اس وقت کھلتی ہے جب بندہ یوں کہتا ہے کہ اے اللہ آپ ہی اس کام کو پورا کریں گے تو پورا ہوگا، میں تو عاجز و درماندہ ہوں۔

تفویض کلی کے حصول کا طریقہ:

مرتے وقت تفویض کلی اس کو حاصل ہے جو زندگی بھر اسی میں مشغول رہا ہو ورنہ موت کا وقت تو سخت نازک ہے۔ وہ تحصیل نسبت وطے مقامات و تکمیل تفویض کا وقت تھوڑا ہی ہے کہ اسی وقت کام شروع کرو اور اسی وقت حاصل بھی کر لو۔

صاحب تفویض تدابیر کو محض سنت سمجھ کر کرتا ہے۔

صاحب تفویض تو ہر امر میں ابتداء ہی سے تفویض کرتا ہے اور تدبیر جو کچھ کرتا ہے محض سنت واطاعت سمجھ کر کرتا ہے۔ اس کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ تدبیر ضرور کامیاب ہی ہو، بلکہ وہ کامیابی اور ناکامی کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے کوشش کرتا ہے اور دونوں حالتوں میں راضی رہتا ہے۔

تفویض حقیقی کا معیار:

تفویض سے بڑھ کر راحت کا آلہ دنیا میں کوئی نہیں، مگر راحت کی نیت سے تفویض کرنا دین نہیں بلکہ دنیا ہے۔ حقیقی تفویض وہ ہے جس میں یہ بھی قصد نہ ہو کہ اس سے چین ملے گا بلکہ محض رضائے حق کا قصد ہو۔

تفویض کی حقیقت:

تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے، تدبیر کرے اور تدبیر کے نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دے۔

راحت کا نسخہ اکسیر:

تم اپنی طرف سے نہ بلا تجویز کرو نہ راحت، بلکہ جو وہ تجویز کر دیں اس پر راضی رہو۔

حضرت یہ نسخہ ایسا اکسیر ہے جس سے نہ اہل دنیا کا استغنا ہے، نہ اہل دین کو نہ علماء کو استغناء ہے نہ عرفاء کو بلکہ تمام عالم اس کا محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری مثال ایسی ہے:

واللہ سارے راستے بند ہیں، تم کہیں ان کے قبضے سے باہر نہیں جا سکتے۔ بس ہماری مثال

ایسی ہے جیسے لنگڑا ہرن شیر کے پنجے میں ہو، اب بتلاؤ کہ اگر لنگڑا ہرن شیر کے پنجہ سے چھوٹنے کی کوشش کرے تو یہ اس کی حماقت ہے یا نہیں؟ بس اس کی خیر اسی میں ہے کہ اپنے کو شیر کے سامنے ڈال دے اور اس کے ہر تصرف پر راضی ہو جائے، خواہ کھالے، خواہ چھوڑ دے۔

غیر تسلیم و رضا کو چارہ
در کف شیر نرخوں خوارہ

اسلام کی حقیقت تفویض ہے

اسلام کی حقیقت تفویض ہے جو تمام حالات کو شامل ہے۔ خواہ حالات آفاقیہ ہوں، خواہ انفسیہ ہوں، پھر انفسیہ میں خواہ احوال حسیہ ہوں جیسے مرض وصحت اور قوت وضعف خواہ باطنیہ ہوں جیسے قبض وبسط، ہیبت وانس وشوق وامثالہا سب کو اپنے سر آنکھوں پر رکھے۔

محققین کی تفویض کا حاصل طلب عبدیت

محققین تفویض بغرض راحت کو دنیائے محض کہتے ہیں۔ وہ تفویض کے طالب محض اس لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ حقوق بندہ پر ہیں۔ ''منجملہ ان کے یہ حق بھی ہے کہ بندہ اپنے ارادہ اور تجویز کو ان کے ارادہ وتجویز میں فنا کردے۔ ان کو محض عبدیت مطلوب ہے اور حق الوہیت کا ادا کرنا یہی عبدیت ہے۔''

اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو پسند نہیں فرماتا

اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو پسند نہیں فرماتا۔ عقل وتدبیر سے کام لینا چاہئے۔ پھر جب بالکل ہی مغلوب وعاجز ہو جاؤ تو ''حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل'' (آل عمران۔۳۔۱۷۳) کہو۔

تفویض والا بڑی راحت میں رہتا ہے

تم اپنی تجویز کو دخل نہ دو بلکہ اپنی تربیت کو خدا کے سپرد کردو۔ تفویض سے کام نہ لو کہ وہ جس طرح چاہیں تربیت کریں، حالات وکیفیات عطا کریں یا سب کو سلب کرلیں۔ تفویض والا بڑی راحت میں رہتا ہے۔ اس کو کسی حال میں پریشانی نہیں ہوتی، کیونکہ رنج وغم اور پریشانی کی حقیقت

یہی ہے کہ خلاف ارادہ، خلاف توقع کا ظہور ہو اور صاحب تفویض کا ارادہ اور توقع ہی کچھ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے تفویض وتقدیر کا مسئلہ اسی لئے بتلایا ہے کہ پریشانی اور غم سے بچے رہیں گے۔ مگر تفویض وتوکل اس نیت سے اختیار نہ کرو کہ راحت حاصل ہوگی۔ کیونکہ اس سے راحت تو بہرحال ہوگی، مگر اس نیت سے ثواب باطل ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ اس نیت کی نحوست سے راحت بھی کم نصیب ہو۔ نیز اس درجہ کا رضا وقرب بھی نہیں ہوتا جیسا کہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو تفویض کو محض حق تعالیٰ کا حق سمجھ کر اختیار کرتا ہے۔

صدق وتفویض کا طریقہ

محققین کا قول ہے کہ تفویض اس نیت سے اختیار نہ کرے کہ اس سے راحت ہوتی ہے بلکہ محض اس لئے اختیار کرے کہ یہ حق تعالیٰ کا حق عظمت ہے۔ یعنی تم یہ سمجھ کر تفویض اختیار کرو کہ تم غلام ہو اور وہ آقا ہیں اور آقا کا حق ہے کہ غلام اپنے سب امور اس کو مفوض کردے اور اپنی منفعت اور مصلحت کا خیال نہ کرے۔ پھر وہ مصالح ومنافع بھی خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ تفویض کی ساتھ لگے ہوئے ہیں، لیکن اداء حق عظمت کے ساتھ وہ منافع مع ثواب ورضاء کے حاصل ہوں گے اور اس کے بغیر گو منافع مرتب ہوں گے، مگر اس میں رضا وقرب زیادہ نہ ہوگا۔

کمال عبدیت کی شناخت

کمال عبدیت یہ ہے کہ بندہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور حق تعالیٰ جو تصرف اس کے اندر کرے اس پر راضی رہے، جہاں اس کا تصور ہو کہ یہ تصرف حق ہے، بس برف سا دل پر رکھ جائے۔

تفویض کے معنی

بعض دفعہ یہ بات دیکھی کہ اگر باوجود احتیاط کے کچھ مالی نقصان ہو گیا تو زیادہ قلق نہیں ہوا، لیکن اگر بے احتیاطی سے کچھ نقصان ہو گیا تو قلق زیادہ ہوتا تھا۔ ایک دن مجھے تنبہ ہوا کہ یہ تو ناقص حالت ہے، آخر فقط مال پر اتنا زیادہ قلق کیوں ہے؟ اس وقت یہ علاج وارد ہوا کہ یہ بھی حق تعالیٰ کا تصرف ہے کہ بے احتیاطی کی حالت میں یہ نقصان ہو گیا۔ بس یہ تصور کرنا تھا کہ ایک ہی جلسہ میں مرض کی اصلاح ہو گئی۔ شاید کوئی یہ کہے کہ پھر ازالہ نقص کی تدبیر ہی کی کیا ضرورت ہے، مجاہدہ وریاضت کی کیا حاجت

ہے؟ بس جیسا خدا نے دے دیا اسی پر راضی رہنا چاہئے۔ تکبر دیا تو اس پر راضی، بخل دیا تو اس پر خوش، کیونکہ تصرف حق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ترک تدبیر کی تم کو اجازت نہیں ہے تم تدبیر کرنے کے مامور ہو اس لئے تدبیر کرنا واجب ہے، ہاں تدبیر کے بعد بھی اگر نقص رہے گا تو یہ تصرف حق ہے اور موافقت ہے تقدیر کی، تو سمجھ لو کہ عین گناہ کے وقت یا گناہ سے پہلے عزم کے وقت اس تصور سے کام نہیں لے سکتے۔ کیونکہ تم کو ابھی سے کیا خبر ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے یہ تصرف مقدر کیا ہے کہ فلاں گناہ کرو گے؟ پھر جس وقت گناہ کرتے ہو اس وقت موافقت تقدیر کی نیت کب ہوتی ہے۔ اس وقت تو اپنی خواہش کا پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ قبل از وقوع تقدیر کی نیت کب ہوتی ہے۔ اس وقت تو اپنی خواہش کا پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ قبل از وقوع تقدیر کی کس کو خبر ہے؟ یہی جواب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دیا تھا، جبکہ شیطان نے کہا تھا کہ آپ نے میرا سجدہ نہ کرنا ہی مقدر کیا تھا تو اگر میں نے اس تقدیر کے موافق سجدہ نہ کیا تو مجھ پر لعنت اور غضب کیوں ہوا؟ وہاں ارشاد ہوا کہ موافقت تقدیر کا علم تو بعد وقوع کے تجھ کو ہوا، وقوع کے وقت تو، تُو نے اس کا قصد نہیں کیا۔ بہر حال گناہ کے وقت اس مراقبہ سے کام نہیں لے سکتے۔ ہاں گناہ کے بعد توبہ نصوح کر کے بھی جب قلق زائل نہ ہو اور اس قلق سے تعلق فی الاعمال کا اندیشہ ہو تو اس وقت سر مراقبہ سے کام لو اور زیادہ قلق میں نہ پڑو۔

تفویض کے تحصیل کا طریقہ

جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے اس وقت اس کو فوراً حاضر فی الذہن کر لیا جائے کہ یہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے۔

تفویض کے دوام کا طریقہ

تفویض کا دوام یہ ہے کہ ضرورت کے وقت اس کا استحضار ہو جائے کہ یہ تصرف حق ہے۔ لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ وقت پر اس کا استحضار ہو جانا، اس کا حصول بھی اس پر موقوف ہے کہ چند روز ہر وقت اس کا استحضار اور مراقبہ رہے۔ بدون اس کے رسوخ نہیں ہوتا۔

تفویض پر ایک شبہ کا جواب

تفویض پر بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بس نہ غلام پر تنبیہ ہو، نہ بیوی سے باز پرس ہو نہ اولاد کو

تادیب ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے نفس کے لئے تادیب وانتقام ضروری نہیں اور اگر یہ لوگ خدا اور رسول ﷺ کی مخالفت کریں تو اس پر رضا جائز نہیں۔ نہ اس پر سکوت کرنا تفویض کی فرد ہے بلکہ وہاں تو تادیب ہی تفویض ہے۔ ہاں جب تفویض ہوگا تو اول اول حالت یہی ہوگی، مگر تمکن کے بعد ہر حالت میں حقوق کو صحیح انداز سے ادا کرے گا۔ پس امتثال الامر میں تادیب کو اختیار کرنا عین تفویض ہے۔

شجاعت دو ہیں

شجاعت دو ہیں۔ ایک شجاعت امراء کی، دوسری شجاعت فتیان کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت، شجاعت فتیاں تھی۔ یعنی سپاہی کی شجاعت کے میدان میں دشمن کے مقابل قوی القلب رہے اور امراء وسلاطین کی شجاعت یہ ہے کہ سخت خطرات وحوادث میں مستقل مزاج رہیں۔ پریشان واز جارفتہ نہ ہوں۔ ہر حادثہ کی مناسب تدبیر نہ کریں۔ چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت وقوتِ قلب یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت مستقل مزاج رہے۔ خود بھی سنبھلے اور تمام صحابہ کو سنبھالا۔ محققین اہل سیر کا قول ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دو سال میں وہ اصول سلطنت مہمد کئے تھے جس پر عمل کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس سال میں وہ انتظامات کئے اور وہ فتوحات کثیرہ حاصل کیں، جن کی دنیا میں نظر نہیں۔ عام طور پر لوگ فاروق رضی اللہ عنہ کو فاتح اعظم کہتے ہیں۔ مگر محققین حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو فاتح اعظم کہتے ہیں۔

(یہ شجاعت واستقلال وثبات آپ کو اسی تفویض وتمکین کی بدولت نصیب ہوا تھا)۔

تنگی معیشت کی پریشانی منافی توکل نہیں

بعض لوگوں کا معیشت کی تنگی کی وجہ سے دل پریشان ہوتا ہے اور اس کا اثر نماز پر بھی پڑتا ہے کہ حضور قلب حاصل نہیں ہوتا۔ سبب اس کا اکثر ضعف طبیعت ہے۔ اس لئے توکل کے منافی نہیں، کیونکہ طبعی امور اختیاری نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی کامیابی کا راز

صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی تدبیروں پر کبھی بھروسہ نہ کرتے تھے بلکہ ہر قسم کی تدبیر مکمل کرنے کے

ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا اور طلب نصرت اور تفویض الی اللہ کرتے تھے۔ یہ راز ہے ان کی کامیابی کا اور یہ وہ زبردست ہتھیار ہے جس کی طاقت کو مادہ پرست نہیں سمجھ سکتے۔

اے مسلمانو! یاد رکھو! تم کو جب کامیابی ہوگی، خدا تعالیٰ سے علاقہ جوڑنے کے بعد ہوگی، اور جب تم اپنی کامیابی کو مادی اسباب اور ظاہری طاقت کے حوالہ کرتے رہو گے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ تمہارے اس رضائے الٰہی اور اتفاق و جمعیت کے ساتھ دعا کا ہتھیار بھی ہو تو کوئی قوم تم پر غالب نہیں آسکتی۔

توکل کی تعلیم

کسی رقم کے متعلق جب تک کھٹک ہو ہرگز نہ لو، اور یہ مت سمجھو کہ اگر اس رقم کو واپس کردیں گے تو پھر کہاں سے آئے گی اور وہ تقدیر میں ہے تو پھر آئے گی اور اگر تقدیر میں نہیں ہے تو اس کی جگہ دوسری رقم آجائے گی۔ خدا سے ایسے ناامید کیوں ہوگئے کہ بس ایک دفعہ دے کر پھر نہ دیں گے۔

الہام متعلق وثوق برزق

ابن عطاء اسکندری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ الہامات الٰہیہ لکھے ہیں ان میں ایک الہام یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے میں ایسا روزی دینے والا ہوں کہ اگر تو یہ دعا بھی کیا کرے کہ اللہ مجھے رزق نہ دیجیو، تو میں جب بھی دوں گا اور تیرے مانگنے پر تو کیوں نہ دوں گا۔

اپنے بعد کے لئے اولاد کی فکر نہ کرنی چاہیے

یہ کہیں ثابت نہیں کہ اولاد کے لئے اپنے بعد کا انتظام کرنا مطلوب ہے، بلکہ مشائخ کا تو اس میں خاص مذاق ہے۔ حضرت عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت کی ہے کہ اپنے بعد کے لئے اولاد کی فکر فضول ہے۔ کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ صالح ہوں گے تو صلحاء کو حق تعالیٰ ضائع نہیں کریں گے یا بد ہوں گے تو خدا کے نافرمانوں کے لئے تم نافرمانی میں معین کیوں ہوتے ہو۔

اہل اللہ کی راحت کا راز

تہذیب: ...... اہل اللہ کی راحت کا راز یہ ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی راحت تجویز نہیں

کرتے۔ کیونکہ تجویز کرنا دعویٰ ہے ہستی کا ہم بھی کچھ ہیں اور ہماری تجویز بھی کوئی چیز ہے بلکہ ان کا مذاق فناء محض ہے۔ اس لئے یہ حضرات تجویز کہاں کرسکتے ہیں۔ اگر ان کا کوئی عزیز بیمار ہوتا ہے تو وہ دوا اور دعا سب کرتے ہیں۔ مگر دل سے ہر پہلو پر راضی رہتے ہیں۔ اگر مرگیا تو وہ اول ہی سے اس پر راضی تھے۔ گو طبعی رنج ہو، اس کا مضائقہ نہیں۔ مگر دل سے وہ اس پر راضی رہتے ہیں اور تمام کلفتوں کی جڑ یہی تجویز اور توقع ہے۔ جو شخص تجویز اور توقع کو فنا کردے گا، وہ ہر حال میں راحت ہی میں رہے گا بلکہ اگر کوئی دنیادار شخص بھی اہل اللہ سے ناتمام تشبہ حاصل کرلے، وہ بھی دوسروں سے زیادہ راحت میں رہتا ہے۔

مشورہ کے بعد حاکم کو توکل چاہیے

مشورہ کے بعد حاکم کی رائے جس طرح قائم ہوجائے اس کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا چاہیے اور خدا پر نظر رکھنی چاہیے۔ وہ ایک آدمی کی رائے کو بھی تمام عالم کی رائے پر غالب کرسکتے ہیں۔

منکر تقدیر اور قائل تقدیر کے آثار کا فرق

جو شخص منکر تقدیر ہے اس کو کبھی صبر نہیں آتا، بلکہ ہمیشہ قلق و اضطراب میں رہتا ہے اور علاج ہی کی کوتاہی اور تدبیر علاج کا قصور بتلاتا ہے۔ بخلاف قائل تقدیر کے گو یہ بھی باقتضاء طبعی وفات ولد و زوجہ وغیرہ پر حزن و ملال کا اثر اپنے قلب میں پائے گا اور اس کا نفس بھی نقص علاج وغیرہ کا سبب بنا کر پیش کرے گا، لیکن اس کو معاً یہ خیال پیدا ہوگا کہ درحقیقت اس کا وقت ہی آگیا تھا، حیات مستعار ختم ہوچکی تھی اور نقص علاج بھی اس کے واسطے مقدر تھا اور جب اس کی موت کے واسطے خداوند عالم نے عالم ظاہر میں نقص علاج ہی کو علت بنایا تھا تو کوئی قوت ایسی نہ تھی جو اس کے علاج کے نقصان کو پورا کرتی۔ بس اس کے بعد اس کو بالکل صبر آجائے گا اور کسی قسم کا رنج و ملال اور قلق و اضطراب کا اثر قلب پر نہ رہے گا۔

تفویض کی لذت

اسلام کی وجہ بمعنی تفویض ہے۔ یعنی اپنے کو ہر تصرف الٰہی کے لئے آمادہ کردینا۔ یہ وہ چیز ہے جو پریشانی کو بھی لذیذ کردیتی ہے۔ مگر وہ لذت مٹھائی اور حلوے جیسی نہیں بلکہ مرچوں بھری

کباب جیسی ہے۔ جس کی لذت وہی جانتے ہی جو مرچ کھانے کے عادی ہیں۔ چنانچہ عارفین کو بھی ہر طرح کی مشقت اور مصائب و آلام پیش آتے ہیں۔ مگر ان کو اس میں بھی لذت آتی ہے اور وہ یوں کہتے ہیں:

نا خوش تو خوش بود بر جان من
دل فدائے یار دل رنجان من

تقویٰ کامل فنا ہے

تقویٰ کامل یہ ہے کہ اپنی جان خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو فنا کہتے ہیں۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ذبح ولد پر آمادہ ہو گئے تھے اور جو شخص ذبح ولد پر آمادہ ہو جائے وہ اپنی جان دینے پر ضرور آمادہ ہوگا، کیونکہ بیٹے کا ذبح کرنا اپنے ذبح سے اشد ہے۔

حضور ﷺ کا توکل عدم غم کی وجہ

حضور ﷺ کی نظر ہر وقت خدا پر تھی، مخلوق پر نظر نہ تھی۔ اس لئے آپ کو کسی کے فعل سے رنج نہ ہوتا تھا۔ مگر یہ برتاؤ نہ تھا کیونکہ احکام شرعیہ کی مخالفت پر تو آپ ﷺ کو اتنا غصہ آتا تھا کہ کوئی برداشت نہ کر سکتا تھا۔

تقدیر نے مسلمانوں کو بہادر بنا دیا ہے

تقدیر نے مسلمانوں کو بہادر اور شیر دل بنا دیا ہے۔ جو شخص تقدیر کا معتقد ہو وہ ادنیٰ درجہ کی تدبیر سے بھی کام شروع کر دیتا ہے۔

لاحول ولاقوۃ کی حقیقت

لاحول ولاقوۃ کی حقیقت عدم التفات ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کچھ طاقت نہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی چیز سے اندیشہ نہ کرنا چاہئے اور سب سے بے التفاتی ہی برتنا چاہئے۔

تفویض کا طریقہ

جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق و دخل نہیں ان میں تو ابتداء ہی سے تفویض و تسلیم اختیار کرنا چاہئے اور جن میں تدبیر کو بھی کچھ دخل ہے وہاں تدبیر کی بھی جائے، مگر نتائج و ثمرات تدبیر میں تفویض نہ کئے جائیں۔

اسباب و تدابیر کا درجہ اور اس کی عجیب مثال

دعا کو تدبیر کہنا تو برائے ظاہر ہے، ورنہ حقیقت میں اس کا درجہ تدبیر سے آگے ہے۔ دعا کو تقدیر سے زیادہ قرب ہے، کیونکہ اس میں ذات سے درخواست ہے۔ جس کے قبضہ میں تقدیر ہے، اسباب و تدابیر کا درجہ صرف اتنا ہے جیسے ریلوے ملازم لال جھنڈی دکھلا دے۔ جس سے ریل گاڑی فوراً رک جائے گی۔ سو ظاہر ہے کہ لال جھنڈی میں تاثیر کی قوت نہیں۔ اگر ڈرائیور انجن کو نہ روکے تو ہزار لال جھنڈیاں بھی پامال ہو جائیں گی لیکن ریل رک نہیں سکتی۔ پس لال جھنڈی کا درجہ صرف اتنا ہے کہ ڈرائیور نے اصطلاح مقرر کر لی ہے۔ اگر وہ اس قرارداد کے خلاف کرنا چاہے تو جھنڈی میں اس کو روکنے کی اصلاً طاقت نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا ہے، جو شخص اسباب کو اختیار کرے گا ہم مسببات کو اس پر فائز کر دیں گے۔ لیکن اگر کسی وقت وہ مسببات کو پیدا کرنا نہ چاہیں تو اسباب سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ بس، اسباب کا نام ایک مصلحت ہے اور حکمت کی وجہ سے ہے، ورنہ سب کچھ وہی کرتے ہیں اور بندہ کا نام ہو جاتا ہے کہ حکیم صاحب کے ہاتھ سے شفا ہو گئی یا فلاں صاحب کی تقریر کا یہ اثر ہوا، صاحبو، اثر و تاثیر سب خدا کی طرف سے ہے۔

بندہ کی طرف سے نسبت اعمال کی مثال

ہماری طرف سے ان اعمال کی نسبت ایسی ہے جیسی بچہ کے ہاتھ میں قلم دے کر پھر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر لکھا جائے اور دو چار حروف خوشنما لکھ کر بچہ کی تعریف کی جائے۔ اسی طرح اپنے اعمال صالحہ اور اوصاف کمالیہ پر نادان ہی ناز کر سکتا ہے جس کو ایک ہی ہاتھ نظر آتا ہے اور دوسرا ہاتھ نظر نہیں آتا اور جن کو دوسرے ہاتھ کا مشاہدہ ہو گیا ہے ان کی نظر اپنے معاملات

اصلاً نہیں ہوتی اور محقق وہ ہے جو دونوں ہاتھوں کا مشاہدہ کرے، خالق کا بھی، کاسب کا بھی۔ خالق اور کاسب دونوں پر نظر کر کے فعل کو دونوں کی طرف منسوب کرے۔ خالق کی طرف خلقاً اور کاسب کی طرف کسباً۔ خوب سمجھ لو۔

ایک غلط خیال کی اصلاح

اکثر علماء کا خیال ہے کہ بدون امراء سے ملے مدارس چل نہیں سکتے۔ مگر مجھے تو یقین کامل ہے کہ اگر علماء امراء سے بالکل نہ ملیں جب بھی کسی بات میں کمی نہ آئے گی۔ کیونکہ جس خدا نے ابتداء اسلام میں بدون امراء کی امداد کے محض چند غریبوں کے ہاتھوں اپنے دین کو پھیلایا تھا، وہ خدا اب بھی موجود ہے اور وہ اب بھی اپنے دین کا محافظ ہے۔

شرکِ طریقت

غیر اللہ پر اتنی نظر رکھنا کہ ایک شخص کے وعدہ خلافی کر جانے سے رنج شدید ہو اور منزل مقصود تک رسائی سے مایوس ہو جانا شرکِ طریقت ہے۔

فانی اپنے کلام میں تاویل بھی نہیں کرتا

فانی اپنے کلام میں تاویل بھی نہیں کرتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایمان وکفر مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہے اور تاویل وہ کرے جو مخلوق پر کچھ نظر کرتا ہو، اور جس کی نظر مخلوق پر بالکل نہ ہو اس کو اس کی بھی ضرورت نہیں۔

باب ہفتم

تنگدستی سرمایہ تسکین

بیٹھا ہوں میں یار کو مہماں کیے ہوئے
روئے زمیں کو کوچہ جاناں کیے ہوئے
سب اپنے گھر کو بے سرو ساماں کیے ہوئے
بیٹھا ہوں عزم کوچہ جاناں کیے ہوئے
کیا دل لگے یہاں پہ کہ مرحوم تیری یاد
دل کو ہے ایک شہر خموشاں کیے ہوئے
ہے شوق وضبط میں دن رات کشمکش
دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشاں کیے ہوئے

اگر گلاب کی شاخیں کسی گملے میں لگادی جائیں اور اس کے بالمقابل ویسے ہی کاغذ کے پھول بنا کر رکھ دیئے جائیں تو اس وقت اگرچہ اصل گلاب کے پھولوں کی بہ نسبت کاغذ کے مصنوعی پھولوں میں رونق وشادابی زیادہ ہوگی مگر ایک چھینٹا بارش کا پڑ جائے تو پھر دیکھئے کہ گلاب کا رنگ کیسے نکھر کر سامنے آتا ہی اور کاغذ کے پھول کیسے بدرنگ ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح مسلمان دنیا میں خواہ کسی حالت میں ہوں لیکن قیامت کے دن ابر رحمت برسے گا تو دیکھنا مسلمان کا اصل رنگ کیسے نکھرتا ہے اور کافر کی زرق برق حالت پر کیا پانی پڑتا ہے۔ (از حکیم الامت)

تنگدستی سرمایہ تسکین

موجودہ دور میں دنیوی پریشانیوں میں ایک بڑی وجہ معاشی تنگدستی ہے حالانکہ ہم سب مسلمان جانتے ہیں کہ یہ دنیا ہماری منزل نہیں بلکہ گزرگاہ ہے جنت کی ابدی نعمتوں کو حاصل رکھنے کا راستہ ہے اور سفر میں وہ راحت نہیں ہو سکتی جو انسان کو اپنے گھر میں ہوتی ہے۔

اس لئے شریعت نے قدم بقدم اپنے احکام کے ذریعے ہمیں دنیوی پریشانیوں اور خاص طور پر معاشی تنگدستی کے سلسلہ میں ایسے فرامین سے نوازا ہے جن کو حرز جان بنانے کے بعد انسان واقعی سکون قلب کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

''حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں (کفار کی طرف سے پہنچنے والی مسلسل تکالیف اور شدائد کی) شکایت کی جب کہ آنحضرت ﷺ کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے ہم نے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار اور ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرما دیتے (تاکہ ان مشکلات سے چھٹکارا حاصل ہو) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (تم بھی اسے گھبرا گئے جب کہ) تم سے پہلی والی امتوں میں مومن آدمی کو (اس قدر ستایا جاتا تھا کہ اس کے لئے زمین میں ایک گڑھا کھودا جاتا تھا پھر اس شخص کو اس گڑھے میں گاڑ دیا جاتا تھا، پھر ایک آرا لے کر اس کے سر پر رکھ کر چلایا جاتا تھا جس سے اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے لیکن مجال ہے کہ (یہ تکالیف بھی) اس کو دین سے پھیر دیں اور کبھی لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ اس کے گوشت کو ہڈیوں اور پٹھوں سے ادھیڑ دیا جاتا تھا لیکن یہ تکالیف بھی اس کو دین سے نہیں پھیر سکتی تھیں خدا کی قسم! یہ امر (اسلام) ضرور پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ (عنقریب) ایک سوار صنعاء (شہر کا نام) سے حضرت موت (شہر کا نام) کا سفر شروع کرے گا مگر اس کے دل میں سوائے اللہ کے خوف اور اپنی بکریوں کے بارے میں بھیڑیئے کے خوف کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوگا لیکن تم تو بہت جلدی مچا رہے ہو۔''

ایمان کا امتحان ہوتا ہے

حضرت مصعب بن سعد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ کون شخص تنگی اور مصیبت میں مبتلا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انبیاء سب سے زیادہ تنگی میں مبتلا ہیں پھر وہ لوگ جو انبیاء کے بعد فضیلت والے ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد فضیلت والے ہیں جو آدمی دین کے اعتبار سے جتنا مضبوط ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کو آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص دین میں مضبوط ہوگا اس کی آزمائش بھی سخت ہوگی اور جو شخص دین میں کمزور ہوگا اس کی آزمائش بھی اتنی ہی کمزور ہوگی۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''ہرگز اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا اگر چہ تجھے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے اور ہرگز اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگر چہ وہ تجھے حکم دیں کہ تو اپنے اہل وعیال اور اپنے مال کو چھوڑ کر نکل جا۔''

حافظ ابن حجر نے ''منبہات'' میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

ایک دن آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اعلیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا (بھلا تم بتلاؤ) کہ تم نے صبح کس حال میں کی؟ انہوں نے عرض کیا ہم نے صبح اس حال میں کی ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا علامت ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا (ہمارے ایمان کی علامت یہ ہے (کہ ہم مصائب پر صبر کرتے ہیں اور فراخی کی حالت میں شکر کرتے ہیں اور ہم اللہ جل شانہ کے فیصلے پر راضی رہتے ہیں (یہ جواب سن کر) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! تم لوگ پکے اور سچے مومن ہو۔

تنگ دست اہل ایمان کے لئے سامان تسلی:

ان احادیث مبارکہ میں ان مسلمانوں کے لئے کافی سامان تسلی موجود ہے جن کو بھوک و افلاس اور بے سروسامانی نے پریشان حال اور تنگ کر رکھا ہے، ایسی ہی سادہ لوح غریب مسلمان کفار کی ظاہری شان وشوکت اور زرق برق سے متاثر ہو جاتے ہیں اور شیطان بھی ان کی تنگ حالی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو طرح طرح کے وساوس میں مبتلا کر دیتا ہے جس سے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر دل میں شکایات کا بیج اگنا شروع ہو جاتا ہے۔

اور پھر دوسری طرف کفار مشنریاں اور مبلغین ایسے مفلوک الحال مسلمانوں کو مال و دولت ملازمت اور غیر ملکی ویزا اور شہرت کا جھانسہ دے کر ان کے عقائد اور ایمان کی جڑیں کھوکھلی کر دیتے ہیں اور بعض اوقات روٹی کے چند لقموں کو ترسا ہوا یہ مسلمان (معاذ اللہ! معاذ اللہ) اپنے مذہب سے بیزاری ظاہر کر کے عیسائیت یہودیت قادیانیت وغیرہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

خدا کے لئے! کبھی بھی دولت کی طمع میں اور پیٹ کی بھوک مٹانے کے لئے ایمان کی دولت عظمیٰ سے ہاتھ مت جھاڑیئے! خدارا! زیادہ سے زیادہ تکلیف اپ کو یہ ہو سکتی ہے کہ شاید بھوک کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے اگر ایمان سلامت رہا تو پھر بھوک کی حالت میں مر جانے کا بھی کوئی غم نہیں اس ایمان اور فقر وفاقہ پر صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایسی ایسی ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں سے نوازیں گے کہ دنیا کی تمام تکالیف کا احساس مٹ جائے گا۔

دنیا میں تنگ حالی اور خوش حالی کی حقیقت:

چنانچہ ایک حدیث وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن ان لوگوں میں سے جن کے لئے دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ عیش اور مزے میں تھا اور اس کو دوزخ کی آگ میں غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی تھی؟ کیا کبھی کوئی نعمت تیرے قریب سے بھی گزری تھی؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! آپ کی ذات کی قسم! بالکل نہیں (نہ ہی کبھی کوئی خیر دیکھی اور نہ ہی کسی نعمت کا میرے پاس سے گزر ہوا) پھر قیامت والے دن ان لوگوں میں سے جن کے لئے جنت کا فیصلہ ہو چکا ہوگا ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں تمام لوگوں سے زیادہ تنگی میں مبتلا رہا، پھر اس کو جنت میں ایک جھونکا دیا جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا کہ ابن آدم رحمۃ اللہ علیہ کیا تو نے کبھی کوئی تنگی دیکھی تھی؟...... کیا کبھی تیرے قریب سے کسی مصیبت کا گذر ہوا تھا؟...... وہ عرض کرے گا ''اے میرے رب! آپ کی قسم! نہ ہی میرے قریب سے کبھی کوئی تنگی گزرے اور نہ ہی میں نے کبھی کسی مصیبت کا سامنا کیا۔''

ایک عبرتناک واقعہ:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نوف بکالی سے ایک عجیب حکایت نقل فرمائی ہے، فرمایا کہ ایک مرتبہ دو شخص مچھلیوں کے شکار کی غرض سے نکلے ان میں ایک کافر تھا اور دوسرا مسلمان، کافر اپنا جال ڈالتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتا جس کی وجہ سے اس کا جال مچھلیوں سے بھر جاتا اور مسلمان اپنا جال ڈالتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیتا لیکن کوئی مچھلی اس کے ہاتھ نہ آتی اس کا جال خالی رہتا اسی طرح غروب آفتاب تک دونوں شکار کرتے رہے آخر کار ایک مچھلی مسلمان کے ہاتھ لگی لیکن وائے ناکامی! وہ مچھلی بھی اس کے ہاتھ سے اچھل کر پانی میں کود گئی یہاں تک کہ یہ بیچارہ غریب مسلمان شکارگاہ سے ایسا خائب وخاسر لوٹا کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہ تھا اور کافر ایسا کامیاب لوٹا کہ اس کا کشکول مچھلیوں سے بھرا ہوا تھا اس عجیب وغریب حیرت ناک واقعہ سے فرشتہ مومن کو سخت افسوس ہوا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! یہ کیا بات ہے کہ ایک مومن بندہ جو تیرا نام لیتا ہے ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہیں ہوتا

اور تیرا کافر بندہ ایسا کامیاب واپس آتا ہے کہ اس کا کشکول مچھلیوں سے لبریز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کا عالی شان محل دکھا کر جو اس کے لئے جنت میں تیار کر رکھا ہے فرشتہ مومن سے خطاب فرمایا کہ اے فرشتہ! کیا اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد میرے اس بندہ مومن کو جو رنج وتعب جو دنیا میں مچھلیوں کے شکار میں ناکامی کے باعث ہوا تھا باقی رہے گا اور کافر کے اس بدترین مقام کو دکھلا کر جو اس کے لئے جہنم میں تیار کر رکھا ہے، ارشاد فرمایا کہ کیا کافر کی وہ چیزیں جو اس کو دنیا میں عطا کی گئیں ہیں اس جہنم کے دائمی عذاب سے نجات دلا سکتی ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ اے میرے پروردگار! آپ کی ذات کی قسم بالکل ایسا نہیں ہو سکتا۔

فائدہ:...... سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان کی کتنی قدر ومنزلت ہے مسلمانو! اس کی قدر کرو کسی دنیوی مصیبت کی وجہ سے پست ہمت اور ملول مت ہوں! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دنیا کی عوض ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ ہی کسی کے دل میں ان کی بارے میں کوئی خیال گزرا۔

اور اگر خدانخواستہ ایمان بیچ کر دنیوی راحت ولذت حاصل کرلی اور اسی حالت میں موت نے دبوچ لیا تو پھر مرتے ہی ایسی خوفناک تکالیف اور دردناک عذابوں کا سامنا ہوگا کہ خدا کی پناہ! پھر سوائے حسرت وندامت اور چیخ وپکار اور آگ کے عذاب کے کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ مہلت کا وقت ختم ہو چکا ہوگا۔

اہل اسلام کی تنگ حالی اور کفار کی عیش ومستی کی حقیقت:

دنیاوی زندگی میں عام طور پر مسلمان فقر وفاقہ اور تنگیوں میں مبتلا ہیں اور کفار عیش وعشرت اور مزے کی زندگی میں نظر آرہے ہیں لیکن خوب یاد رکھیں! یہ سلسلہ صرف چند روزہ زندگی تک محدود ہے، پھر دیکھنا! اہل ایمان ہمیشہ ہمیشہ کی لئے کامیاب وکامران ہوں گے اور کفار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خائب وخاسر!

اللہ تعالیٰ حضرت مجدد تھانوی قدس سرہ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ جنہوں نے اس حقیقت کو ایک مثال سے خوب سمجھایا ہے کہ اگر گلاب کی شاخیں کسی گملے میں لگادی جائیں اور اس کے بالمقابل ویسے ہی کاغذ کے پھول بنا کر رکھ دیئے جائیں تو اس وقت اگرچہ اصل گلاب کے پھولوں کی بہ نسبت کاغذ کے مصنوعی پھولوں میں رونق وشادابی زیادہ ہوگی مگر ایک چھینٹا بارش کا پڑ جائے تو

پھر دیکھئے کہ گلاب کا رنگ کیسے نکھر کر سامنے آتا ہے اور کاغذ کے پھول کیسے بدرنگ ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح مسلمان دنیا میں خواہ کیسی حالت میں ہوں لیکن قیامت کے دن ابر رحمت برسے گا تو دیکھنا مسلمان کا اصل رنگ کیسے نکھرتا ہے اور کافر کی زرق برق حالت پر کیا پانی پڑتا ہے۔

ایک سبق آموز مثال:

دوسری مثال سے یوں سمجھئے! جیسے ایک مجرم قید خانہ میں پڑا یہ خود دیکھ رہا ہے کہ طرح طرح کے باغات ہیں کھانے پینے کے لئے انواع واقسام کے ماکولات ومشروبات ہیں دل، بہلانے کو غلام اور لونڈیوں کا مجمع ہے۔ غرض بڑے ہی مزے ہیں لیکن اچانک جو اس خواب سے آنکھ کھلی تو دیکھتا ہے کہ وہی تنگ وتاریک قید خانہ ہے۔ ہاتھ پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ قید خانہ کے سپاہی لوہے کے گرز لئے پیٹنے کو ہر وقت سر پر مسلط ہیں تو اب بتلایئے اس قیدی کے اس سہانے خواب کی کیا حقیقت نکلی؟ کیا بیدار ہوکر یہ خواب اس کو کچھ بھی بھلا معلوم ہوگا؟

یہی حال کافروں کا ہے کہ جو دنیوی حیات بڑی عیش ومستی سے گزارتے ہوئے نظر آرہے ہیں لیکن اس دنیوی خواب سے بیدار ہوکر ہمیشہ کی زندگی کے لئے جب آنکھ کھلے گی تو دنیوی حیات کے عیش ومستی میں ڈوب کر وہ ایام جو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا نافرمانی میں گزارے کچھ بھلے معلوم نہیں ہوں گے۔

دوسری طرف ایک شخص خواب دیکھ رہا ہے کہ سخت مصائب اور تکالیف سے دوچار ہے، فقر وفاقہ افلاس وتنگ دستی نے پریشان کر رکھا ہے لیکن جونہی وہ خواب سے بیدار ہوا تو دیکھتا ہے کہ عالیشان باغات ومحلات اس کا مسکن ہے اور ہر نوع کے ماکولات ومشروبات میسر ہیں، غلام اور باندیاں نوکر چاکر ہیں آپ خود اندازہ فرمائیں کہ کیا ایسے شخص کو خواب میں پیش آنے والی مصیبتوں اور تکالیف کا کچھ احساس ہوگا کیا اب بھی یہ پریشان ہی رہے گا؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہے۔

بالکل اسی طرح وہ مسلمان جس نے دنیوی زندگی سخت کٹھن حالات میں بسر کی کوئی ایسی مصیبت نہ تھی جس میں گرفتار نہ تھا مگر جونہی پیغام اجل آئے گا اور اس دنیا سے آنکھ بند ہوکر آخرت کی زندگی کے لئے آنکھ کھلے گی اور وہ اپنی ایمان اور اعمال کی برکت سے جنت اور جنت کی نعمتیں دیکھے گا تو دنیوی زندگی کی تکالیف ایک خواب کی طرح محسوس ہوں گی۔ جس کی کلفت کا کچھ بھی احساس باقی نہیں رہے گا۔

تنگ دست مسلمانوں کے لئے سامان تسلی

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ بالاخانہ میں تشریف فرما تھے، وہاں صرف ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی جس پر آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات بن گئے تھے اور سرہانے کی جانب کچھ چمڑے لٹک رہے تھے پائتی کی جانب ببول کی کچھ پتیاں پڑی ہوئی تھیں تاکہ ان چمڑوں کو ان سے دباغت دیا جاسکے۔ حضرت عمر بارگاہ رسالت مآب ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئی اور عرض کرنے لگے! اے اللہ کے رسول! قیصر وکسریٰ وغیرہ جو شرک وکفر میں مبتلا ہیں خدا کی عبادت نہیں کرتے وہ تو چین وآرام سے زندگی بسر کریں اور آپ اس تنگی کی حالت میں۔ آپ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو وسعت عطا فرمادیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کمال ادب تھا کہ امت کی وسعت کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

افی شک انت یا ابن الخطاب.

''اے عمر بن خطاب! کیا تم ابھی تک شک میں پڑے ہوئے ہوں؟''

اولئک عجلت لھم طیباتھم فی الدنیا.

''ان لوگوں کو ان کی لذیذ چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئیں۔''

مطلب یہ ہے کہ تمام آسائش وآرام کفار کو دنیا ہی میں مل گیا ہے۔ آخرت میں وہ محروم رہیں گے اور ہم لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ذخیرہ کر رکھا ہے۔

فائدہ:...... حضرت اقدس مجدد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے صاف معلوم ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلمانوں کے افلاس اور تنگ دستی کی شکایت کی تھی اور چاہا تھا کہ دعا کردی جائے اور فراخی ہوجائے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ترقی کی درخواست کی تھی اور چاہا تھا کہ جس طرح کفار مال ودولت میں ترقی کرتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی ترقی کریں مگر آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمادیا کہ ان کو مال ومتاع یہاں دنیا ہی میں مل گیا اور ہم مسلمانوں کو قیامت میں ملے گا۔

خندق والوں کا واقعہ

پچھلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا،اس کے ہاں ایک جادوگر تھا جب جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری موت کا وقت آ رہا ہے مجھے کوئی بچہ سونپ دو تو میں اسے جادو سکھادوں۔ چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا۔ لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں ایک راہب کا گھر پڑتا جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا۔ یہ بھی کھڑا ہو جاتا اور اس کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ سنتا۔ آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا۔ جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا۔

ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی شکایت بیان کی۔ راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگ گئی؟ تو کہہ دینا کہ گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دیا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا۔ یونہی ایک زمانہ گزر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا دوسری جانب کلام اللہ اور دین الٰہی سیکھتا تھا۔ ایک دن یہ دیکھتا ہے کہ راستہ میں ایک زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے اس نے لوگوں کی آمدورفت بند کررکھی ہے۔ اِدھر والے اُدھر اور اُدھر والے اِدھر نہیں آسکتے اور سب لوگ اِدھر اُدھر حیران و پریشان کھڑے ہیں۔ اس لڑکے نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کرلوں کہ راہب کا دین خدا کو پسند ہے یا جادوگر کا۔ چنانچہ اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ:

’’خدایا! اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کردے تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے۔‘‘

پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کو آنا جانا شروع ہوگیا۔ پھر لڑکے نے جاکر راہب کو خبر دی۔ اس نے کہا پیارے بچے! تو مجھ سے افضل ہے۔ اب خدا کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی اگر ایسا ہو تو تُو کسی کو میری خبر نہ کرنا۔ اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا اور اس کی دعا سے مادرزاد اندھے کوڑھی جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔

بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی آواز پڑی وہ بڑے بڑے تحفے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب میں تجھے دے دوں گا۔ اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ نہیں۔ میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا۔ شفا دینے والا تو اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ہے اگر تو

اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں۔ اس نے اقرار کیا بچے نے اس کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔

وہ بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا اور آنکھیں بالکل روشن تھیں، بادشاہ نے متعجب ہوکر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا، ہاں! یعنی میں نے۔ وزیر نے کہا نہیں نہیں، میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور رب بھی ہے۔ وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ عزوجل ہے۔ اب اس نے مار پیٹ شروع کردی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتادیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا۔ اس نے اسے بلوایا اور کہا اب تم جادو میں خوب کامل ہوگئے ہو کہ اندھوں کو بینا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے۔ اس نے کہا غلط ہے نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو۔ شفا اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔

کہنے لگا، ہاں! یعنی میرے ہاتھ میں۔ کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں۔ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے؟ تو وہ کہنے لگا، ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگالیا راہب کو بلا کر اس سے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا۔ اس نے انکار کیا تو اس بادشاہ نے آرے سے اسے چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کرکے پھینک دیا۔ پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی اس دین سے پھر جا۔ اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی فلاں فلاں پہاڑ پر جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے اسے لڑھکا دیں۔

چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے۔ جب دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی۔

اللھم اکفنیھم بما شئت.

’’خدایا جس طرح چاہے مجھے ان سے نجات دے۔‘‘

اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور سب سپاہی لڑھک گئے۔ صرف وہ بچہ ہی بچا رہا وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے کہا یہ کیا ہوا؟ میرے سپاہی کہاں ہیں؟ فرمایا میرے خدا نے مجھے ان سے بچالیا اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے کہا کہ

اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ۔ یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی:

''خدایا! جس طرح چاہے مجھے ان سے نجات دے۔''

موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے۔ صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا۔ یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بچالیا۔ اے بادشاہ! تو چاہے تمام تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر تو کرے تو میری جان نکل جائے گی۔ اس نے کہا، کیا کروں؟ فرمایا، تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر میری کمان پر چڑھا اور ''بسم اللّٰہ رب ھذا الغلام ''یعنی اس اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ میری طرف پھینک وہ مجھے لگے اور اس سے میں مروں گا۔ چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا۔ تیر بچے کی کنپٹی میں لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہوگیا۔ اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا۔ ہر طرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم تو سمجھے ہی نہیں، دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا ہے کہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہوگئے۔ ہم نے تو اسی لئے اسے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ پڑے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا اور سب مسلمان ہوگئے۔ بادشاہ نے کہا اچھا! یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ ان میں لکڑیاں بھرو اور ان میں آگ لگا دو۔ جو اس دین سے پھر جائے اس کو چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ ان مسلمانوں نے صبر کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے۔ البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ تھا وہ ذرا جھجکی تو اس بچہ کو خدا تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دی اس نے کہا، اماں کیا کر رہی ہو تم تو حق پر ہو صبر کرو اس میں کود پڑو۔

فائدہ:...... اللہ اکبر! یہ تھے وہ کامیاب لوگ جنہوں نے جان پر کھیلنا تو گوارہ کر لیا مگر اپنے دین اور ایمان پر کوئی آنچ نہ آنے دی اور اپنے ایمان کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگئے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

صحیح بخاری میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے متعلق مذکور ہے کہ جب کفار مکہ ان کو گرفتار کر کے سولی کے تختہ پر لے گئے تو صرف خبیب نے کفار سے کہا کہ سولی سے پہلے مجھے دو رکعت نفل پڑھ لینے دو۔ چنانچہ مشرکین کی اجازت سے دو رکعتیں پڑھیں اور ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔

''خدا کی قسم! اگر مجھے تمہارے بارے میں یہ گمان نہ ہوتا کہ تم مجھے خوفزدہ اور بزدل خیال کرو گے تو میں اور زیادہ نفل پڑھتا۔''

پھر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ان کفار کے خلاف یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! ان لوگوں کو گن گن کر مار اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ۔''

پھر تختہ دار پر یہ والہانہ اشعار پڑھے جو ہمیشہ اہل ایمان کے دلوں کو گرماتے رہیں گے۔

''آج اگر مجھے اسلام کی وجہ سے اللہ کے لئے قتل کیا جا رہا ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ جی ہاں! مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میرا بچھڑنا کس پہلو ہے۔''

اور اگر میرا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے تو پھر وہ ذات اگر چاہے تو بکھرے ہوئے ٹکڑوں میں بھی برکت ڈالی سکتی ہے۔''

اس کے بعد مشرکین میں سے عتبہ بن حارث آگے بڑھا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی استقامت کا ایمان افروز واقعہ:

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مسلمانوں کا ایک لشکر رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر کے ایک سپاہی تھے۔ روم کے بادشاہ قیصر نے اپنے سپاہیوں سے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کو دیکھیں تو دھوکہ سے گرفتار کر کے میرے پاس زندہ لائیں۔

چنانچہ رومی سپاہیوں نے دھوکہ سے چند مسلمانوں کو گرفتار کر لیا ان میں حضرت عبداللہ

بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، مسلمان قیدیوں کو بادشاہ کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ بادشاہ نے حضرت حذافہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں تیرے سامنے ایک بات پیش کر رہا ہوں۔ اگر اس کو قبول کر لے گا تو تجھے رہا کر دوں گا اور تجھے خوب نوازوں گا۔ وہ بات یہ ہے کہ تو عیسائی ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے بڑے استغنا اور وقار کے ساتھ فرمایا کہ یہ بات مجھ سے بہت بعید ہے کہ تیری بات مان لوں۔ ہزار مرتبہ مرجانا مجھے عیسائی بننے سے زیادہ محبوب ہے۔

قیصر نے کہا دیکھو سنو! مجھے آپ بڑے سمجھدار آدمی لگ رہے ہیں اگر میری دعوت قبول کر لو گے تو میں تمہیں بادشاہت میں شریک کر لوں گا۔

ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کا زیور پہنے ہوئے حضرت ابن حذافہ رضی اللہ عنہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا خدا کی قسم! تم اپنی ساری بادشاہت اور عرب کی ساری بادشاہت دے دو اور مجھ سے یہ امید رکھو کہ میں حضرت محمد ﷺ کے دین سے ایک پلک جھپکنے کی مقدار پھر جاؤں تو مجھے یہ بھی گوارا نہیں۔

بادشاہ نے کہا، پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شوق سے...... بادشاہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھانے کا حکم دیا۔ جلاد نے پہلے ان کے ہاتھوں کے قریب تیر کا نشانہ لیا اور نصرانیت پیش کی۔ لیکن حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اب اس کے پاؤں کے قریب کا نشان لو اور حضرت ابن حذفہ رضی اللہ عنہ کو دین اسلام سے پھر جانے کی ترغیب دی مگر انہوں نے پھر انکار کر دیا۔

قیصر کو حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو دین اسلام سے پھیرنے کی ایک نئی ترکیب سوجھی اس نے ایک بہت بڑی دیگ منگائی اور تیل ڈال کر آگ پر گرم کرنے کا حکم دیا۔ جب تیل ابلنے لگا تو ایک مسلمان قیدی کو اس ابلتے ہوئے تیل میں پھکوا دیا، بس کیا تھا؟ ان کا سارا گوشت جل کر راکھ ہو گیا اور ہڈیاں صاف نظر آنے لگیں۔ اب بادشاہ پھر اس کامل الایمان صحابی کی طرف متوجہ ہوا اور نصرانیت کی دعوت دی مگر اب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے پہلے سے بھی زیادہ سختی سے انکار کیا اور اسلام پر ثابت قدمی کا اظہار کیا۔

جب بادشاہ ہر طرح سے مایوس ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو دیگ میں

پھینکنے کا حکم دے دیا جب انہیں دیگ کے قریب لے گئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بادشاہ نے جب یہ منظر دیکھا تو خوش فہمی میں پھر نصرانیت کی دعوت دی اور اسلام سے پھر جانے کی ترغیب دی لیکن انہوں نے پھر انکار کر دیا۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ پھر رونے کی کیا وجہ ہے۔

اللہ اکبر! حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے جو ایمان افروز جواب دیا ہے تاریخ کے امانت دار سینے نے ہمارے لئے محفوظ کر لیا ہے۔ فرمایا:

"جب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آج تو اکیلا اس دیگ میں ڈالا جائے گا اور تیری روح نکالی جائے گی کاش! میرے بدن کے بالوں کی برابر میری جانیں ہوتیں اور آج ان سب کو اللہ کے راستے میں اس دیگ کی نذر کیا جاتا تو اس حسرت پر مجھے بے اختیار رونا آ گیا۔"

اللہ اکبر! کوئی لالچ اور خوف اس بطل جلیل کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکا۔ شاہ روم کو بڑی حیرت ہوئی کہنے لگا "تم میرے سر کو بوسہ دے دو۔" میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ فرمانے لگے صرف مجھے نہیں میرے ساتھیوں کو بھی۔ شاہ روم نے کہا: ٹھیک ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور شاہ روم نے حسب وعدہ تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آ کر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دیا۔

فائدہ:...... اللہ اکبر! یہ تھے وہ حضرات جن کو ایمان کی بشاشت اور حلاوت حاصل ہو چکی تھی، جنہوں نے ہر بڑی سے بڑی تکلیف کو برداشت کر لیا مگر اپنے ایمان اور یقین پر ذرہ برابر آنچ نہ آنے دی۔

ان عبرت ناک واقعات سے عصر حاضر کے تمام ایسے مسلمان سبق حاصل کریں جن کو ذرا سی تنگی اور فقر و فاقہ ان کے ایمان کی بنیادوں میں تزلزل پیدا کر دیتا ہے۔ غیر مسلم مشنریاں خاص طور پر قادیانی، آغا خانی اور عیسائی مبلغین کی طرف سے دکھائے گئے سبز باغوں، مثلاً غیر ملکی ویزا اور شہریت کی لالچ میں آ کر اپنے ایمان و یقین کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ ہائے افسوس! اس فانی زندگی کے چند ایام میں زبان کی لذت حاصل کرنے اور پیٹ کی ہوس مٹانے کی خاطر ہمیشہ ہمیشہ کی ہلاکت کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ "العیاذ باللہ"۔

مصیبت کے بعد راحت

(احادیث مبارکہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

حدیث نمبر(۱)...... امام ابوبکر بن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

(مصیبت کے وقت) حق تعالیٰ کی رحمت سے زوال مصیبت کا انتظار ایک عبادت ہے اور جو شخص تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے گا حق تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا۔

حدیث نمبر(۲)...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی دعا مانگو کہ حق تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے اور افضل عبادت (بعد فرائض کے) یہ ہے کہ آدمی (مصیبت کے وقت) زوال مصیبت و فراخی عیش کا منتظر رہے۔

حدیث نمبر(۳)...... حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع نعمت کوئی نہیں جو کسی انسان کو دی گئی ہو۔

(ف)...... کیونکہ صبر ہی ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ مصیبت بھی راحت بن جاتی ہے۔ جس کو صبر و ہمت کی توفیق عطا ہو جائے وہ آخرت میں تو درجات اخروی سے مالا مال ہوگا ہی دنیا میں بھی کبھی پریشان نہ ہوگا۔

حدیث نمبر(۴)...... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ "کل یوم ھو فی شان" (الرحمٰن۔۲۹) کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی شیونِ مختلفہ یہ ہیں کہ (جب چاہیں گناہ معاف فرمادیں) مصیبت کو دور فرمادیں۔ ایک قوم کو سر بلند اور دوسری کو پست کر دیں۔

حدیث نمبر(۵)...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سواری پر آنحضرت ﷺ کا ردیف تھا۔ اچانک آپ نے ارشاد فرمایا:

"جب مدد مانگو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو یہ چیز لکھی جا چکی اور دفتر لپیٹ دیا گیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر ساری مخلوق مل کر یہ چاہے کہ تمہیں کوئی

ایسا نفع پہنچائے جو حق تعالیٰ نے تمہارے نصیب میں نہیں لکھا تو ہرگز ان کو قدرت نہ ہوگی اور اگر ساری مخلوق مل کر یہ ارادہ کرے کہ تم کو ایسا نقصان پہنچائے جو تمہارے لئے مقدر نہیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔"

حدیث نمبر(۶)...... حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے لڑکے! تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں چند کلمات بتاؤں جو تمہیں (ہر حال میں) نفع دیں۔" ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ضرور یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم حق تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو حق تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے۔ تم حق تعالیٰ کو یاد رکھو تو اس کو ہر مصیبت کے وقت اپنے سامنے پاؤ گے (یعنی اس کی مدد تمہارے شامل حال ہوگی) جب کوئی سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو۔ جب مدد مانگو تو اللہ سے مانگو۔ جو کچھ انسان پر راحت یا مصیبت آنے والی ہے وہ لکھی جا چکی ہے۔ (اس کے خلاف نہیں ہوسکتا) اگر ساری مخلوق تمہیں وہ نفع پہنچانا چاہے جو تمہارے لئے مقدر نہیں تو وہ ہرگز اس پر قادر نہ ہوں گے۔"

پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہو تو کرلو اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ [illegible] بات اور خلاف طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی خیر ہے اور سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور یہ کہ راحت مصیبت کے ساتھ ہے اور فراخی تنگی کے ساتھ۔ یہ جملہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا۔

کثرت استغفار فقر و مصائب کا اچھا علاج ہے:

حدیث نمبر(۷)...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص استغفار کی کثرت کرے گا۔ حق تعالیٰ اس کو ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے کشادگی اور بے گمان رزق عطا فرمائیں گے۔

حدیث نمبر(۸)...... حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ. (الطلاق ۲،۳)

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے خلاصی کی صورت نکال دیتے ہیں اور بے گماں رزق عطا فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔"

اور پھر فرماتے ہیں کہ اے ابوذر! اگر تمام آدمی اس آیت پر عمل کر لیتے تو سب کو یہی کافی ہوتی۔

حدیث نمبر (۹)...... حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں قبیلہ نے مجھ کو لوٹ لیا اور میرے سب اونٹ اور ایک لڑکے کو لے گئے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ محمد کے تمام اہل بیت میں تو اس وقت ایک مد (تقریباً آدھ سیر) کھانا بھی نہیں ہے تم اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

یہ شخص گھر آیا تو بی بی نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے کیا جواب دیا؟ اس نے واقعہ بیان کیا تو بی بی نے کہا آپ رضی اللہ عنہ نے بہت اچھی تعلیم فرمائی (انہوں نے تعلیم نبوی کے موافق دعا کی) تھوڑے ہی عرصہ میں حق تعالیٰ کے فضل سے ان کے اونٹ اور لڑکا واپس مل گیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع کی۔

آپ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ ہر مشکل کے وقت انسان کو حق تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اسی سے ہر حاجت کا سوال کرنا چاہئے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(الطلاق۔۲،۳)

لاحول ولاقوۃ ننانوے آفتوں کا علاج ہے:

حدیث نمبر (۱۰)...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ننانوے بیماریوں کا علاج ہے جن میں سب سے کم غم وفکر ہے۔

(ف)...... یعنی اس کا پڑھنا غم وفکر کو دور کرتا ہے اور اس کے علاوہ اور اٹھانوے بڑی بڑی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔

حدیث نمبر (۱۱)...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مصیبت کی گھڑیاں معصیت کی گھڑیوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔

ہر مصیبت کی ایک حد ہے:

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مصیبت اور آلام کو مصیبت کا وقت ختم ہونے تک صبر کرنا چاہئے اگر وقت سے پہلے چیخنا چلانا شروع کر دے گا تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

جیسے کسی مرض کا مادہ جب کسی عضو پر اتر آتا ہے تو لوٹ نہیں سکتا۔ لہٰذا اس کے اثر کے ختم ہونے تک صبر ضروری ہوگا۔

"مصیبتوں کے جلد زائل ہو جانے کا مطالبہ جب کہ اس کی ایک متعین مدت ہے کچھ نافع نہیں ہے اس صبر سے چارہ نہیں۔"

اگر چہ دعا بھی مشروع ہے اور نفع اسی سے ہو سکتا ہے مگر دعا کرنے والے کو جلدی نہیں مچانی چاہئے بلکہ صبر اور دعا کی ذریعے بندگی اختیار کرے اور اپنے کو حکیم مطلق کے حوالہ کر دے اور ان گناہوں کو چھوڑنے کی کوشش کرے جو مصیبت کا سبب بن سکتے ہوں کیونکہ عام طور پر بلاو مصیبت کسی گناہ کی سزا ہوا کرتی ہے۔

اور جلدی مچانے والا تو مدبر حقیقی سے مزاحمت کرنا چاہتا ہے حالانکہ یہ عبودیت اور بندگی کا مقام نہیں ہے "بلند مقام تو رضاء ہے اور صبر واجب ہے۔"

اور دعا کی کثرت جو گریہ وزاری کے ساتھ ہو سب سے زیادہ اعتماد کی چیز ہے اعتراض کرنا حرام ہے اور جلد بازی کا مظاہر ہر تدبیر خداوندی سے مزاحمت ہے۔

ان باتوں کو خوب سمجھ لو! مصیبتیں اور بلائیں آسان ہو جائیں گی۔

مصیبت کا علاج

جو شخص کسی مصیبت میں اور بلاء میں گرفتار ہوا اور اسے ختم کرنا چاہتا ہو وہ اس مصیبت کو اس قدر بڑھا کر تصور میں لائے کہ پیش آمدہ مصیبت ہلکی معلوم ہونے لگے۔ اسی طرح اس کے ثواب کو سوچے اور اس سے بڑی کسی مصیبت کے آجانے کا تصور کرے تب اسے در پیش مصیبت غنیمت معلوم ہونے لگے گی۔

اور اس کے جلد ہی ختم ہو جانے کے وقت پر نگاہ رکھے "واقعی اگر مصیبتوں کا رنج نہ ہوتا تو راحت کی گھڑیوں کی امید نہ ہوتی" اور اس کا یقین رکھے کہ اس کے پاس اس مصیبت کے

ٹھہرنے کی مدت اتنی ہی ہے جتنی ایک ایسے اجنبی مہمان کی ہوتی ہے جو (دوسرے شہر میں جا کر) ہر وقت اپنی ضرورت کا سامان تلاش کرتا ہو کیونکہ ایسا شخص بہت جلد (اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر) رخصت ہو جاتا ہے اور پھر اپنی محفلوں اور جلسوں میں جا کر میزبان کے کرم کی تعریفیں بھی کرتا ہے۔

پس یہی حال مصیبت میں مومن کا ہونا چاہئے کہ اپنے ایک ایک لحہ کی فکر کرتا رہے اور اپنے نفس کے احوال کی اور تمام اعضاء کی نگرانی کرتا رہے۔ اس خوف سے کہ کہیں زبان سے کوئی کلمہ شکایت نہ نکل جائے (اور مصیبت کا مہمان ناراض ہو جائے) یا دل میں اس مصیبت پر ناراضگی نہ پیدا ہو جائے۔

اس طرح کہ گویا وہ اجر کی فجر دیکھ چکا ہے اور مصیبت کی رات ختم ہونے کو ہے اور اندھیروں کو قطع کر کے چلتے رہنے والے کی مدح ہونے والی ہے پھر جونہی جزاء کا سورج طلوع ہو گا یہ شخص سلامتی کی منزل پر جا اترے گا۔ (مجالس جوزیہ)

مصیبت کے بعد راحت:

صاحب ایمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ بیماری یا موت کے خیال سے گھبرائے اگرچہ طبیعت پر قابو نہیں چلتا ہے لیکن جتنا ہو سکے صبر کی کوشش کرنا چاہئے خواہ یہ سوچ کر کہ مشقتوں پر اجر حاصل ہوگا اور خواہ تقدیر پر رضا کو حاصل کرنے کے لئے جب کہ مصیبت کیسی ہی ہو تھوڑے وقت کے لئے ہوتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جو شخص کسی بیماری میں مبتلا رہ چکا ہو وہ صحت کے زمانہ میں ان گھڑیوں کو سوچے جن میں وہ پڑا تھا کہ آخر وہ تکلیفیں کہاں ہیں؟ مصیبت زائل ہو گئی ہے اور ثواب لکھا جا چکا ہے۔

جیسے حرام لذتیں فنا ہو جاتی ہیں اور ان کا گناہ باقی رہ جاتا ہے اور تقدیر پر ناراضگی کا زمانہ گزر جاتا ہے لیکن اس کا عتاب باقی رہ جاتا ہے۔

موت سوائے اس کے اور کیا ہے کہ تکلیفیں اتنی بڑھ جائیں جس کے تحمل سے انسان عاجز ہو جائے پھر وہ تکلیفیں بھی زائل ہو جاتی ہیں لہٰذا بیمار کو یہ تصور کرنا چاہئے کہ روح کے نکل جانے کے بعد راحت ہو جائے گی تا کہ یہ بیماری جس میں وہ مبتلا ہے ہلکی ہو جائے جیسے کڑوی دوا پیتے وقت یہ تصور رکھنا کہ اس کے بعد صحت حاصل ہو جائے گی۔

اور جسم کے گل سڑ جانے کو سوچ کر بھی گھبرانے کے کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ سڑنا اور گلنا سواری کو پیش آئے گا سوار تو (باقی رہے گا پھر) جنت میں جائے گا یا جہنم میں۔

لہٰذا اس بات کا پورا اہتمام کرنا چاہئے کہ رکاوٹوں کی پیش آنے سے پہلے ہی فضائل اور درجات میں اضافہ کر لے کیونکہ نیک بخت وہی ہے جس نے عافیت کی زمانہ کی قدر کی اور عافیت کے وقت میں افضل سے افضل عمل کو حاصل کرتا رہے۔

خوب سمجھ لو کہ یہاں جس قدر فضائل حاصل کئے جائیں گے جنت میں اسی کے بقدر مراتب حاصل ہوں گے جب کہ عمر تھوڑی ہے اور فضائل بہت ہیں لہٰذا جلد از جلد فضیلتوں کے حصول کی کوشش میں لگ جانا چاہئے۔

ہائے کس قدر طویل ہوگی یہاں کی مشقتوں کے بدلہ میں وہاں کی راحت! ہائے کیا خوب ہوگی یہاں کے غمزدوں کے لئے وہاں کی فرحت اور ہائے کس قدر زیادہ ہوگی یہاں کے مبتلا الام کے لئے وہاں کی مسرت۔

جب بھی خیال آ جاتا ہے کہ جنت میں ہر لذت ہمیشہ رہے گی نہ اس میں کوئی کدورت شامل ہوگی اور نہ کبھی ختم ہوگی تو پھر ہر مصیبت اور سختی ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔

تکالیف ومصائب کی تین اقسام

پہلی قسم:

اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے کلام الٰہی میں فرمایا:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ.

(السجدة۔٢١)

"یعنی آخرت میں جو بڑا عذاب آنے والا ہے ہم اس سے پہلے دنیا میں بھی تھوڑا سا عذاب چکھا دیتے ہیں تا کہ یہ لوگ اپنی بداعمالیوں سے باز آ جائیں گے۔"

اس آیت سے پتہ چلا کہ پہلی قسم کی تکالیف اللہ کی عذاب کے طور پر ہوتی ہیں کہ اس کی نافرمانیوں کی وجہ سے دنیا میں بھی تھوڑا عذاب دیا جاتا ہے اور آخرت میں تو عذاب ہے ہی پتہ چلا کہ پہلی قسم کی تکالیف اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب ہے۔

دوسری قسم:

دوسری قسم کی تکلیف کفارہ سیئات ہیں جن کے ذریعے بندوں کے گناہوں کو معاف کیا جاتا ہے۔
روایت میں ہے کہ جب یہ

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً ا یُّجْزَ بِهٖ۔ (النساء۔۱۲۳)

''جو آدمی برا عمل کرے اس اس کا بدلہ دیا جائے گا۔''

نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس آیت کے بعد نجات کی کیا صورت ہوگی؟ آپ نے فرمایا اے ابوبکر اللہ تمہاری بخشش فرمائے کیا تم بیمار نہیں ہوئے کیا تم پر کوئی آزمائش نہیں آئی؟ کیا تم صبر نہیں کرتے؟ کیا تم غمگین نہیں ہوتے؟ یہی تو بدلہ ہی یعنی جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے۔

مصائب وتکالیف کا پہلا فائدہ:

اس تکلیف کے آنے کی وجہ سے انسان اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور گناہ چھوڑ دیتا ہے۔ اور اگر ویسے ہی کہتے رہو سمجھاتے رہو گناہ نہیں چھوڑتا تو ایک اللہ کا چابک پڑا اور آئندہ کے لئے گناہ سے توبہ کر لیتا ہے۔

دوسرا فائدہ:

اس کی وجہ سے دنیا ہی میں کفارہ سیئات کے لئے اس پر پریشانی اور حالات آتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ چاہت ہے کہ میرا بندہ جب مجھ سے ملے تو گناہوں سے پاک ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا کون ادراک کر سکتا ہے۔ کیا ہماری چھوٹی سے عقل ان حکمتوں کا احاطہ کر سکتی ہے؟ بالکل نہیں۔

گناہوں سے پاکی کی ایک مثال:

مثلاً ایک چھوٹا بچہ ہے وہ نہانے اور ہاتھ دھلوانے سے گھبراتا ہے اور اس کو نہانے سے تکلیف ہوتی ہے، لیکن ماں زبردستی پکڑ کر اس کو نہلا دیتی ہے۔ اور اس کا میل کچیل دور کر دیتی ہے۔ اب نہانے کے دوران وہ روتا ہے۔ چیختا چلاتا بھی ہے اس کے باوجود ماں اس کو نہیں

چھوڑتی ہے۔ اب وہ بچہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ مجھ پر ظلم اور زیاتی ہو رہی ہے۔ مجھے تکلیف پہنچائی جا رہی ہے۔ لیکن ماں شفقت اور محبت کی وجہ سے بچے کو نہلا رہی ہے اس کا میل کچیل دور کر رہی ہے۔ اس کا جسم صاف کر رہی ہے۔ چنانچہ جب وہ بچہ بڑا ہوگا اس وقت اس کی سمجھ میں آئے گا کہ یہ نہلانے دھلانے کا جو کام میری ماں کرتی تھی وہ بڑی محبت اور شفقت کا عمل تھا جس کو میں ظلم وزیاتی سمجھ رہا تھا اگر میری ماں میرا میل کچیل دور نہ کرتی تو میں گندہ رہ جاتا۔

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر حالات لا کر اس کے گناہوں کو صاف کرتے ہیں۔ اس مضمون پر ایک واقعہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرشتوں کے عجیب وغریب حالات میں لکھا ہے۔

واقعہ:

کسی شہر میں دو آدمی بستر مرگ پر مرنے کے قریب تھے۔ ایک مسلمان تھا اور ایک یہودی تھا۔ اس یہودی کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی اور مچھلی قریب میں کہیں ملتی نہیں تھی، اور اس مسلمان کی دل میں روغن زیتون کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو بلایا۔ ایک فرشتے سے فرمایا کہ فلاں شہر میں ایک یہودی مرنے کے قریب ہے اس کا دل مچھلی کھانے کو چاہ رہا ہے۔ تم ایسا کرو کہ ایک مچھلی لے کر اس کے گھر کے تالاب میں ڈال دو تاکہ وہ مچھلی کھا کر اپنی خواہش پوری کر لے۔ دوسرے فرشتے سے فرمایا کہ فلاں شہر میں ایک مسلمان مرنے کے قریب ہے اور اس کا روغن زیتون پینے کو دل چاہ رہا ہے اور روغن زیتون اس کی الماری کے اندر موجود ہے تم جاؤ اور اس کا روغن نکال کر ضائع کر دو تاکہ وہ اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔

چنانچہ دونوں فرشتے اپنے اپنے مشن پر چلے راستے میں ان دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ تم کس کام پر جا رہے ہو؟ ایک فرشتے نے بتایا کہ فلاں یہودی کو مچھلی کھلانے جا رہا ہوں۔ دوسرے فرشتے نے کہا کہ میں فلاں مسلمان کا روغن زیتون ضائع کرنے جا رہا ہوں۔ دونوں کو تعجب ہوا کہ ہم دونوں کو دو متضاد کاموں کا حکم کیوں دیا گیا؟ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اس لئے دونوں نے جا کر اپنا کام پورا کر لیا۔

جب واپس آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل تو کر لی لیکن

یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک مسلمان جو آپ کے حکم کو ماننے والا تھا اس کے پاس روغن زیتون موجود تھا اس کی باوجود آپ نے اس کا روغن زیتون ضائع کرا دیا۔ اور دوسری طرف ایک یہودی تھا اور اس کی پاس مچھلی موجود بھی نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے اسے مچھلی کھلا دی؟ اس لئے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا قصہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ تم کو ہمارے کاموں کی حکمتوں کا پتہ نہیں بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا معاملہ کافروں کے ساتھ کچھ اور ہے اور مسلمانوں کے ساتھ کچھ اور ہے۔

کافروں کے ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ چونکہ کافر بھی دنیا میں نیک اعمال کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً کبھی صدقہ خیرات کر دیا کبھی کسی فقیر کی مدد کر دی۔ اس کے یہ نیک اعمال اگرچہ آخرت میں ہمارے ہاں مقبول نہیں ہیں لیکن ہم ان کی نیک اعمال کا حساب دنیا میں چکا دیتے ہیں تا کہ یہ آخرت میں ہمارے پاس آئیں تو ان کے نیک اعمال کا حساب چکا ہوا ہو اور ہمارے ذمے ان کی کسی نیکی کا بدلہ باقی نہ ہو اور مسلمانوں کے ساتھ ہمارا معاملہ جدا ہے وہ یہ کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے گناہوں کا حساب دنیا کے اندر ہی چکا دیں تا کہ جب یہ ہمارے پاس آئیں تو گناہوں سے پاک وصاف ہو کر آئیں۔

لہٰذا اس یہودی نے جتنے نیک اعمال کئے تھے ان سب کا بدلہ ہم نے دے دیا تھا صرف ایک نیکی کا بدلہ دینا باقی تھا اور اب یہ ہمارے پاس آ رہا تھا۔ جب اس کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو ہم نے اس کی اس خواہش کو پورا کرتے ہوئے اس کو مچھلی کھلا دی تا کہ جب یہ ہمارے پاس آئے تو اس کی نیکیوں کا حساب چکا ہوا ہو۔ اور اس مسلمان کی بیماری کے دوران باقی سارے گناہ تو معاف ہو چکے تھے البتہ ایک گناہ اس کے سر پر باقی تھا اور اب یہ ہمارے پاس آنے والا تھا۔ اگر اسی حالت میں ہمارے پاس آ جاتا تو اس کا یہ گناہ اس کے نامہ اعمال میں ہوتا۔ اس لئے ہم نے یہ چاہا کہ اس کو گناہوں سے پاک وصاف کر دیں۔ (جواہر پارے)

تیسری قسم:

اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درجات بلند کرتے ہیں اور اس کے درجات کو بلند کرنے کے لئے اس کا اجر وثواب دینے کے لئے اس کو تکلیفیں دیتے ہیں۔

تیسری قسم پر حضرت مولانا مفتی رشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی اچھی بات لکھی ہے۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو گناہ بھی نہیں کرتے اور کرتے ہیں تو توبہ واستغفار کر لیتے ہیں ان لوگوں کی ایک حالت بہت ہی عجیب ہے وہ یہ کہ اس قسم کے لوگ جب کوئی گناہ کر رہے ہوتے ہیں عین گناہ کی حالت میں بھی ان کے دل لرز رہے ہوتے ہیں۔ غافل نہیں ہوتے دہلتے لرزتے دل سے گناہ کرتے ہیں، ایسی حالت میں گناہ ہو جاتا ہے تو اس کے بعد بہت پریشان ہوتے ہیں۔ ان ہی کی پریشانی کے بارے میں فرمایا:

اس میں تکلیف محسوس نہیں ہوئی اور اخیر کے چابک میں وہ جا چکا تھا۔ اس لئے اس کی تکلیف محسوس ہوئی۔

حق سبحانہ وتعالیٰ اسی کو حضور ﷺ سے فرماتے ہیں:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (الطور۔۴۸)

یعنی آپ صبر کیجئے اس لئے کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

تکالیف کی دو قسمیں

وہ تکلیف جو کہ عذاب الٰہی ہے:

وہ یہ ہے کہ اگر انسان تکالیف کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چھوڑ دے اور اس تکلیف کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ کرنے لگے۔ مثلاً یہ کہے کہ (نعوذ باللہ) اس تکلیف اور پریشانی کے لئے میں ہی رہ گیا تھا میرے اوپر تکلیف کیوں آ رہی ہے؟ یہ پریشانی مجھے کیوں دی جا رہی ہے؟ وغیرہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے ہوئے احکام چھوڑ دے۔ مثلاً پہلے نماز پڑھتا تھا اب تکلیف کی وجہ سے نماز پڑھنا چھوڑ دیا یا پہلے ذکر واذکار کی معمولات کا پابند تھا اب وہ معمولات چھوڑ دیئے اور اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے دوسرے ظاہری اسباب تو اختیار کر رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار نہیں کرتا۔ دعا نہیں کرتا۔ یہ اس بات کی علامات ہیں کہ جو تکلیف اس پر آئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انسان پر قہر اور عذاب ہے اور سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو اس سے محفوظ رکھے۔ امین۔

وہ تکلیف جو رحمت الٰہی ہے:

اور اگر تکالیف آنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہا ہے اور دعا کر رہا ہے کہ

یا اللہ! میں کمزور ہوں اس تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یا اللہ! مجھے اس تکلیف سے اپنی رحمت سے نجات دے دیجئے اور دل کے اندر اس تکلیف پر شکوہ نہیں ہے اور اس تکلیف کا احساس تو کر رہا ہے رو بھی رہا ہے رنج اور غم کا اظہار بھی کر رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہا ہے پہلے سے زیادہ نمازیں پڑھ رہا ہے پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور ترقی درجات اور اجر وثواب کا باعث ہے اور یہ تکلیف بھی اس کے لئے رحمت ہے اور یہ انسان کے ساتھ اللہ کی محبت کی دلیل اور علامت ہے۔

صبر کرنے پر جنت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ. (الزمر۔۱۰)

''صبر کرنے والوں کو بلا حساب وکتاب اجر دیا جائے گا۔''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز میزان عدل قائم کی جائے گی اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ اسی طرح نماز اور حج دیگر عبادات والوں کی عبادات کو تول کر حساب سے ان کا اجر پورا دیا جائے گا پھر جب بلاء اور مصیبت میں صبر کرنے والے آئیں گے تو ان کے لئے کوئی تول اور وزن نہیں ہوگا بلکہ بغیر حساب اور اندازہ کے ان کی طرف اجر وثواب بے بہا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر۔۱۰)

یہاں تک کہ وہ لوگ جن کی دنیوی زندگی عافیت میں گزری تھی تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش دنیا میں ان کے دن قینچیوں کے ذریعے کاٹے گئے ہوتے تو ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی صلہ ملتا۔

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صبر کا ثواب جنت ہے۔ مذکورہ روایتوں سے معلوم ہوا کہ صبر کرنے سے بلاحساب وکتاب اجر بھی ملتا ہے اور جنت بھی نصیب ہوتی ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ وہ مصیبت و پریشانی میں صبر کا دامن ہرگز نہ چھوڑے۔

امید وخوف

یاس عقلی مذموم ہے:

ناامیدی عقلی مذموم ہے یعنی اگر یہ اعتقاد ہو جائے کہ مجھ پر ہرگز رحمت نہ ہوگی اور میری موجودہ حالت ایسی نہیں کہ اس پر رحمت ہو۔

اعمال کا نفع نقد و نسیہ:

فرمایا: اعمال صالحہ میں نفع نقد بھی ہے صرف ادھار ہی نہیں ہے وہاں ایک ادھار بھی ہے یعنی ثواب اور اس کے ساتھ ایک چیز نقد بھی ہے اور وہ رجا اور امید ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا وابستہ ہو جانا جو بدون اعمال صالحہ کے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اعمال سیہ کا بھی ایک ثمرہ ادھار ہے اور ایک نقد ادھار تو عذاب جہنم ہے اور نقد وہ وحشت اور ظلمت اور بے چینی ہے جو گناہوں کو لازم ہے۔

امید ورجا اور تمنا وغرور کا فرق:

امید ورجا وہی ہے جو عمل کر کے کی جائے۔ اور جو بدون عمل کے ہو وہ رجا نہیں بلکہ محض تمنا وغرور ہے۔

غلبہ رجا کب انفع ہے اور غلبہ خوف کب:

جن لوگوں میں اعمال صالحہ کا غلبہ ہو کہ وہ زیادہ تر اعمال صالحہ میں مشغول ہیں اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں گو کبھی کبھی ابتلا ہو جاتے ہے ان پر غلبہ رجا انفع ہے اور جن میں اعمال سیہ کا غلبہ ہے کہ وہ زیادہ تر اعمال سیہ میں مبتلا ہیں اور اعمال صالحہ قلیل ہیں ان کے لئے غلبہ خوف انفع ہے۔ پس جب تک اعمال صالحہ کا غلبہ نہ ہو اس وقت تک غلبہ خوف ہی میں ان کو رکھا جائے گا۔

خوف ورجا کی حقیقت اور اس کا درجہ ماموربہ:

خوف کی حقیقت ہے احتمال عذاب کہ انسان کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو

اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور یہی مامور بہ ہے اور اسی کا بندہ مکلف کیا گیا ہے اس کا نام خوف عقلی ہے وعیدہ کو سن کر دل تھرانا آنسو کا نکلنا خوف مامور بہ میں داخل نہیں کیونکہ یہ غیر اختیاری ہے۔ اسی طرح رجاء کی حقیقت ہے۔ احتمال نجات اور ایسا بھی کوئی مسلمان نہیں جس کو اپنے متعلق نجات کا احتمال نہ ہو پس ایسا کوئی مسلمان نہیں جو خوف ورجاء کے درجہ مامور بہ سے خالی ہو ہاں درجات احتمال متفاوت ہیں۔

غلبہ رجا کے ساتھ بھی خوف عقلی یقینی ہوتا ہے:

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ غلبہ رجا کی حالت میں خوف بھی ضرور رہتا ہے مگر غلبہ خوف کو نہیں ہوتا یعنی وہ درجہ نہیں ہوتا جس کو عام لوگ خوف سمجھتے ہیں یعنی خوف طبعی بلکہ خوف عقلی ضرور ہوتا ہے۔

درجات خوف ورجا:

ایک خوف تو بمعنی احتمال عقلی عذاب ہے یہ تو شرط ایمان ہے اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ تقاضائے معصیت کے وقت آیات وعید اور عذاب خداوندی کو یاد کر کے سوچ سوچ کے گناہوں سے بچا جائے یہ درجہ فرض ہے اس کے فقدان سے کفر نہ ہوگا ہاں گناہ ہوگا اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ مراقبات واشتغال سے آیات وعید اور عظمت وجلال حق کو ہر دم مستحضر اور پیش نظر رکھا جائے یہ درجہ مستحب ہے اور سب درجات مکتسب ہیں جو کسب سے حاصل ہو جاتے ہیں اور ان سے آگے ایک درجہ اور ہے جو اختیار سے باہر ہے وہ یہ کہ آثار خوف اس قدر غالب ہو جائیں گے کہ اگر ان کو کم کرنا یا بھلانا بھی چاہے تو اختیار وقدرت سے باہر ہو یہ محض وہبی ہے جو درجات سابقہ مکتسبہ کے حاصل کرنے کے بعد محض عطائے حق سے بعض کو حاصل ہو جاتا ہے اور ایسا ہی اس کے مقابلے میں رجاء کے بھی درجات ہیں ایک درجہ شرط ایمان بمعنی احتمال نجات اور ایک درجہ فرض ہے ایک مستحب ہے اور ایک درجہ محض وہبی ہے۔

خشیت وفکر کی کمی کی علامت:

آج کل عملی خرابی عام طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ جو شخص عمل کے اعتبار سے جس حالت میں ہے وہ اس پر قناعت کئے ہوئے ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میرے اندر کوئی نقص نہیں تغیر اور تبدل کی حاجت نہیں یہ خشیت وفکر اور ذہن کی کمی ہے۔

تقویٰ شرعی کی حد:

تقویٰ شرعی کی حد وہ ہے کہ خوف خدا کے ساتھ عمل بھی ہو اگر عمل نہ ہو محض خوف ہی ہو تو وہ تقویٰ شرعی نہ ہوگا۔

خوف ورجاء عقلی کی حد:

خوف ورجاء عقلی مامور بہ ہے۔ خوف عقلی کا حاصل یہ ہے کہ احتمال کے درجہ میں یہ خیال ہو کہ شاید مجھے سزا ہو اور رجاء عقلی یہ ہے کہ درجہ احتمال میں یہ خیال ہو کہ شاید بدون سزا ہی کے مغفرت ہو جائے۔

حب عقلی اور خوف کاملین کو خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ہوتا:

خوف عقلی انبیاء کو خدا کی سوا کسی سے نہیں ہوتا کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے:

"وَمَاهُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" (البقرة۔۱۰۲)

بدون خدا کی کوئی چیز ضرر نہیں دے سکتی وہ ضار ونافع حق تعالیٰ کو سمجھتے ہیں۔

اسی طرح کاملین کو حب عقلی خدا کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کا مبنی کمالات پر ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی میں بھی بالذات نہیں ہاں حب طبعی وخوف غیر خدا سے بھی ہو سکتا ہے۔

خوف ومحبت کا درجہ مقصود اور اس کے تحصیل کا طریقہ:

غلبہ خوف اور محبت دونوں میں مقصود وہ درجہ ہے جس کے ساتھ دوسرے مصالح بھی فوت نہ ہوں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب کہ ہر حال میں یکساں غلبہ نہ ہو بلکہ ایک وقت میں محض خوف اور محبت ہی کا غلبہ ہو اور کسی کام کی طرف التفات نہ ہو اور ایک طرف وقت میں دوسرے کاموں کی طرف بھی التفات ہو مگر دل میں خوف ومحبت کی وجہ سے آرا بھی چل رہا ہو جیسے طاعون کے زمانہ میں موت کا غلبہ ہر وقت رہتا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا کہ کھانا پینا چھوٹ جائے۔ اس حالت کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ موت کی یاد کثرت سے کرو یعنی اس کو غالب رکھو اور نماز ایسی پڑھو جیسے دنیا کو رخصت کرنے والا نماز پڑھتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔

"صل صلوة مودع" (انفاس عیسیٰ)

باب ہشتم

سکون قلب اور پریشانیوں کا حل

جو وقت بھی سکون گذرے زہے نصیب سے
کیا اعتبار گردش لیل و نہار کا

پابند محبت کبھی آزاد نہیں ہے — اس قید کی اے دل کوئی میعاد نہیں ہے
غم تو ہیں مگر شکوہ وفریاد نہیں ہے — ناشاد بھی عاشق نہیں گو شاد نہیں ہے
نالہ نہیں شیون نہیں فریاد نہیں ہے — جیسی کوئی مجھ پر تری بیداد نہیں ہے
دن رات ترے ذکر سے اور فکر سے ہے کام — کچھ اور سوا کسی کے مجھے یاد نہیں ہے
کیا نزع کے عالم ہی میں رکھنا ہے ہمیشہ — کیوں کچھ لب جاں بخش سے ارشاد نہیں ہے
کیا باغ میں رہنے کا مزہ جب ہو یا کھٹکا — بیٹھا تو کہیں تاک میں صیاد نہیں ہے

مجذوب سے مدہوش کے لب پر ہیں حقائق
یہ کیا ہے جو اللہ کی امداد نہیں ہے

پرسکون زندگی

کراچی کے ایک صاحب نے مشاہیر عالم کے نام ایک مطبوعہ خط میں درخواست کی کہ وہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کریں کہ انسان اس ابتر و پراگندہ دنیا میں سکون کی زندگی کیسے بسر کرسکتا ہے؟

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی یہ خط پہنچا۔ حضرت نے جن حکیمانہ و مشفقانہ انداز سے پرسکون زندگی کا خاکہ پیش فرمایا ہے وہ ہم سب کے لئے قابل عمل ہے اور آج کی پریشان حال امت مسلمہ کے لئے نوید حیات اور جملہ پریشانیوں میں امید کی کرن ہے۔ حکیم الاسلام کا تحریر کردہ جواب حاضر خدمت ہے۔ پڑھئے اور اپنی زندگی کو پرسکون بنائیے۔

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ.

محترم المقام! زید مجدکم السامی!

ہدیہ مسنونہ کے بعد عرض ہے کہ آپ کا گرامی نامہ دفتر دارالعلوم دیوبند میں موصول ہوا۔ آپ نے والا نامہ میں سوال فرمایا ہے کہ:

"اس پریشان اور ابتر دنیا میں انسان کس طرح ایک خوش و خرم اور پرسکون زندگی بسر کرسکتا ہے؟"

جواباً عرض ہے کہ سوال اہم اور عموماً آج کی دکھی دلوں کی ایک عمومی پکار ہے اس لئے حقیقتاً توجہ طلب ہے لیکن یہ سوال جس قدر اہم اور پیچیدہ دکھائی دیتا ہے اسی قدر اپنے جواب کے لحاظ سے واضح اور صاف بھی ہے۔ جواب سامنے لانے کے لئے پہلے پریشانی اور ابتری کی معنی متعین کر لینے چاہئیں۔ تو اس سے بچنے کی صورت اور زندگی کے سکون کی راہ خود ہی متعین ہو جائے گی۔ لوگوں نے عموماً مصیبت و پریشانی دکھ درد بیماری افلاس تنگ دستی جیل قید و بند، مار دھاڑ قتل و غارت قحط و بلا وغیرہ کو سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ ان میں سے ایک چیز بھی مصیبت نہیں۔ یہ صرف واقعات اور حوادث ہیں۔ پریشانی اور مصیبت درحقیقت ان سے دل کا اثر لینا تشویش میں پڑنا دل تنگ ہونا اور کرب و غم میں ڈوب جانا ہے۔

پس یہ چیزیں زیادہ سے زیادہ اسباب مصیبت کہلائی جاسکتی ہیں مصیبت نہیں کہی جاسکتیں، مصیبت قلب کی کیفیت احساس اور تاثر کا نام ہوگا۔ جیل کی قید و بند کا نام مصیبت نہیں بلکہ اس سے دل میں پراگندگی اور گھٹن کا اثر آنا مصیبت ہے۔ افلاس و تہی دستی خود کوئی پریشانی نہیں بلکہ دل کا اس سے گھبرانا اور مضطرب ہونا پریشانی ہے۔ تب دلرزہ یا ہیضہ و طاعون اور قحط و وباء مصیبت نہیں بلکہ دل کا ان سے کرب و بے چینی کا اثر لینا مصیبت ہے۔

پس مصیبت خود ہمارے دل کی کیفیت ہے۔ دنیا کے واقعات نہیں۔ اس لئے مصیبت کے خاتمہ کی یہ تدبیر کبھی معقول اور کارگر نہیں ہوسکتی کہ دنیا کے حوادث کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔ جب کہ حوادث زمانہ خود مصیبت ہیں اور نہ ہی ہمارے قبضے میں ہیں بلکہ صرف یہی ہوسکتا ہے کہ ان حوادث کے پیش آنے پر قلبی تشویش و پراگندگی کا راستہ روک دیا جائے اور ان سے بجائے خلاف طبع ضیق و تشویش کا اثر لینے کے انہیں طبیعت کے موافق بنا لیا جائے۔ جس سے دل ان سے گھٹنے کے بجائے لذت لینے لگے تو ان میں سے نہ صرف مصیبت ہونے کی شان ہی نکل جائے گی بلکہ یہ امور قلبی راحتوں کا ذریعہ بن جائیں گے اور زندگی میں پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

آج کی دنیا زندگی کو پرسکون بنانے کے لئے ان حوادث زمانہ کو ختم کر دینے کی فکر میں لگی

ہوئی ہے۔ لیکن یہ چونکہ ایک ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش ہے جو کبھی شرمندہ وقوع نہیں ہو سکتی اس لئے جتنا جتنا یہ اوندھی تدبیر بڑھتی جائے گی اتنا ہی دنیا کی زندگی میں ابتری اور بے چینی کا اضافہ ہوتا رہے گا اور کبھی بھی پریشانیوں اور بے چینیوں کا خاتمہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ مشاہدہ میں آ رہا ہے۔ پس عالم کو بدل ڈالنے کی کوشش کا نام چین نہیں بلکہ خود اپنے کو بدل دینے کا نام سکھ اور چین ہے۔

اس کی سہل صورت ایک ہی ہے وہ یہ ہے کہ نظر کو حوادث سے ہٹا کر اس سرچشمہ کی طرف پھیر دی جائے جہاں سے بن بن کر یہ اسباب مصائب و آفات عالم پر اتر رہے ہیں اور وہ اللہ رب العزت کی ذات برکات ہے جس نے اس عالم کو اپنی لامحدود حکمتوں سے عالم اضداد بنایا ہے اور اس میں راحت و کلفت نعمت و مصیبت، حفظ و کرب اور چین اور بے چینی دونوں کو سمو کر اس عالم کی تعمیر کی ہے اگر اس سے رشتہ محبت و عبودیت اور رابطہ رضا و تسلیم کر لیا جائے جس کا نام ایمان ہے اور ریاضت و مشق سے اسے اپنا حال اور جوہر نفس بنا لیا جائے کہ اس کے ہر تصرف اور تقدیر پر ایمان واعتماد کلی میسر آ جائے تو یہ محبت ہی ہر تلخ کو شیریں اور ہر ناگوار کو خوشگوار بنا دے گی جس سے قلب ان حوادث سے تشویش کا اثر نہیں لے سکے گا جو مصیبت کی روح ہے کہ:

از محبت تلخہا شیریں بود

کیونکہ عاشق کے لئے محبوب کی طرف سے آئی ہوئی ہر چیز محبوب اور لذیذ ہوتی ہے وہ محبوب کی بھیجی ہوئی تکلیف کو بھی اپنے حق میں یہ سمجھ کر راحت جانتا ہے کہ محبوب نے مجھے یاد تو کیا۔ وہ میری طرف متوجہ تو ہے اور مجھے قابل معاملہ تو سمجھا یہ تصور ہی اس مصیبت کو اس کے لئے لذت و راحت بنا دے گا اور مصیبت، مصیبت نہ رہے گی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ مصیبت نام ہے خلاف طبع کا اور خلاف طبع کا موافق طبع بنانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ عالم کی طبیعت کو بدلنے کی بجائے (جو بس کی بات نہیں) اپنی طبیعت کو بدل دیا جائے اور اس کا رخ مصیبت سے پھیر کر مصیبت بھیجنے والے کی طرف کر دیا جائے کہ نظر مصیبت پر نہ رہے بلکہ خالق مصیبت کی توجہ و عنایت اور بے پایاں حکمت و ترتیب پر ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ یقین بجز خدا کی ذات کو مانے ہوئے اور اس کے ہر ہر تصرف پر کلی اعتماد و اطمینان کئے بغیر میسر نہیں آ سکتا۔ اس لئے مصائب کا خاتمہ خدا کے نام سے بھاگنے میں نہیں ہے بلکہ اس کی طرف لوٹنے میں ہے۔ یعنی آگے بڑھنے کی طرف نہیں بلکہ پیچھے ہٹنے میں ہے۔

دریں صورت انسان جتنا بھی استیصال حوادث کی مہم میں لگا رہے گا مصائب سے کبھی

نجات نہ پا سکے گا۔ جس کا راز یہ ہے کہ وہ دفع حوادث و آفات کی تدبیر کسی نہ کسی سبب ہی کے ذریعے کرے گا اور یہ سبب جب کہ خود ایک حادثہ ہوگا جس میں منفعت کے ساتھ مضرت کا بھی کوئی نہ کوئی پہلو ضرور ہوگا۔ تو یہ دفع مصیبت بھی مصیبت سے خالی نہ ہوگا اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ استیصال مصائب کے بجائے کچھ نہ کچھ اضافہ مصائب ہی ہو جائے گا اور ایک مصیبت اگر کسی حد تک ٹل بھی جائے گی تو دوسری مصیبت اسی آن اس کی جگہ لے لے گی۔

گر گریزی بر امید راحتے
ہم ازاں جا پیشت آید آفتے

لیکن اگر ان حوادث سے بالاتر ہو کر خالق حوادث سے قلب کا تعلق قائم کر لیا جائے تو ادھر سے علمی طور پر تو ان آفات و مصائب کی حکمتیں دل پر کھلیں گی جس سے یہ مصائب معقول اور برمحل محسوس ہونے لگیں گے اور ان سے اکتانے کی کوئی معقول وجہ نہ ہوگی کہ قلب عقلاً غمگین ہو اور پھر عشق الٰہی کی سرشاری میں جب کہ ان حوادث کا ورود منشاء محبوب محسوس ہوگا تو اسے توجہ محبوب سمجھ کر یہ عاشق قالب میں [illegible] ان آفات سے لذت و سرشاری کا اثر بھی لینے لگے گا اور آخر اس روحانی لذت و سرشاری میں محو ہو کر اسے فرصت ہی نہیں ملے گی کہ ایک لحظہ کے لئے بھی ان آفات و مصائب کی طرف دھیان بھی کر سکے۔

اس لئے اس کے حق میں نعمت تو نعمت ہوئی مصیبت اس سے بھی بڑھ کر نعمت و لذت بن جائے گی اور زندگی سے مصائب اور پریشانی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ راحت حقیقتاً اسباب راحت میں نہیں بلکہ سبب الاسباب سے سچے تعلق میں پنہاں ہے۔

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

خلاصہ یہ ہے کہ راستے دو ہی ہیں ایک مصائب سے دل برک ہو کر اسباب کے راستے سے ان کا مقابلہ اور استیصال کی فکر و سعی اور ایک مسبب الاسباب سے عشق کے ذریعے مصائب کو توجہ محبوب سمجھ کر ان پر دل سے راضی ہو جانا اور شیوہ تسلیم و رضا اختیار کرنا۔ پہلا راستہ بندگان عقل (فلاسفہ) نے اختیار کیا تو ایک لحظہ کے لئے بھی مصائب سے نجات نہ پا سکے۔ نہ خود مطمئن ہوئے نہ کسی کو اطمینان دلا سکے بلکہ خود مبتلا رہ کر پوری دنیا کو مبتلائے مصائب و آفات کر دیا۔ جس سے دنیا سے سکھ اور چین رخصت ہو گیا۔ اسباب راحت بڑھ گئے اور راحت رخصت ہو گئی۔

دوسرا بندگان خدا (انبیاء واولیاء) نے اختیار کیا کہ حوادث عالم سے تنگ دل ہونے کے بجائے انہیں توجہ حق اور مشاء الٰہی سمجھ کر ذریعہ راحت قلب بنایا تو تشویش و پریشانی ان کے قلب کے آس پاس بھی نہ بھٹک سکی خود بھی مطمئن اور منشرح ہوئے اور عالم میں بھی سکون واطمینان کی لہریں دوڑا دیں۔ اس لئے ان کی اور ان کے متبعین کی زندگیوں سے ہمیشہ کے لئے مصیبتوں کا خاتمہ ہوا اور خوشی وخرمی ان کی زندگیوں کا عنوان بن گئی۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. (یونس۔۶۳،۶۴)

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (یونس۔۶۴)

تا خوش تو خوش بود بر جان من
دل فدائے یار دل رنجان من

اور پھر اس کی تفویض اور جان سپاری کا عالم یہ ہوتا ہے کہ۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

ظاہر ہے کہ اس لذت جان سپاری کے ہوتے ہوئے مصائب وآفات کی مجال ہی کیا رہ جاتی ہے کہ وہ قلب عاشق کو بے چین کر سکیں یا اس میں ذرہ برابر پراگندگی اور تشویش پیدا کر سکیں اس حالت میں قلب عاشق کی ہر تشویش وپراگندگی کا "مبدل بہ" سکون واطمینانیت ہو جاتی ہے جو لذت وراحت کی جڑ اور بنیاد ہے اور اب اگر اس میں کوئی خلش وتشویش ہو سکتی ہے تو اندیشہ فراق محبوب کی تو ہو سکتی ہے۔ ورنہ زندگی کا کوئی لمحہ بھی تشویش سے آلودہ نہیں رہ سکتا۔

اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ بندہ عقل کو کبھی قلبی راحت نہیں مل سکتی اور بندہ خدا کو کبھی قلبی پریشانی نہیں ہو سکتی۔

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (الرعد۔۲۸)

آگاہ ہو کہ اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں۔

مغروران عقل تجویز کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو ہمیشہ نامراد رہتے ہیں اور خاکساران حق تفویض کی راہ چلتے ہیں تو ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔

پس دنیا والوں کی انتہائی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسباب راحت کو راحت اور اسباب مصیبت کو مصیبت سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے دنیا کو اسباب وسائل سے بھرنے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ یہی راستہ زندگی کی تشویشات اور بے چینیوں کا ہے جس میں ایک لحہ کی لئے بھی راحت میسر نہیں آ سکتی وہ اس راہ سے جتنا بھی حصول راحت اور دفع مصائب کی جدوجہد کرتے رہیں گے اتنا ہی راحت سے دور اور قلبی سکون سے بعید تر ہوتے چلے جائیں گے۔

حصول راحت کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے لوٹ کر اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف اور رابطہ قوی کیا جائے اور اسی سچے رب کا سہارا پکڑا جائے جسے چھوڑ کر ہم بہت آگے نکل آئے ہیں ورنہ زندگی کے پرسکون ہونے کا کوئی راستہ نہیں۔ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔

اس لئے آج کی پریشان حال اور ابتر دنیا اگر فی الحقیقت ایک خوش وخرم اور پرسکون زندگی چاہتی ہے تو اپنا رخ بدلے اور بم چلانے ایٹم بنانے چاند پر جانے اور سیاہ رات چھوڑنے میں راحت وسکون تلاش کرنے کی بجائے خداوند کریم کی بارگاہ کی طرف توجہ کرے اور اس کی بھیجی ہوئی مستند قانون کو اپنا کر راہ عبودیت اختیار کرے کہ اس بارگاہ سے کبھی کوئی مایوس لوٹا ہے نہ لوٹے گا اور اس سے کٹ کر نہ کبھی کوئی کامیاب ہوا ہے نہ ہوگا۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر وگبر وبت پرستی باز آ
ایں در گہ ما در گہ نومیدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

(مصائب اوران کا علاج)

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا میرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا میرے دل میں
باقی نہیں اب کوئی تمنا میرے دل میں
موجود ہے عکس رخ زیبا میرے دل میں
او پردہ نشین! میں تیرے اس ناز کے قربان
پنہاں مری آنکھوں سے ہویدا مرے دل میں

ٹکڑے ٹکڑے ہاتھوں سے ہویدا مرا دل ہوجائے
کسی قابل جو نہیں وہ اسی قابل ہوجائے
اپنے دل کی میں حقیقت کا خلاصہ کہہ دوں
حسرتیں سب کی جو مل جائیں میرا دل ہوجائے

پریشانیوں کا حل

انسان کی سب سے بڑی تمنا:

ہرانسان چاہتا ہے کہ میرے حالات سنور جائیں اور میری مشکلیں آسان ہوجائیں اس کی کوشش ہوتی ہے کہ مجھے سکون کی زندگی نصیب ہوجائے۔ میری پریشانیاں دور ہوجائیں گے۔

پریشانیوں کا چکر:

حقیقت حال یہ ہے کہ جس فرد کی زندگی کو آپ کھول کر دیکھ لیں وہی پریشانیوں میں گھرا نظر آئے گا۔ ہر بندہ آپ کو اپنی پریشانیوں کی ایسی تفصیل بتائے گا جیسی دنیا میں اس سے زیادہ پریشان حال کوئی ہے ہی نہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک کی داستان ہوتی ہے۔

چھوٹے بچے کی پریشانی:

اگر کسی چھوٹے بچے سے پوچھیں کہ بھئی آپ کو کیا پریشانی ہے؟ وہ کہے گا جی ہاں مجھے بہت بڑی پریشانی ہے سب گھر والے مجھ پر رعب جماتے ہیں سب مجھے کام کہتے ہیں۔ بس میں تھوڑا سا بڑا ہوجاؤں تو پھر میرے اوپر رعب کوئی نہیں جمائے گا۔

جوانوں کی پریشانی:

اگر وہ بچہ تھوڑا سا بڑا ہوگیا اور جوانی کی عمر کو پہنچ گیا۔ اب اس سے پوچھئے کہ بتائیں آپ کو کوئی پریشانی ہے؟ جواب ملے گا جی ہاں کسی اچھی جگہ شادی ہوجائے تو میری سب پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔ آپ یقین جانئے مجھ پر شہوانی اور شیطانی وساوس کا اتنا غلبہ ہے کہ میں پڑھائی میں دل لگا ہی نہیں سکتا۔

نالائق اولاد کی پریشانی:

فرض کیجئے کہ میاں بیوی کو اولاد بھی مل گئی۔ اس صورتحال میں ان سے پوچھیں کہ بھئی اب کوئی پریشانی ہے؟ جواب ملے گا کہ جی دعا کرو اللہ نے بچے دیئے ہیں یہ لائق بن جائیں۔

بچوں کی نوکری کی پریشانی:

فرض کرو سب بچے پڑھ لکھ کر جوان ہوگئے مگر باپ پھر بھی پریشان ہے۔ اگر کوئی وجہ پوچھے تو جواب ملتا ہے کہ بچہ دو سال سے نوکری کی تلاش میں ہے کہیں مناسب نوکری نہیں مل رہی۔

بچوں کے رشتوں کی پریشانی:

اب ان سے پوچھئے کوئی اور پریشانی ہے تو بتائیں جواب ملے گا کہ جی ہاں دعا کریں بچے کے لئے رشتہ ڈھونڈ رہا ہوں کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔

سسرال کی پریشانیاں:

چلیں فرض کریں کہ بیٹی کی شادی بھی ہوگئی۔ اب پوچھیں کیا حال ہے؟ جواب ملے گا کہ جی کیا کریں بس میری بیٹی کی ساس اچھی نہیں اور میرے بیٹے کو بیوی اچھی نہیں ملی۔ ہم میاں بیوی دونوں بچوں کی طرف سے بہت پریشان ہیں۔

حل طلب سوال:

اب اس کا کوئی نہ کوئی حل ہونا چاہئے کوئی اس کا لائحہ عمل ہونا چاہئے کہ حالات سنور جائیں۔ پریشانیاں ختم ہوجائیں۔ آیئے اس بات کا ہم جائزہ لیں کہ کیا انسان کی پریشانیوں کا حل مال ومتاع اور کثرت اسباب میں ہے؟

یاد رکھیں کہ مال سے ہر کام نہیں ہوسکتا۔ مال سے انسان کتابیں تو خرید سکتا ہے، علم تو نہیں خرید سکتا...... مال سے انسان اچھی دوائیں تو خرید سکتا ہے، اچھی صحت تو نہیں خرید سکتا...... مال سے انسان نرم بستر تو خرید سکتا ہے، میٹھی نیند نہیں خرید سکتا...... مال کے ذریعے سے جو عزتیں ملتی ہیں وہ عارضی ہوتی ہیں صبح کے وقت تخت پر ہوتے ہیں اور شام کے وقت تختے پر ہوا کرتے ہیں۔

رات کو امیر ہیں صبح کو فقیر ہیں۔ مال سے ملنے والی ایسی عارضی عزت کا کیا فائدہ۔

ہر کام مال سے نہیں ہوتا۔ یہ ایک نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مال سے کام بنتا ہے یا اعمال سے۔ جس نے اسے سمجھ لیا اس کی زندگی آسان ہوگئی۔ اس کی سب مشکلیں آسان ہوگئیں۔ یہ ایک چھوٹی سے بات ہے دل میں اتر جائے تو ساری زندگی پرسکون ہو جائے گی۔

انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے:

’’انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے حق تعالیٰ سے اچھی امید رکھنا چاہئے‘‘۔ وہ بندے کے ظن کے ساتھ ہیں جیسا بندہ ان کے ساتھ گمان کرتا ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ فرماتے ہیں۔ بڑی رحیم وکریم ذات ہے مگر شرط یہ ہے کہ طلب ہو اور کام میں لگا رہے جو بھی ہو سکے کرتا رہے پھر وہ اپنے بندہ کے ساتھ رحمت اور فضل ہی کا معاملہ فرماتے ہیں وہ کسی کی محنت یا طلب کو رائیگاں یا فراموش نہیں فرماتے ایک شخص کا مقولہ مجھ کو بہت پسند آیا کہ ’’کئے جاؤ اور لئے جاؤ‘‘ واقعی ایسی ہی ذات ہے اس قائل نے (کہنے والے نے) بہت بڑا اور اہم مضمون کو دو لفظوں میں بیان کر دیا ہاں لگا رہنا شرط ہے اور ایک یہ ضروری بات ہے کہ ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہ پڑے اس سے بھی انسان بڑی دولت سے محروم رہتا ہے کیونکہ یہ بھی تو ماسوا اللہ ہی کی مشغولی ہے۔

خلاصہ میرے مضمون کا یہ ہے کہ قصد سے ماضی ومستقبل کے مراقبے کی ضرورت نہیں ہے اگر بغیر قصد کے خیال آ جائے تو ماضی کی کوتاہیوں پر توبہ واستغفار کر لیا کرے بس کافی ہے پچھلے معاصی کی کاوش کے ساتھ استحضار بھی کبھی حجاب بن کر خسران کا سبب ہو جاتا ہے اور اس طرح نہ آئندہ کے لئے تجویزات کی ضرورت ہے یہ بھی ضرر رساں ہے نہ اس کی ضرورت کہ میں نے پہلے کیا کیا تھا اور اب کیا ہوگا اور میں کچھ ہوا یا نہیں جھگڑوں میں وقت ضائع کرتے ہو کام میں لگو ان فضولیات کو چھوڑ دو کسی حالت میں بھی مایوس نہ ہو وہ تو دربار ہی عجیب ہے کوئی شخص کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو ایک لمحہ ایک منٹ میں کایا پلٹ جاتی ہے بشرطیکہ خلوص کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو کر رجوع کرے اور آئندہ کے لئے استقلال کا عزم کرے پھر تو جس نے کبھی ساری عمر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا ہو اور اپنی تمام عمر کا حصہ معاصی اور لہو ولعب میں برباد کیا ہو اس کے لئے بھی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں جو بندے کے لئے مشکل ہے وہ خدا تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔

رحمت حق ہر وقت اپنے بندوں کے لئے بخشش کا بہانہ ڈھونڈتی ہے فی الحقیقت حق تعالیٰ

ادنیٰ بہانے سے بندوں پر رحم فرما دیتے ہیں نجات تو چھوٹی سی بات پر ہو جاتی ہے مگر چھوٹی بات پر مواخذہ نہیں ہوتا مواخذہ تو بڑی ہی بات پر فرماتے ہیں اب رہا یہ کہ کوئی بڑی بات کو چھوٹی بات خیال کرے اس کا کسی کے پاس علاج ہے۔ (از افادات حکیم الامت)

نظر صرف اللہ پر رہے:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں کہ انسان اور بالخصوص مسلمان کو صرف اللہ تعالیٰ پر نظر اور بھروسہ کرنا چاہئے دنیا ومافیہا کی کسی چیز پر نہ ہو اس پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دل سوز واقعہ نقل فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ:

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو اس حالت میں سرداری یعنی امارات وسپاہ سالاری سے معزول کیا ہے جب وہ کفار کے مقابلہ میں ملک شام میں دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے جس کی دو وجہیں تھیں ایک تو وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بعض سخاوتوں کو بے موقع سمجھتے تھے دوسری وجہ یہ فرماتے تھے کہ لوگوں کو حضرت خالد پر زیادہ نظر ہوگئی اور خدا پر کم نظر ہوگئی۔ یہ ٹھیک نہیں۔ غرض ملک شام میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پروانہ بھیجا کہ میں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کیا اور حضرت خالد کی جگہ تم کو مقرر کیا ہے۔ حالت یہ تھی کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بڑے عابد اور زاہد بزرگ تھے نہ آداب جنگ کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے برابر تجربہ رکھتے تھے ورنہ ان کے برابر قواعد جنگ سے واقف تھے اور حضرت خالد سیف اللہ بڑے مشہور شجاع اور ماہر جنگ تھے لوگوں نے آپ سے پوچھا بھی کہ حضرت آپ نے کیا کیا؟ تو حضرت امیر المومنین عمر نے ہی فرمایا کہ لوگوں کی نظر حضرت خالد پر پڑنے لگی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ تھے مجھے ڈر ہوا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر نظر کرنے سے کہیں نصرت الٰہی میں کمی نہ ہو جائے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہمارے اکابر کا مذاق ومزاج صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا تھا نہ کہ تدابیر واسباب پر لیکن اب تو دنیا میں دہریت اس قدر غالب اور چھائی ہوئی ہے کہ صرف تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھا ہوا ہے بہرحال تدبیر میں اعتدال ہو افراط وتفریط نہ ہو اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی ذات عالی پر نظر رکھنے کی توفیق دے آمین۔

اصلاح میں اپنی کر نہ سستی
ہمت پہ منحصر ہے درستی
فرما گئے ہیں حکیم الامت
سستی کا علاج بس ہے چستی

پریشانیاں

دنیوی کاروبار میں لگ کر فکر کا جمع رہنا اور دل کا پرسکون ہونا بہت مشکل ہے خصوصاً اس تنگدست نوجوان کے لے جو احتیاج میں مبتلا ہو کیونکہ جب نکاح کرے گا اور دنیا ہاتھ میں نہ ہوگی تو کمانے یا لوگوں سے مانگنے کی فکر میں لگے گا جس کی وجہ سے فکر منتشر ہو جائے گی پھر اولاد کے پیدا ہونے کے بعد معاملہ اور بگڑ جائے گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی آمدنی میں رخصت پر عمل کرتے کرتے حرام میں مبتلا ہو جائے۔ وہ ایسی ضرورتوں میں قید ہو جاتا ہے جن کو پانے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اس لئے ساری فکر اسی میں رہتی ہے کہ خود کیا کھائے گا اور بیوی کو کیا کھلائے گا اور اتنا نفقہ اور کپڑا کہاں سے لائے گا جس پر بیوی راضی ہو سکے۔ تو بتاؤ کیسے اس کا دل پرسکون ہو سکتا ہے؟ اور کیونکر فکر جمع ہو سکتی ہے؟ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

خدا کی قسم! دل مطمئن نہیں ہو سکتا جب کہ نگاہیں لوگوں کو دیکھ رہی ہوں، کان ان کی باتیں سن رہے ہوں، زبان ان سے گفتگو کر رہی ہو اور دل ضروریات کی فراہمی میں "بندر بانٹ" ہو کر رہ گیا ہو۔

پریشانیوں کا حل

اگر کوئی پوچھے کہ پھر میں کیا کروں؟ تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم کو بقدر کفایت دنیا اور معاش حاصل ہو تو اسی پر قناعت کر لو جب موقع ملے تو مخلوق سے کنارہ کش ہو کر خلوت میں بیٹھ رہو اگر نکاح کرو تو ایسی غریب عورت سے جو تھوڑے پر راضی رہے اور تم بھی اس کی صورت اور غربت پر صبر کر لو اپنے نفس کو آزاد نہ چھوڑو کہ وہ ایسی عورت کا مطالبہ کرنے لگے جس کے لئے زائد خرچ کی ضرورت ہو۔

اگر تم کو ایسی نیک اور پاکباز عورت مل جائے جو فکر کی جمعیت کا سبب بنے تو بہت بڑی نعمت ہے (شکر کرو) ورنہ پھر صبر سے کام لینا خطرہ میں پڑنے کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔

خبردار! خوبصورت عورتوں کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ خوبصورت عورت کا شوہر اگر محفوظ بھی

رہ جائے تو بت کے پجاری کی طرح ہوتا ہے جب تم کو کوئی چیز حاصل ہو تو اس میں سے کچھ خرچ کرو اور باقی کل کیلئے جمع رکھو تا کہ اس باقی کو محفوظ دیکھ کر دل کے انتشار سے بچ سکو۔

موجودہ زمانہ:

اس زمانہ سے اور اہل زمانہ سے بہت دور رہو کیونکہ اب کوئی غمگسار اور صاحب ایثار نہیں رہ گیا نہ کسی کو اس کی فکر ہے کہ وہ کسی کی ضرورت پوری کردے نہ کوئی ایسا ہے جس سے مانگا جائے تو عطا کرے اور اگر کوئی دیتا بھی ہے تو جھڑکی اور ٹال مٹول کے ساتھ پھر ایسا احسان رکھ دیتا ہے جس کی وجہ سے ساری زندگی غلام بنائے رکھتا ہے جب دیکھتا ہے تو کوئی تکلیف دہ جملہ کہہ دیتا ہے یا اپنی خدمت اور بار بار کی حاضری پر مجبور کرتا ہے۔

ابو عمرو بن نجید:

حالانکہ گزشتہ زمانہ میں ابو عمرو بن نجید جیسے لوگ ہوتے تھے جنہوں نے ابو عثمان مغربی کو ایک منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ "میرے اوپر ایک ہزار اشرفی قرض ہو گئی ہے جس کی وجہ سے میرا [illegible] ہو گیا ہے" یہ سن کر ابو عمر رات میں ان کے پاس گئے اور ایک ہزار اشرفی پیش کر کے کہا کہ اس سے اپنا قرض چکا دیجئے۔

اگلے دن ابو عثمان آئے اور منبر پر بیٹھے تو کہا "ہم ابو عمر کے شکر گزار ہیں کیونکہ انہوں نے مجھ کو بہت راحت پہنچائی ہے اور میرا قرض ادا کر دیا ہے تو فوراً ابو عمرو کھڑے ہوئے اور کہا کہ "اے شیخ! وہ اشرفیاں میری والدہ کی تھیں اور ان کو میرا یہ فعل بہت ناگوار گزرا ہے اس لئے اگر آپ اس کو واپس لے سکتے ہوں تو لے کر واپس کر دیجئے۔"

پھر جب رات ہوئی تو ابو عثمان کے پاس گئے اور کہا کہ "آپ نے ہمارا نام کیوں ذکر کر دیا؟ میں نے آج جو کچھ کہا ہے وہ صرف لوگوں کے خیال سے کہا ہے (تا کہ لوگوں کی توجہ میری طرف سے ہٹ جائے) آپ وہ رقم اپنے پاس رکھئے اور میرا ذکر کسی نہ کیجئے۔"

لہٰذا ایسے لوگوں سے بہت دور رہو جن کی ساری فکر دنیا ہو کیونکہ ان کو ایثار کرنے سے پہلے یہ خیال ہوگا کہ پہلے اتنا حاصل کر لو پھر ایثار کرنا۔

اب جسے بھی دیکھو گے وہ دل سے دشمن ہوگا۔ ظاہر میں دوست ہوگا۔ نقصان پر خوش ہوگا اور نعمت پر جلے گا۔ لہٰذا خلوت کو اس کی قیمت دے کر خرید لو کیونکہ جو شخص دل رکھتا ہو پھر

بازاروں میں چلے تو جب گھر لوٹے گا تو دل کی حالت بدل چکی ہوگی پھر اگر کسی نے اس کو دنیا کی طرف میلان پر ابھار دیا تو اس کا حل مت پوچھو۔ قلبی سکون حاصل کرنے کے لئے مخلوق سے دوری اختیار کرو تا کہ دل تمہارہ کر انجام اور آخرت کو سوچ سکے اور بصیرت کی نگاہ سے کوچ کے خیموں کو دیکھ سکے۔ (دل کی دنیا)

یہ علاج نہیں ہے

موجودہ ڈپریشن کا علاج:

ہمارے ایک دوست بیمار سے رہنے لگے بظاہر کوئی مرض معلوم نہیں ہوتا تھا مگر نہ ہی نیند آتی اور نہ ہی کسی کام کاج میں دل لگتا ڈاکٹروں کو دکھایا کوئی تشخیص تو نہ ہو سکی البتہ یہ معلوم ہو گیا کہ انہیں ڈپریشن ہے تھے بیچارے سیدھے سادھے اس دور میں اس دور کے لوگوں کی طرح توہمات کا شکار۔ لگ گئے اسی چکر میں جس چکر میں آج لوگ گرفتار ہیں۔ جس سے تذکرہ کرتے ایک نئی کہانی سننی پڑتی۔

کوئی کہتا بھائی تمہیں تو ''اوپرا'' اثر ہو گیا کسی عامل کے پاس جاؤ کوئی کہتا فلاں بابا کے رہ... جا کر دیگیں چڑھاؤ۔ غرض پھنس گئے اس ولدل میں۔ جو کچھ پونجی جمع کی تھی قربان کرتے چلے گئے کوئی جن اتارنے کے بہانے رقم بٹور رہا ہے۔ کوئی زعفران کے تعویذ لکھنے کے لئے پیسے اینٹھ رہا ہے۔ کیسا ڈاکٹر کیسا حکیم کیسی دوا، کسی دارو۔ نہ نماز کے رہے نہ روزہ کے سب کچھ بھول گئے۔ بس یہ یاد رہا کہ اگربتی لوبان نذرانے زعفران۔ اچھا خاصا کاروبا تھا، ٹھیک ٹھاک زندگی گزار رہے تھے۔ اچانک کیا ہوا کیا ہوتا گیا؟ دوست ہیں نا۔ اور دوست وہ جو مصیبت یا پریشانی کے وقت کام آئے ......دوست بننا بہت آسان...... مگر حق دوستی ادا کرنا نہایت مشکل ہے دوست وہ نہیں وہ جو اپنے دوست کو بیماری میں دوا کے بجائے زہر پلانے کی کوشش کرے۔ دوست وہ ہے جو دوست کے لئے بیماری میں صحت کا سامان مہیا کرے نہ کہ اسے توہمات کے پھیرے میں ڈال دے۔

یہ سوچ کر میں ان کے گھر گیا ملاقات ہوئی اداس اداس ...... باتوں میں چڑ چڑاپن، ڈاکٹروں کے نام سے الرجک بس ایک ہی رٹ کہ کسی نے کچھ کرا دیا ہے۔ گھر والوں سے یہ سن کر کہ اگر کوئی کبھی بھن بھن کرتی ہے تو یہ کہتے ہیں کوئی جادو کر رہا ہے، نہایت تکلیف ہوئی۔ گھر آ کر غور کرتا رہا معاشرہ پر نظر ڈالی تو ہر ایک شخص اس بیماری کا یعنی ڈپریشن کا شکار دکھائی دیا۔

جس سے پوچھو بھئی کیا حال ہے؟ ایک ہی جواب ڈپریشن میں مبتلا ہوں کیوں؟ کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ ڈپریشن کیا ہے؟ بس ہو جاتا ہے ایسا تو کوئی مرض نہیں جس کی وجہ نہ معلوم ہو ایک ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ بظاہر ڈپریشن ایک علامت لگتی ہے مگر جو لوگ اس کا شکار ہیں وہ کوئی وجہ نہ ہونے کے باوجود اداس رہتے ہیں۔ سوچا ایک حکیم صاحب سے بھی پوچھوں معلوم کرنے پر بتایا کہ اس خاموش مرض کی بنیادی وجوہات انسان میں نا امیدی بغض حسد کا پیدا ہونا ہے۔ قلب و دماغ متاثر ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انسان اپنی صلاحیتوں کو کھو بیٹھتا ہے ڈاکٹروں کے پاس اس کا ایک علاج ہے وہ یہ کہ ایسے انسان کو سکون اور نیند کی گولیاں دے کر اس کا عادی بنا دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں بھی کچھ اس قسم کی ادویات دی جاتی ہیں۔

ایک دانشور سے ملاقات کی انہوں نے اپنے علم و دانش کی بنیاد پر بتایا کہ یہ مرض معاشرہ میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے کے رہن سہن کو اپنا نیکی دوڑ کا نتیجہ ہے۔ سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اچانک دل نے پکارا کہ ان علامات کو ختم کرنے کا علاج نہ ڈاکٹر کے پاس نہ ہو حکیم کے۔ علاج تو خود اس شخص کے پاس ہے جو ان علامات میں مبتلا ہے۔ بتاؤں...... مگر بتانے سے پہلے تجھے کچھ یاد دلا دوں کہ تو مسلمان ہے مذہب اسلام کا پیروکار ہے۔ اللہ کا بندہ ہے، سرکار رحمت ﷺ کا امتی ہے۔ اسلام ایک ایسے دین کا نام ہے کہ جس نے اپنے ماننے والوں کو اچھائی برائی، امراض سے شفایابی نقصانات اور فائدوں کے اثرات کھول کھول کر رہنمائی کے لئے بیان کر دیئے ہیں۔ نیک اور اچھا کام ہو تو روحانی و جسمانی فرحت برا فعل ہو تو دونوں معاملوں میں ناکامی۔ یعنی جسم اور روح دونوں پراگندہ۔

اسلام وہ واحد مذہب اور دستور حیات ہے کہ جس نے ہر اس فعل سے اجتناب برتنے کی ہدایت کی ہے جس کو اختیار کر کے آدمی عقل سے بیگانہ دکھائی دے۔ اب یہ ڈپریشن ہی لے لو اس کی وجہ نا امیدی، حسد، بغض ہے نا اسلام نے ان تینوں سے بچنے کی ہدایات کی ہے۔ اب دیکھو نا ''نا امیدی'' انسان کو زندہ درگور کر دیتی ہے۔ حسد جسم کو کھلا کر رکھ دیتا ہے بغض دل و دماغ کو ماؤف کر دیتا ہے۔ اب اگر کسی شخص میں یہ تینوں علامات پیدا ہو جائیں یقیناً وہ بالکل ایسا ہی ہو جائے گا جیسا دوست کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس کا علاج ڈاکٹروں کے پاس سکون کی گولیاں اور نیند کی گولیاں ہی تو ہیں۔ لوگوں کو دیکھا ہے نا...... اگر نیند کی گولی نہ کھائیں تمام رات کروٹیں بدلتے گزر جاتی ہے گولیاں نہ کھائیں تو بے سکونی کا حملہ ہر وقت ہوتا رہتا ہے یعنی علاج تو ہے مگر مرض جڑ سے نہیں جاتا۔ وقتی علاج ہے۔ دیکھو غور کرو ایسے افراد کو پر کھو کس کرب میں مبتلا ہیں۔

کاش! دنیاوی مسیحاؤں سے پیچھا چھڑا کر۔ جادو ٹونوں سے جان بچا کر اصل ''مسیحا'' سے رجوع کیا جائے۔ جس نے ان تمام علامت کا جس سے ڈپریشن ہوتا ہے شافی علاج بتادیا ہے۔

نا امیدی......لوگ خودکشی کرنے رپ اسی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں کہ امید کی کرن نہ دکھائی دیتی ہے اور نہ کوئی دکھانے والا۔ ''اللہ اکبر''۔ فرمایا:

لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر۔۵۳)

''اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو''۔

ارے ناامید نہ ہو اللہ کی رحمت کو پکار۔ دیکھ وہ کیسے تیری پکار سن کر، ناامیدی کو امید بنادے گا۔ پکار تو سہی۔ حسد خطرناک بیماری......رسول رحمت اللہ نے فرمایا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح بھسم کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو بھسم کر دیتی ہے اس لئے اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ۔ بغض تو ایسی علامت ہے جو انتقام کی پہلی منزل ہے اسی لئے اسلام کی تعلیم ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ بھائی کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ کر جلو نہیں۔ خوش ہو کہ تمہارا بھائی۔ آگے بڑھ رہا ہے۔

دیکھا......کیسا نسخہ دیا دین اسلام نے......اول تو پہلے ہی منع کر دیا کہ ایسا نہ کرو اگر ایسا کر لیا ہے تو آؤ ان تینوں علامات کو ختم کرنے کا نسخہ استعمال کر لو۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص (مسلمان) اللہ کی رحمت سے لو لگالے گا، کبھی اس کے پاس ناامیدی نہ آئے گی جو حسد صرف اس لئے کرتا ہو کہ میرا فلاں بھائی دین کے معاملہ میں کس قدر آگے بڑھ گیا ہے کاش! میں بھی بڑھ سکوں کبھی اس کے پاس حسد کانٹے بن کر نہیں آئے گا جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے نیک خواہشات رکھے گا کبھی بغض کی لعنت میں گرفتار نہیں ہوگا۔ کبھی ڈپریشن کا شکار نہ ہوگا اور بتادوں اگر نماز یعنی اللہ کے حضور حاضری کا پابند ہو جائے تو پھر دیکھو کہ یہ حاضری ان تمام علامات کا مستقبل خاتمہ ہے۔ علاج شافی ہے ڈاکٹر عارضی سکون و آرام کے لئے نیند کی گولیاں دیتے ہیں۔ علاج بھی عارضی صحت بھی عارضی ڈپریشن کا یہ علاج نہیں ہے۔ ڈپریشن ختم کرنا ہے تو......آؤ اس کی بارگاہ میں جہاں پہنچ کر ڈپریشن نہیں ہوتا۔ نیند بھی آتی ہے ﷺ سکون بھی ملتا ہے۔ ''بے شک اللہ کا ذکر دلوں کو اطمینان بخشتا ہے''۔ یہی ہے موجودہ ڈپریشن کا علاج۔

کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے
بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی مر گئے
انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں

پلے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں
سبھی یہ پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے
نہیں آتا خیال ان کو کہ فکر اللہ کتنی ہے

سوچ بدلئے......خوشحال رہئے

موجودہ زمانہ میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن میں سے ہر ایک کی یہی خواہش ہے کہ اس کا لباس دوسرے سے اچھا ہو اس کی رہائش گاہ دوسروں سے بہتر ہو۔ اس کے پاس گاڑی دوسروں سے اچھی اور جدید ماڈل کی ہو۔ اس کی ملازمت ذریعہ معاش دوسروں کے لئے قابل رشک ہو۔ یہ وہ جذبات ہیں جو ہمارے ہاں اکثر لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

ان جذبات کی وجہ میں اگر غور کیا جائے تو دینی نقطہ نظر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر انسان موجودہ نعمتوں سے صرف نظر کر کے مزید نعمتوں راحتوں کی طلب میں لگ جائے تو پھر اس کی سوچ کا اس طرح ہونا بعید از امکان نہیں لیکن اگر انسان انہی جذبات کا رخ سیدھا کر لے تو وہ مزید نعمتوں کی طلب کی بجائے موجودہ نعمتوں پر سراپا شکر ہو جائے اور یہ سوچے کہ اگر میرے پاس مال کی فراوانی نہیں تو اللہ پاک نے مجھے نیک اولاد سے نوازا ہے اگر میرے پاس دوسرے سے اچھا روزگار نہیں تو اللہ پاک نے مجھے طرح طرح کی امراض سے محفوظ صحت مند جسامت سے نوازا ہے اور جسامت میں عقل کا نظام بھی شامل ہے جس میں لاکھوں باتیں انسان محفوظ کر لیتا ہے۔ اسی عقل کو انسان اگر شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے استعمال کرے تو کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔ اسی جسم میں اللہ پاک نے بینائی کا بندوبست کیا ہے اگر ان لوگوں سے حالت دریافت کی جائے جنہیں اس دولت سے محروم رکھا گیا ہے تو معلوم ہو کہ ان کی زندگی کیسی تاریک ہے اسی جسم میں منہ ہے اس میں زبان دانت ہونٹ وغیرہ کتنی قیمتی نعمتیں اللہ پاک نے اپنی اپنی جگہ معین کر کے رکھی ہیں کتنے ہی لوگ جن کی منہ میں زبان ہے جو بظاہر بالکل صحیح ہے لیکن بول نہیں سکتی۔ اسی طرح پورے جسم میں اللہ پاک نے کتنی نعمتیں رکھی ہیں کہ جن کا دنیا میں لاکھوں روپے خرچ کر کے ملنا ناگزیر ہے۔

ایک صحت مند فقیر کو بھیک مانگتے ہوئے کسی نے دیکھا اور اس سے کہا کہ تیرے پاس لاکھوں روپے ہیں، لیکن تو پھر بھی بھیک مانگتا پھر رہا ہے۔ فقیر نے کہا، جی میرے پاس اتنی دولت

کہاں۔ اس شیخ نے کہا اگر تو اپنی دونوں آنکھیں مجھے بیچ دے تو میں تجھے دو لاکھ روپے دوں گا اگر تو اپنے ہاتھ فروخت کر دے تو میں تجھے پانچ لاکھ دوں گا۔ اگر تو اپنے دونوں پیر مجھے دے دے تو میں تجھے دو لاکھ روپے دوں گا۔ فقیر نے ان سب پر انکار کر دیا تو اس شخص نے کہا اللہ پاک نے تجھے ایسی قیمتی نعمتوں سے نوازا ہے جو لاکھوں روپے کے عوض بھی تو مجھے نہیں دیتا تو پھر فقیر کہاں۔

بظاہر دیکھنے میں ایک معمولی واقعہ ہے لیکن اس میں ہمارے لئے زبردست سبق ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کا شکر ادا کرنے کی بجائے دوسری نعمتوں کے نہ ملنے پر ہر وقت شکوہ شکایت میں لگے رہتے ہیں انسان کی زندگی محدود لیکن اس کی خواہشات بے شمار اس لئے اسلام نے ہمیں یہ ہدایات دی ہیں کہ ہم موجودہ نعمتوں پر شکر کریں اور یہی شکر مزید نعمتوں کے حصول کا قوی ترین سبب ہے جیسا کہ اللہ پاک نے خود قرآن میں فرمایا ہے۔

''اگر میری نعمتوں پر شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں مزید نعمتوں سے نوازوں گا۔'' انسان کی عقل محدود ہے وہ جس نعمت کی خواہش کرے وہ نعمت اس کے حق میں مفید ہے یا نقصان دہ، یہ بات تو صرف اللہ پاک ہی جانتے ہیں اس لئے زندگی کو خوشحال بنانے کا کس قدر بہترین اصول جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کے اعتبار سے اپنے سے کم دیکھو اور دین کے اعتبار سے اپنے سے آگے بڑھے ہوئے کو دیکھو۔ اس سے دنیا کی موجودہ نعمتوں پر قناعت اور شکر کی توفیق ہو گی اور عبادات میں آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہو گا اور یہی چیز ایک کامل مسلمان سے مطلوب ہیں۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی سوچ کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں خواہشات کی اتباع نہ کریں۔

عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان موجودہ نعمتوں کا ہر وقت کرنے کا عادی ہو جائے اس شکر کے صلہ میں جہاں آخرت میں ثواب عظیم کا وعدہ ہے وہاں مزید نعمتوں کی یقین دہانی ہے اور زندگی کو پرسکون وخوشگوار بنانے میں یہ چیز اکسیر ہے اور موجودہ پرفتن دور میں ہم سب کو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔

پریشانیوں کی وجوہات:

فرمایا کہ ساری پریشانی کا مدار یہی تجویز ہے کہ انسان اپنے لئے یا اپنے متعلقین کے لئے ایک خیالی پلاؤ پکا لیتا ہے کہ یہ لڑکا زندہ رہے اور تعلیم یافتہ ہو اس کی اتنی تنخواہ ہو پھر وہ ہماری خدمت کرے اور اسی طرح یہ مال ہمارے پاس رہے اس میں یوں ترقی ہو اور اتنا نفع ہو۔ اس طرح

شیخ چلی کی طرح ہر چیز کے متعلق کچھ نہ کچھ منصوبے قائم کر لیے جاتے ہیں۔ اگر پہلے سے کوئی تجویز نہ ہو تو یہ پریشانی کبھی پاس نہ پھٹکے۔ اس لئے اہل اللہ سب سے زیادہ آرام وراحت مسرت میں ہیں۔ ان کو کسی واقعہ سے پریشانی اور غم نہیں ہوتا کیونکہ وہاں تجویز کا نشان ہی نہیں ہے بلکہ تفویض کلی ہے۔ بس ان کو غم آخرت تو ہے اور کسی بات کا غم نہیں مگر غم آخرت ایسا نورانی اور لذیذ ہے کہ اس کے بدلہ میں سلطنت بھی لینا نہیں چاہتے۔

مصیبت کی تعریف:

فرمایا کہ جو بات اپنے کو ناگوار گزرے وہی مصیبت ہے اور اس پر ''اناللہ'' پڑھنا ثواب ہے۔

مصیبت کی حقیقت:

فرمایا کہ اصل مصیبت وہ ہے جس سے دل میں پریشانی اور بے چینی پیدا ہو پس جو شخص بیمار ہو اور دل کو پریشان پائے اس کے حق میں یہ مرض مصیبت ہے اور اگر دل پریشان نہیں بلکہ صابر وشاکر ہے تو یہ ہرگز مصیبت نہیں بلکہ موجب رفع درجات ہے۔

حالت مصیب کے احکام

حالت مصیبت کے احکام حسب ذیل ہیں۔

(۱)..... فرمایا کہ حالت مصیبت میں ابتلاء ہو تو صبر کیا جائے کہ مومن کی یہی شان ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

یعنی مومن کی عجیب حالت ہے کہ اگر اس کی خوشی پہنچتی ہے شکر کرتا ہے اور اگر مصیبت پہنچتی ہے صبر کرتا ہے تو دونوں حالتوں میں نفع رہا۔

(۲)..... فرمایا کہ خدا کی رحمت سے مصیبت میں مایوس نہ ہو بلکہ فضل و کرم الٰہی کا امیدوار رہے کیونکہ اسباب سے فوق بھی تو کوئی چیز ہے تو یا اس کی بات وہ کہے جس کا ایمان تقدیر پر نہ ہو اہل دین کا طریقہ تو رضا بالقضاء ہے۔

(۳)..... مصیبت کی وجہ سے دوسرے احکام شرعیہ میں کوتاہی نہ کرے۔

(۴)..... خدا سے اس مشکل کے آسان کر دینے کی دعا کرتا رہے اور تدابیر میں مشغول رہے۔ مگر تدبیر کارگر نہ سمجھے (اور دعا کا حکم اس لئے ہے کہ تدبیر میں بغیر دعا کے برکت نہیں ہوتی)۔

یہ گناہ حقیقت میں آگ ہیں

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ" یہ اس طرح کہا جا رہا ہے جیسے آگ سامنے نظر آ رہی ہے حالانکہ اس وقت کوئی آگ بھڑکتی ہوئی نظر نہیں آ رہی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ جتنے گناہ ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں...... یہ سب حقیقت میں آگ ہیں چاہے دیکھنے میں گناہ لذیذ اور خوش منظر معلوم ہو رہے ہوں لیکن حقیقت میں یہ سب آگ ہیں اور یہ دنیا جو گناہوں سے بھری ہوئی ہے وہ ان گناہوں کی وجہ سے جہنم بنی ہوئی ہے لیکن حقیقت میں گناہوں سے مانوس ہو کر ہماری حس مٹ گئی ہے اس لئے گناہوں کی ظلمت اور آگ محسوس نہیں ہوتی ورنہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ صحیح حس عطا فرماتے ہیں اور ایمان کا نور عطا فرماتے ہیں ان کو گناہ واقعتاً آگ کی شکل میں نظر آتے ہیں یا ظلمت کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

یہ دنیا گناہوں کی آگ سے بھری ہوئی ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا جو گناہوں کی آگ سی بھری ہوئی ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی کمرے میں گیس بھر گئی ہو اب وہ گیس حقیقتاً میں آگ ہے صرف دیا سلائی لگانے کی دیر ہے۔ ایک دیا سلائی دکھاؤ گے تو پورا کمرہ آگ سے دہک جائے گا۔ اسی طرح یہ بداعمالیاں یہ گناہ جو معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے ہیں حقیقت میں آگ ہیں صرف ایک صور پھونکنے کی دیر ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو یہ معاشرہ آگ سے دہک جائے گا۔ ہمارے یہ برے اعمال بھی درحقیقت جہنم ہیں۔ ان سے اپنے آپ کو بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچاؤ۔

زندگی کا رخ موڑیئے

اہتمام عمل:

اس وقت انسان دین سے بیگانہ ہو کر حیوانوں کی طرح زندگی بسر کر رہا ہے۔ "الا ماشاء اللہ" اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس زمانہ میں بھی کچھ لوگوں کو دین کا اہتمام ہے اور اپنی بے عملی کی درستی کی فکر ہے خدا کا شکر ہے کہ اللہ نے ہم کو اپنے بزرگوں سے صحیح اسلام اور ایمان اور حق ہم پر واضح ہو گیا لیکن صحیح علم

آنے کے بعد عمل صحیح نہ ہوا تو بڑی محرومی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ہم سب کا ایمان ہے۔ رسول پاک ﷺ برحق کلام الٰہی برحق ہے۔ کلام پاک میں عقائد کے معاملہ میں تین چیزوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ توحید ورسالت اور معاد ان کو اگر ہم نے درست کر لیا تو ہماری زندگی اور آخرت کا یہی سرمایہ ہے۔

ہماری زندگی میں تغیرات بے انتہا ہیں اور سب مشیت الٰہی کے تحت ہیں ان میں ہم کو کوئی گفتگو کرنا نہیں ہے۔ قرآن پاک میں معاد کی اہمت پر بہت وضاحت فرمائی گئی ہے اور جب تک یہ پوری طرح مستحضر نہ ہو جائے ہمارے سارے اعمال وعبادات بے وزن ہیں اور بے روح ہیں اس لئے ایک نظر ان پر ڈال کر اطمینان کر لیجئے۔ پھر آپ کے سب اعمال وزنی ہو جائیں گے اگر کپڑا ناپاک ہے اور رخ بھی قبلہ کی طرف نہیں ہے تو ہماری عمر بھر کی نمازیں ضائع ہیں۔ اسی طرح اگر ہم نے ایمان کے مطابق اپنے اعمال اور اخلاق کی طرف توجہ نہ کی اور ان کی اصلاح نہ کی تو ہماری زندگی خسران عظیم کا مصداق ہوگی ہمارے سارے اعمال آخرت کا سرمایہ ہیں جن کا ثمرہ جنت ہے یا دوزخ۔ ہمارے جتنے اعمال صالحہ ہیں وہ انشاء اللہ رضاء الٰہی اور حصول جنت کا باعث بنیں گے۔

ماڈرن اسلام:

اور اس کے برعکس ہماری بداعمالیوں اور فسق وفجور کے بدلہ میں دردناک عذاب "نار" ہے۔ ان سب کی تفصیل قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ قانون فطرت جو قانون الٰہی ہے بدل نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ آنکھیں بند ہوتے ہی تمام نیک وبد اعمال سامنے آجائیں گے اس لئے آخرت کے معاملہ میں ہماری غفلت بڑی خطرناک ہے۔

اپنے بندوں کے لئے کلام میں بار بار اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم غفور رحیم ہیں۔ ہم شفیق ہیں ہم مہربان ہیں تم اچھے اعمال کر لو اور برے اعمال سے بچ جاؤ۔ ان بداعمالیوں کو چھوڑ دو اور اگر ارتکاب ہو جائے تو توبہ واستغفار کر لو۔

اللہ پاک نے ہم کو بہت سے کبائر سے تو بچا ہی لیا ہے اس کا ہزار ہا شکر ہے اور جنت میں لے جانے والے اعمال بھی صاف صاف بتلا دیئے۔ اب کوئی مصلحت اندیشی سے نیا اسلام بنا لینا یہ صریحاً کفر ہے۔ یہ مسخ شدہ دماغ والے جو اسلام میں ترمیم چاہتے ہیں یہ زندقہ ہے۔ آج زمانہ جو کچھ چاہتا ہے اور آج کی سوسائٹی جو پسند کرتی ہے یہ سب الحاد ہے، کفر ہے، ایسے کہنے والے اللہ کی غضب سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ پاک سے پناہ مانگو۔

شامت اعمال:

دراصل آج کا نوجوان سیرت نبوی ﷺ اور حالات صحابہ سے ناواقف ہے اور ارباب اقتدار نے عمداً مسلمانوں کو ان چیزوں سے دور رکھا ہے خدا کے لئے قوت ایمانیہ کی حفاظت کے لئے سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ ضرور کیجئے جب تک اللہ پاک کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب نہ کرو گے کوئی صورت عذاب دوزخ سے مفر (بچنے) کی نہیں ہے ایسا نہ ہو کہ ایمان پر ضرب آ جائے آج شامت اعمال ہم پر مسلط ہوتی چلی جارہی ہے۔ آج کے معاشرہ کا نقشہ ہم کئی دفعہ کھینچ چکے ہیں۔ عورتوں کی بے پردگیاں عدالتوں کی ناانصافیاں دفاتر کی حقوق تلفیاں، بازاروں کی فریب کاری تعلیم گاہوں کی بے حیائیاں ہسپتالوں کے مظالم یہ سب ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

اللہ پاک کے احکام بھی ایسے نہیں جو کسی زمانہ میں بھی بندوں کے لئے برداشت کی قابل نہ ہوں۔ ایک نظر ڈالو جتنی حرام چیزیں ہیں راگ راگنیاں، فوٹو، مغربی طرز زندگی، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ان سب چیزوں سے تم بچ سکتے ہو یہ واہمہ ہے کہ نماز بھی پڑھ لی اور گانا بھی سن لیا خدا بھی خوش اور شیطان بھی راضی ، یہ نہ کرو اللہ اور شیطان کو ایک ساتھ راضی نہ کرو شیطان کو جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ تم اپنی آنکھ بند کر کے اس کی پیروی نہ کرو کہ تم بھی اس کے ساتھ جہنم میں دھکیل دیئے جاؤ گے۔ جو لوگ ساری زندگی دین اور بے دینی کی کشمکش کے مابین چلا کرتے ہیں نزع کی وقت شیطان آ کر انہیں بے دینی کی طرف راغب کرتا ہے اس لئے ہوشیار ہو جاؤ یہ بڑا خطرناک مرحلہ ہے۔ یہ مختصر زندگی ختم ہو رہی ہے اور ابدی زندگی شروع ہو رہی ہے اور عمل اور ردعمل کا معاملہ شروع ہو رہا ہے۔ ابھی مہلت ہے ہوشیار ہو جاؤ اور کبائر کو ترک کر دو اور توبہ کر و اور اپنے ایمان کو بچاؤ۔

اصل رائج الوقت کبائر یہ ہیں۔ جس گھر میں یہ چار چیزیں ہوں گی وہاں رحمت کے فرشتے موت کے وقت تو کیا کسی وقت بھی نہیں آتے۔ ایک تصاویر و گانے بجانے کا سامان، دوسرے کتا، تیسرے ننگے سر والی عورت، چوتھے جنبی یعنی جس کو غسل کی حاجت ہو۔

آج کا فتنہ:

تصاویر آج ایک فتنہ ہے۔ جہاں جایئے بڑے بڑے بورڈ نیم برہنہ عورتوں کی تصاویر کے آویزاں ہیں۔ اسلام میں مسلم مومن عورت کو تو وہ درجہ حاصل ہے جو حوروں کو بھی نہیں۔ آج وقار نسوانیت کو اس قدر پامال کیا جا رہا ہے کہ ہر جگہ ایسی تصاویر اپنے معاشروں میں عریاں کر دی گئی

ہیں کہ ہمیشہ فرشتوں اور انسانوں کی طرف سے اس پر لعنتیں برس رہی ہیں۔

شیطان کہتا ہے میں نے اتنا سوچا بھی نہ تھا جتنا خود انسان نے عورت کو اس طرح برہنہ کر کے بے حیائی اور بے غیرتی کے درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ خدا معلوم یہ کمال کہاں تک پہنچے گا العیاذ باللہ شیطان کہتا ہے "انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ لیکن وہ میرے ذہن سے بھی آگے بڑھ گیا" اللہ پاک ہم سب کو فکر نصیب فرمائے۔ (از خطبات عارفی)

ملفوظات حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی رحمہ اللہ

پریشانیوں سے بچنے کی موثر ترکیبیں:

فرمایا...... مشغلہ اخبار بینی یا غیر ضروری کتابوں کا مطالعہ کرنا یا رسمی تقریبات میں شرکت کرنا یا فضول تفریحات میں وقت صرف کرنا ان امور میں جو وقت ضائع ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضروری باتیں سرانجام دینے سے رہ جاتی ہیں اور طبیعت میں فکر و تشویش پیدا ہو جاتی ہے۔

فرمایا...... اپنے کسی اہم کام کے پورا کرنے کے لئے کسی ناتجربہ کار آدمی کی مشورے پر بلا سمجھے عمل کرنا یا کسی اجنبی آدمی پر محض حسن ظن کی وجہ سے اعتبار کر لینا اکثر دل کی پراگندگی کا باعث ہوتا ہے اور نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

فرمایا...... بغیر شدید ضرورت کے قرض لینا اور خصوصاً جب کہ وقت پر ادائیگی کا کوئی یقینی ذریعہ نہ ہو تو بجائے قرض لینے کے کچھ دنوں کی تنگی و کلفت برداشت کر لینا زیادہ بہتر ہے یا مروتاً قرض دینا جب کہ خود اس کی استطاعت نہ ہو اکثر شدید خفت اور کلفت کا باعث ہوتا ہے اس لئے شروع ہی میں کچھ بے مروتی سے کام لیا جائے اسی میں مصلحت ہے۔

فرمایا...... اس زمانے میں جب کہ دلوں میں خلوص نہیں ہے اور معاملات میں صفائی نہیں ہے، کسی کی مالی امانت رکھنا بھی بعض وقت پریشانی خاطر کا باعث ہو جاتا ہے اس لئے رسمی تعلقات والوں کی امانت کبھی نہ رکھنا چاہئے اور جو امانت رکھی بھی جائے تو امانت رکھوانے والے کی تحریری یادداشت مع تاریخ کی ضرور لے لینا چاہئے۔

فرمایا...... اسی طرح اس زمانے میں ہر شخص کی ضمانت بھی نہ کرنا چاہئے۔ کسی کی بیجا مروت سے بعض وقت ضمانت کر لینے سے بہت سے خطرات و پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دینی و دنیاوی پریشانیوں کا علاج:

فرمایا...... روزمرہ زندگی میں کچھ ایسے حالات و واقعات بھی وابستہ رہتے ہیں جو بالکل غیر اختیاری ہوتے ہیں اس لئے ان میں ابتلاء کے وقت ضرور قلب مشوش اور متفکر ہو جاتا ہے۔ مثلاً بیماری کا لاحق ہونا بیوی یا اپنے متعلقین کی بیماریاں یا غیر اختیاری طور پر تنگی معاش یا کسی عزیز و اقارب یا کسی اور شخص کی وجہ سے بربنا حسد یا خبث باطن کی باعث آزار ہو جانا یا غیر متوقع طور پر کاروبار میں یا اپنے مال میں نقصان واقع ہو جانا، یہ سب باتیں بھی انسان کے خیالات اور جذبات کو پراگندہ کرنے والی ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایسے حالات کی صدور کی وقت رفع ترددات اور حصول سکون قلب کے لئے جو تدابیر بتائی گئی ہیں ان پر عمل کرنا چاہئے اور وہ تدابیر اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی بتلائی ہوئی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پریشانی اور رنج و فکر خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہمار زندگی کا سکون و اطمینان ضرور زائل کر دیتی ہے لیکن قلب مومن میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت و استعداد رکھی ہے کہ ایسی پریشانیوں کی وقت میں جب وہ اپنے کارساز حقیقی کی طرف کسی نہ کس صورت سے متوجہ ہو جاتا ہے خواہ یہ ''رجوع الی اللہ'' کس درجے کا بھی ہو عقلاً اس کو ضرور سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ گو طبعاً تکلیف کا اثر باقی رہے۔ لیکن یہ طبعی تکلیف بھی قابل تحمل و برداشت ہو جاتی ہے ایسے مواقع پر جو اللہ والوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کو ضرور نفع ہوتا ہے۔ ان کی دعاؤں اور ہمدردی سے قلوب کو تقویت ہوتی ہیں ویسے بھی جو لوگ پاک و صاف زندگی بسر کرتے ہیں جن کے دل میں دین کی عظمت و محبت ہوتی ہے اور جن کی معمولات میں نماز کی پابندی اور دیگر اور وظائف شامل رہتے ہیں اور اگر ان کا تعلق کسی بزرگ سے بھی ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کے دل دنیوی پریشانیوں سے بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بندے کو اپنی دنیاوی الجھنوں اور پریشانیوں کے تدارک کے لئے اپنے مالک اور کارساز حقیقی کی طرف رجوع ہونے سے ہی سہارا ملتا ہے اور اللہ جل شانہ نے اپنے ارشادات میں ہمارے مصائب دور کرنے کے لئے بہت موثر تدابیر اور دعائیں تعلیم فرمائی ہیں اس پر عمل کرنا چاہئے اور اپنی تقصیرات و معاشی تنگی اور شامت اعمال سے پناہ مانگنا چاہئے اور صدقہ و خیرات کرنا چاہئے۔ ایسا کرنے سے مصائب و آلام گو صورتاً قائم رہیں لیکن رضائے الٰہی ردل

ضرور مطمئن ہو جاتا ہے اور یہ بڑی نعمت ہے۔

فرمایا...... دینی معلومات کا حاصل کرنا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ بغیر اس علم کے زندگی کے مقصد کا تعین نہیں ہوتا چند کتابوں کا مطالعہ بہت اہم اور ضروری ہے مثلاً سیرت رسول اللہ ﷺ حالات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و حالات بزرگان دین تاریخ اسلام حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کی تصانیف خصوصاً مواعظ و ملفوظات اور بہشتی زیور وغیرہ ان کے مطالعہ سے دین و دنیا کی بہت گراں قدر کافی و شافی معلومات حاصل ہوتی ہیں فضول اور بے مصرف کتابیں مثلاً اخبار ناول رسالے وغیرہ پڑھنے میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے۔ ان سے قلب میں ظلمت اور عقل و فہم میں پستی پیدا ہوتی ہے اور دوسری مذاہب کی کتابیں تو ہرگز نہ پڑھنا چاہئیں۔ کیونکہ بغیر اپنے مذہب کی علم کے راسخ ہونے کے دوسرے مذاہب کے عقائد اور فلسفہ سے ذہن ضرور منتشر ہوتا ہے اور گمراہی کا اندیشہ ہے اپنے مذہب میں اگر کوئی اشکال و شک پیدا ہو تو ضرور کسی اہل علم سے حل کر لینا چاہئے۔

تعلقات اور توقعات سے تکلیف نہ ہونے کا نسخہ:

فرمایا...... تعلقات و توقعات فطری امر ہے کہ ہر تعلق کسی نہ کسی توقع پر ہوتا ہے۔ معاملات میں یا تو توقع کے موافق نتیجہ ہوتا ہے یا پھر توقع کے خلاف۔ اگر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہر تعلق کو منسوب کر دیا جائے تو اہل تعلق سے کوئی شکایت ہی نہ ہو بلکہ موافقت توقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور مخالفت پر صبر کیا جائے دونوں ''مامور بہ'' ہیں اور دونوں پر اجر کا وعدہ ہے۔

فرمایا...... معرفت الٰہیہ کے عنوانات لامحدود ہیں ہر شخص کی معرفت کی طریقے جدا ہیں ہر شخص کی زندگی اپنے ہی مذاق کے مطابق مغفرت حاصل کرتی ہے۔ سالکین ذاکرین، علماء، صوفیاء اور عوام مختلف طریقوں سے مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

غیر ضروری تعلقات سے اجتناب:

فرمایا...... تعلقات زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں لیکن ان کو بھی بہت ہی ضروری تعلقات پر بقدر ضرورت محدود رکھا جائے۔ غیر ضروری تعلق خواہ اعزہ اور اقربا سے ہوں یا کاروباری زندگی میں ہوں کسی نہ کسی درجے میں ضرور پریشان کن ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ایسے غیر ضروری تعلقات میں اکثر اپنے کسی عذر کی وجہ سے دوسرے کی توقعات کو پورا نہ کر سکنے کی وجہ سے ایک تو اس کا رنج

وشکایت ہوتی ہے اور پھر خود اپنے کو بھی ندامت وخفت ہوتی ہے۔ محض رسمی تعلق اور دوستی رکھنے والے اکثر بیجا مروت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن سے بعض وقت مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے یا عافیت سوز معاملہ درپیش ہو جاتا ہے۔ ہر شخص پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔

فرمایا...... جہاں تک ممکن ہو احکامات شرعیہ اور اتباع سنت کا ہر معاملہ زندگی میں اہتمام رکھنا چاہئے۔

فرمایا...... ہمیشہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔ دوستوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ظاہری اخلاق سے متاثر نہ ہونا چاہئے بلکہ اصل معیار صداقت وخلوص اور دینداری اور صفائی معاملات ہے۔

فرمایا...... اپنے خانگی حالات اور راز کی بات ہرگز کبھی کسی سے نہ کہنا چاہئے خصوصاً عورتوں سے۔

فرمایا...... غیر ضروری مشاغل بھی جمعیت خاطر کو برباد کرنے والی ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً خواہ مخواہ دوسروں کے معاملات میں دخل دینا کسی کی خاطر مروت سے کسی کام کی ذمہ داری لے لینا یا مروتاً امانت رکھنا یا کسی کی ضمانت کرنا کیونکہ فی زمانہ یہ چیزیں بھی اکثر مفسدہ سے خالی نہیں ہوتیں۔ توقعات کے خلاف ہونے سے باہمی شکایات کے دفتر کھل جاتے ہیں۔ لہذا اپنی جمعیت خاطر برباد ہو جاتی ہے۔

مخلوق سے اچھی توقعات ختم کردو:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مواعظ میں بڑے تجربے کی بات فرمائی ہے۔ فرمایا کہ دنیا میں راحت سے رہنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے وہ یہ کہ مخلوق سے توقعات ختم کردو۔ مثلاً یہ توقع رکھنا کہ فلاں شخص میری ساتھ اچھائی کرے گا۔ فلاں شخص میرے کام آئے گا۔ فلاں شخص میرے دکھ درد میں شریک ہوگا۔ یہ تمام توقعات ختم کر کے صرف ایک ذات یعنی اللہ جل شانہ سے توقع رکھو۔ اس لئے کہ مخلوقات سے توقع ختم کرنے کے بعد اگر ان کی طرف سے کوئی اچھائی ملے گی تو وہ خلاف توقع ملے گی۔ اس سے نتیجے میں خوشی بہت ہوگی۔ کیونکہ خلاف توقع ملی ہے اور اگر مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے گی تو پھر رنج زیادہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اچھائی کی توقع تو تھی نہیں...... تکلیف ہی کی توقع تھی۔ وہ تکلیف توقع کے مطابق ہی ملی اس لئے صدمہ اور رنج زیادہ نہیں ہوگا۔

دکھ پریشانی کے وقت درود شریف پڑھیں:

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب آدمی کو کوئی دکھ اور پریشانی ہو یا کوئی بیماری ہو یا کوئی ضرورت اور حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا تو کرنی چاہئے یا اللہ! میری اس حاجت کو پورا فرما دیجئے۔ میری اس بیماری اور پریشانی کو دور فرما دیجئے لیکن ایک طریقہ ایسا بتاتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو ضرور ہی پورا فرما دیں گے۔ وہ یہ ہے کہ جب کوئی پریشانی ہو اس وقت درود شریف کثرت سے پڑھیں۔ اس درود شریف کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس پریشانی کو دور فرما دیں گے۔

یہ تکالیف اضطراری مجاہدات ہیں:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے زمانہ میں لوگ جب اپنی اصلاح کرانے کے لئے کسی شخص یا بزرگ کے پاس جاتے وہ بزرگ اور شیخ ان سے بہت سے مجاہدات اور ریاضتیں کرایا کرتے تھے، مجاہدات اختیاری ہوتے تھے اب اس موجودہ دور میں وہ بڑے بڑے مجاہدات نہیں کرائے جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کو مجاہدات سے محروم نہیں فرمایا...... بلکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے بندوں سے اضطراری اور زبردستی مجاہدہ کرایا جاتا ہے اور ان اضطراری مجاہدات کے ذریعہ انسان کو جو ترقی ہوتی ہے وہ اختیاری مجاہدات کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتاری سے ہوتی ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی میں اختیاری مجاہدات اتنے نہیں تھے۔ مثلاً ان کے یہاں یہ نہیں تھا کہ جان بوجھ کر فاقہ کیا جا رہا ہے یا جان بوجھ کر تکلیف دی جا رہی ہے وغیرہ لیکن ان کی زندگی میں اضطراری مجاہدات بے شمار تھے۔ چنانچہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی پاداش میں ان کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا تھا۔ سینے پر پتھر کی سلیں رکھی جاتی تھیں اور نبی کریم ﷺ کا ساتھ دینے کی پاداش میں ان پر نہ جانے کیسے کیسے ظلم کئے جاتے تھے۔ یہ سب مجاہدات اضطراری تھے۔ اور ان اضطراری مجاہدات کی نتیجے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجات اتنے بلند ہو گئے کہ اب کوئی غیر صحابی ان کے مقام کو چھو نہیں سکتا۔ اس لئے فرمایا کہ اضطراری مجاہدات سے درجات زیادہ تیز رفتاری سے بلند ہوتے ہیں اور انسان تیز رفتاری سے ترقی کرتا ہے لہٰذا

انسان کو جو تکالیف، پریشانیاں اور بیماریاں آتی ہیں یہ سب اضطراری مجاہدات کرائے جارہے ہیں اور جس کو ہم تکلیف سمجھ رہے ہیں حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت کا عنوان ہوتی ہے۔ انسان کے بس کا کام نہیں کہ وہ ان کا ادراک بھی کرسکے۔ ہمیں کیا معلوم کہ کون سے وقت میں اللہ تعالیٰ کی کون سی حکمت جاری ہے۔

فاقہ، تنگدستی اور بیماری کے اسباب

۱۔ مہمان کو حقارت سے دیکھنا۔
۲۔ قرآن کو بے وضو ہاتھ لگانا۔
۳۔ بغیر بسم اللہ کے کھانا۔
۴۔ کھڑے ہو کر کھانا۔
۵۔ جوتے پہن کر کھانا۔
۶۔ بغیر ہاتھ دھوئے کھانا۔
۷۔ ننگے سر کھانا۔
۸۔ کھانے کے برتن کو صاف نہ کرنا۔
۹۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔
۱۰۔ نماز قضاء کرنا۔
۱۱۔ بزرگوں کے آگے چلنا۔
۱۲۔ دروازے پر بیٹھنے کی عادت۔
۱۳۔ نامحرم عورتوں کو دیکھنا۔
۱۴۔ اولاد کو گالی دینا۔
۱۵۔ جھوٹ بولنا۔
۱۶۔ صبح کے وقت سونا۔
۱۷۔ مغرب کی بعد سونا۔
۱۸۔ شکستہ کنگھا استعمال کرنا۔
۱۹۔ ننگے سر بیت الخلاء میں جانا۔
۲۰۔ بیت الخلاء میں باتیں کرنا۔
۲۱۔ بیت الخلاء میں تھوکنا۔
۲۲۔ اہل وعیال سے لڑتے رہنا۔
۲۳۔ نہانے کی جگہ پیشاب کرنا۔
۲۴۔ کھڑے ہو کر نہانا۔
۵۲۔ فقیر کو جھڑکنا۔
۲۶۔ حوض یا غسل والی جگہ پیشاب کرنا۔
۲۷۔ گانے بجانے میں دل لگانا۔

تسخیر دنیا کا نسخہ

ایک شخص نے آکر حضور اکرم ﷺ سے فقر و فاقہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ طلوع فجر کے بعد اور صبح کی نماز سے پہلے سو مرتبہ پڑھ لے تو دنیا ذلیل ہو کر تمہارے سامنے آئے گی۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم استغفر اللہ۔

تسبیح فاطمہ:

ایک موقع پر فقرائے مہاجرین نے مال داروں کا گلہ کیا اور عرض کیا حضور ﷺ یہ لوگ ثواب میں ہم سے بڑھ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر اور ایک بار چوتھا کلمہ پڑھ لیا کرو تو تم بھی ثواب میں کم نہ ہو گے اور تمہارے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے اگرچہ کتنے ہی ہوں۔ اسی کو تسبیح فاطمہ بھی کہتے ہیں۔

جو شخص یہ کلمات رات کو سوتے وقت پڑھ لے اور ہمیشہ پڑھتا رہے تو اس کا بدن چست و چالاک رہے گا۔ سارے دن کی تھکان دور ہو جائے گی۔ دشوار کام اس پر آسان ہو جائے گا سستی اور تھکنے کی تکلیف سے محفوظ رہے گا۔

وصیت رسول اللہ ﷺ:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے معاذ! اللہ کی قسم مجھے تم سے محبت ہے۔ اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کا پڑھنا ترک نہ کرنا۔

اللھم اعنی علی ذکر ک وشکر ک وحسن عبادتک۔

"اے اللہ اپنے ذکر اور اپنے شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرمایا۔"

فرمایا..... ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خواص رکھے ہیں۔ ندامت کی خاصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت کو جذب کرتی ہے۔ دل سے استغفار تمام زندگی کے نشیب و فراز کو ہموار کر دیتا ہے۔ ظاہر و باطن میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ ذوق بدل جاتے ہیں اور انسانیت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

رات کی آہ وزاری:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات میں ہے کہ راتوں کو تنہائی میں ایسے بے قرار ہو کر روتے تھے جیسے کیسی چھوٹے بچہ کو زہریلے سانپ اور بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ان کی آہیں ایسی تھیں کہ جس حجرہ میں آپ سوتے اس کی چھت سیاہ ہو گئی تھی اور آپ کے اندرونی سوزش کا یہ عالم تھا کہ آپ کے اطراف میں بھنے ہوئے گوشت کی بو آتی تھی جس کی وجہ سے بعض مرتبہ بلی بھی آپ کے اردگرد

چکر لگاتی تھی۔ بتایئے کیا کیفیت ہوگی؟ عشق نبوی ﷺ کی ایک آگ لگی ہوئی تھی مگر فرماتے کاش! میں کوئی تنکا ہوتا۔ کاش! میں مومن کے بدن کا بال ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کاش! میں بکرا ہوتا کہ کسی مسلمان کے گھر پر بندھا ہوا ہوتا اور کوئی مہمان آتا تو مجھے ذبح کر دیا جاتا ان حضرات کو دراصل آخرت کی فکر تھی۔

دیکھو! جن لوگوں کو جنت کی بشارت دی گئی تھی وہ تو راتوں کو بے قرار ہو کر روتے تھے اللہ تعالیٰ ہمیں راتوں کو رونا نصیب فرمائیں۔ بعض بزرگوں نے کہا کہ یہ امت راتوں کو جب روتی تھی تو اللہ تعالیٰ ان کو دن میں ہنستے ہوئے رکھتے تھے اور جب سے امت نے راتوں کو رونا چھوڑ دیا تو دنوں میں رونا پڑتا ہے۔ آج حالات ایسے ہیں کہ سب طرف رونا ہی رونا ہے ہندوستان ہے جایئے پاکستان جایئے عربستان جایئے ہر طرف ایک آگ لگی ہوئی ہے۔ کہیں آپس کے کہیں غیروں کے کہیں اقتصادی جھگڑے لگے ہوئے ہیں۔ سارے عالم میں ایک شور مچا ہوا ہے۔ امن وامان رخصت ہے اور خاص طور سے حبیب پاک ﷺ کی امت پر ایسے حالات کی بارش ہے۔

خدائی انصاف

فرعون کو بھی ڈوبتے وقت یقین آ گیا تھا اس میں بھی ایک پتہ کی بات سنئے خدائی انصاف دیکھئے کہ اس نے عذاب کے دیکھنے کے بعد ایمان کے کلمے کہے۔ ''امنت برب ھارون وموسٰی امنت برب العلمین'' مگر ایمان بالغیب کی روح باقی نہیں تھی۔ اس لئے مشاہدہ ہو رہا تھا۔ عذاب کا وہی بات کہ کافر دیکھ کر مانتا ہے وہ تو کافروں کا بھی باپ تھا۔ بہر حال فرعون عذاب دیکھ کر ایمان لایا تھا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے الفاظ تھے اس کی صرف صورت تھی اس کی روح اور حقیقت نہیں تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی صورت اور بدن کو تو پانی سے نجات دے دی مگر روح گرفتار عذاب ہوگئی۔ قربان جایئے اس کے انصاف پر کہ روح ایمان نہیں ہے تو روح فرعون کو نجات نہیں اور بدن کو نجات بھی تنبیہ کے لئے ہے کہ ساری دنیا دیکھ لے کہ متکبرین کا یہ حشر ہوتا ہے۔

خدا ایسوں کی بھی سنتا ہے:

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ فرعون کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہا کہ بارش نہیں ہو رہی ہے اور دریائے نیل بند ہے آپ جاری کرا دیجئے۔ اس لئے کہ آپ کو ہم نے معبود بنایا

قرآنی نسخہ:

یہ نفس بہت مکار و چالاک ہے اس کو بھی مکمل طریقہ سے قابو میں رکھنے کی کوشش کیجئے مثلاً سڑک پر نکلے بد نگاہی ہوگئی اس کی سزا دو بیس رکعت نفل پڑھو یا کہو کہ ہم چائے نہیں دیں گے۔ دیکھو نفس قابو میں آتا ہے یا نہیں؟ تو ہمیں آج یہ طے کرنا ہے کہ ہم توبہ و استغفار کو لازم پکڑیں گے، خدا کی قسم اگر توبہ واستغفار سے ساری زندگی کی مشکلات حل ہوتے ہوئے نظر نہ آئیں تو پھر کہنا یہ قرآنی نسخہ ہے۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور سارے انبیاء کرام کا اعلان ہے کہ استغفار سے مشکلات دور ہو جاتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے تو الفاظ قرآن کریم میں ہیں۔

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

''اگر تم استغفار کرتے رہی اپنے پروردگار سے تو وہ غفور و رحیم ہے تم پر کثرت سے بارش برسائے گا۔'' (نوح۔۱۰،۱۱)

قلب پر سکون کی بارش:

اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ استغفار سے جہاں باہر بارش ہوگی وہیں قلب پر سکون کی بارش ہوگی۔ آپ تجربہ کر لیجئے! کہ خدا کی آگے گڑگڑانے اور استغفار کرنے کا سب سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ دل کو سکون ملتا ہے۔

خدا سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا:

کاش کہ ہم لوگ خدا کے آگے ہاتھ پھیلانے کے عادی بن جائیں امت نے مانگنا چھوڑ دیا ہے۔ ایک بچہ کو جب یہ اعتماد ہے کہ ہمارے سر پر اور ماں باپ ہیں کچھ ہو تو ماں باپ ہمارا بھی بس یہی اعتماد ہو کہ ہمارے اللہ تعالیٰ ہیں۔ جب کچھ ہوگا خدا سے کہہ کر منوا لیں گے۔ (فیض ابرار)

انسان اور آزمائش:

اگر انسانیت کی تاریخ پر غور کیا جائے تو یہ بات ''اظہر من الشمس'' ہوتی ہے کہ انسانیت کو کئی فتنوں اور آزمائشوں میں سے گزرنا پڑا مختلف اوقات میں انسان کو مختلف فتنوں م کا سامنا کرنا پڑا آج جس دور میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس وقت انسان عام طور پر چار بڑی غلطیاں کر رہا ہے

قرآنی نسخہ:

یہ نفس بہت مکار و چالاک ہے اس کو بھی مکمل طریقہ سے قابو میں رکھنے کی کوشش کیجئے مثلاً سڑک پر نکلے بدنگاہی ہوگئی اس کی سزا دو بیس رکعت نفل پڑھو یا کہو کہ ہم چائے نہیں دیں گے۔ دیکھو نفس قابو میں آتا ہے یا نہیں؟ تو ہمیں آج یہ طے کرنا ہے کہ ہم توبہ واستغفار کو لازم پکڑیں گے، خدا کی قسم اگر توبہ واستغفار سے ساری زندگی کی مشکلات حل ہوتے ہوئے نظر نہ آئیں تو پھر کہنا یہ قرآنی نسخہ ہے۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور سارے انبیاء کرام کا اعلان ہے کہ استغفار سے مشکلات دور ہوجاتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے تو الفاظ قرآن کریم میں ہیں۔

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

”اگر تم استغفار کرتے رہی اپنے پروردگار سے تو وہ غفور ورحیم ہے تم پر کثرت سے بارش برسائے گا۔“ (نوح۔۱۰،۱۱)

قلب پر سکون کی بارش:

اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ استغفار سے جہاں باہر بارش ہوگی وہیں قلب پر سکون کی بارش ہوگی۔ آپ تجربہ کر لیجئے! کہ خدا کی آگے گڑ گڑانے اور استغفار کرنے کا سب سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ دل کو سکون ملتا ہے۔

خدا سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا:

کاش کہ ہم لوگ خدا کے آگے ہاتھ پھیلانے کے عادی بن جائیں امت نے مانگنا چھوڑ دیا ہے۔ ایک بچہ کو جب یہ اعتماد ہے کہ ہمارے سرپر اور ماں باپ ہیں کچھ ہو تو ماں باپ ہمارا بھی بس یہی اعتماد ہو کہ ہمارے اللہ تعالیٰ ہیں۔ جب کچھ ہوگا خدا سے کہہ کر منوالیں گے۔ (فیض ابرار)

انسان اور آزمائش:

اگر انسانیت کی تاریخ پر غور کیا جائے تو یہ بات ”اظہر من الشمس“ ہوتی ہے کہ انسانیت کو کئی فتنوں اور آزمائشوں میں سے گزرنا پڑا مختلف اوقات میں انسان کو مختلف فتنوں م کا سامنا کرنا پڑا آج جس دور میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس وقت انسان عام طور پر چار بڑی غلطیاں کر رہا ہے

جن کی وجہ سے آج انسانیت پریشان نظر آرہی ہے۔

پہلی غلطی:

پہلی غلطی یہ ہے کہ انسان نے آخرت کو چھوڑ کر اس دنیا کو اپنی محنت کا میدان بنالیا ہے اس کی توجہ آخرت سے ہٹ کر دنیا کی طرف زیادہ ہو رہی ہے جب کہ دنیا ایک عارضی جگہ ہے۔ جہاں کی خوشی اور غم دونوں عارضی ہیں۔ ہم دنیا میں آخرت کی تیاری کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم آخرت کی تیار کرتے رہیں۔ دنیا کی زندگی تو جیسے کیسے ہے گزر جائے گی۔

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار دے یا کہ رو کر گزار دے

خوشی میں گزری تو بھی گزر گئی غمی، میں گزری تو بھی گزر گئی، چکنی چپڑی کھا کر گزری تو بھی گزر گئی روکھی سوکھی کھا کر گزری تو بھی گزر گئی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخرت بھی بنی ہے کہ نہیں بنی۔ کسی نے خوب کہا۔

یہاں ایسے رہے کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ جو انسان غریب ہے، جس کے گھر میں کھانے کو روٹی نہیں اور فاقہ کی حالت میں ہے وہ اضطراب کے عالم میں ہے وہ تو دن رات کی فکر میں لگا ہوا ہے مگر ایک امیر آدمی کیوں اس کی پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ بھی چوبیس گھنٹے دنیا کی سوچ میں لگا رہتا ہے حالانکہ وہ کروڑوں اور اربوں روپوں میں کھیلنے والا ہوتا ہے۔

انسان کی لالچ کی انتہاء:

ہم جتنی بھی دنیا حاصل کرتے جائیں ہمارے دلوں کو کبھی اطمینان نہیں ملے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے ”کسی کو ایک وادی سونے کی بنی ہوئی دے دی جائے تو وہ تمنا کرے گا کہ ایک اور وادی مل جائے۔ اس کے بعد اور تمنا کرے گا۔ حتیٰ کہ پوری دنیا سونے کی بنی ہوئی دی دیں تو تمنا کرے گا کہ اس کا بنانے والا بھی میں ہوتا۔“ حالانکہ سونے اور چاندی میں یہ کیفیت نہیں ہے کہ یہ انسان کے پیٹ کو بھر سکیں یاد رکھیں کہ انسان کا پیٹ دنیا میں کبھی نہیں بھر سکتا۔ اسے تو فقط قبر کی مٹی بھرے گی۔

دوسری غلطی:

دوسری غلطی یہ ہے کہ انسان نے روحانیت کی بجائے مادے کو اپنی محنت کا میدان بنا لیا ہے۔ مغرب کی دنیا میں آج مادے پر اتنی محنت ہو رہی ہے کہ انسان سن کر حیران رہ جاتا ہے۔

گملے میں بڑ کا درخت:

جاپان میں ایک گملے میں بڑ کا درخت اگایا گیا۔ جس کی عمر اب ایک سو سال سے زیادہ ہو چکی ہے اب اس کو دیکھیں تو ظاہراً اس کی حالت ایسی ہی ہے جیسے ایک سو سال پرانے درخت کی ہوتی ہے مگر اس کا سائز دواڑھائی فٹ کی قریب ہے۔ ایک سو سال تک بڑ کے درخت کو گملے میں اگائے رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ مادے پر محنت کرنا کا نتیجہ ہے۔

تسخیر کائنات:

انسان تو خلا میں Black Holes (بلیک ہولز) بھی دریافت کر چکا ہے جو شہاب ثاقب کو اپنا ایک ہی لقمہ بنا لیتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اب تو ہم مریخ پر جا رہے ہیں اور واقعی آپ آئندہ چند سالوں میں سنیں گے کہ انسان نے مریخ پر قدم نکالیا ہے۔ اس کے بعد وہ نئی سے نئی دنیائیں دریافت کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود تسخیر کائنات کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ ”سخر لکم“ تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ ”مافی السموٰت ومافی الارض“ (الجاثیہ۔۱۳) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے یہ سورج چاند ستارے ثریا اور کہکشائیں آسمان اور زمین کے درمیان ہی تو ہیں جن کی طرف انسان پیش قدمی کر چکا ہے لیکن افسوس کہ انسان نے فقط انہی مادی چیزوں کو اپنی محنت کا میدان بنا لیا ہے اور روحانیت کے درس کو بھول گیا ہے۔

تیسری غلطی:

تیسری غلطی یہ ہے کہ انسان نے اپنے من کو چھوڑ کر اپنی تن کو محنت کا میدان بنا لیا ہے آج ہمیں جتنی فکر اپنے ظاہر کی ہے اس سے زیادہ اپنے باطن کو سنوارنے کی فکر ہونی چاہئے ہمارے چہرے پر ذرا سی کوئی چیز لگی ہوئی ہو تو ہم لوگوں میں جانا پسند نہیں کرتے لیکن دل پر میل چڑھی ہوئی ہوتی ہے اور ہم

اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاتے ہیں۔ ہمیں پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ وہ مالک الملک ہمیں کیا کہے گا۔ جس چہرے کو دنیا دیکھتی ہے اس چہرے کو سنوارنے کے لئے ہم دن میں کئی مرتبہ آئینہ دیکھتے ہیں اور جس چہرے کو اس مالک الملک نے دیکھنا ہوتا ہے اس کو آئینے میں ایک دفعہ بھی نہیں دیکھتے۔

منہ دیکھ لیا آئینے میں پر داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلمان بھول گئے

ہمیں دل کے آئینے کو چمکانے کی ضرورت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ ”بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو اور شکل وصورت کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔“ اس لئے وہ چہرہ جو دنیا دیکھتی ہے اس کو دن میں اگر کئی مرتبہ دیکھتے ہیں تو جس چہرے کو ہمارا پروردگار دیکھتا ہے ہم اس چہرے کو بھی اپنے ضمیر کے آئینے میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ کر دیکھا کریں کہ یہ انسانوں والا چہرہ ہے یا حیوانوں والا۔

بھرے بازار میں کتے، بلے اور خنزیر:

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ایک صاحب نظر بزرگ بازار سے گزر رہے تھے۔ ان کے چہرے کی نورانیت بتاتی تھی کہ وہ صاحب نظر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے قریب ہو کر سلام کیا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اور فرمایا کہ ”احمد علی! انسان کہاں بستے ہیں؟“ کہنے لگے کہ میں گھبرا گیا کہ حضرت نے کیسا سوال پوچھا ہے۔ میں نے کہا حضرت! یہ سب انسان ہی تو ہیں۔ انہوں نے بڑے اجنبیت کی سی نظر لوگوں پر ڈالی اور حسرت بھرے لہجے میں فرمایا یہ سب انسان ہیں؟ ان کی بات میں ایسی تاثیر تھی کہ یہ سن کر میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں نے تھوڑی دیر کے لئے بازار پر نظر ڈالی تو مجھے پورا بازار کتے، بلے اور خنزیروں سے بھرا ہوا نظر آیا جب میری وہ کیفیت ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ بزرگ غائب ہو چکے تھے۔

حضرت یہ واقعہ درس قرآن میں خود سنایا کرتے تھے۔

دنیا آج تحقیقات میں پڑی ہوئی ہے لیکن اسے اپنے اندر کی تحقیق کا پتہ نہیں۔ اس لئے صبح اٹھتے ہیں تو جتنی فکر اخبار پڑھنے کی ہوتی ہے اتنی مراقبہ کرنے کی فکر نہیں ہوتی۔ دنیا جہاں کی خبریں معلوم کرنے کا شوق تو ہوتا ہے مگر اپنے اندر کی دنیا کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کو قمقموں سے روشن کرنے والا انسان آج اپنے من میں اندھیرا لئے پھرتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا ہی اچھی بات کہی۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ایک اور شاعر نے کہا:

جس قدر تسخیر خورشید و قمر ہوتی گئی
زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی
کائنات ماہ و انجم دیکھنے کے شوق میں
اپنی دنیا ہے یہ دنیا بے خبر ہوتی گئی

چوتھی غلطی:

چوتھی غلطی یہ ہے کہ انسان نے اپنے دل کو چھوڑ کر اپنی عقل کو محنت کا میدان بنا لیا ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی، کمپیوٹر اور باقی تمام علوم جن کا تعلق انسان کے دماغ کے ساتھ ہے ان تمام علوم کا مرکز ومحور عقل ہے۔ آج دنیا میں ان علوم کا طوطی بول رہا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ عقل پر محنت ہو رہی ہے۔ لیکن عقل ایک کمزور بنیاد ہے۔ علامہ نے کہا۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ واعظ ہے نہ زاہد نہ خطیب

دل پر محنت کرنے کی وجہ:

انسان کو عقل کی بجائے دل پر محنت کرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ عقل دل کے تابع ہے ارادے بھی دل میں اٹھتے ہیں خواہشات بھی دل میں پیدا ہوتی ہیں اور عقل ان خواہشات کو پورا کرنے کی ترکیب بتاتی ہے۔ انبیائے کرام علیہ السلام نے انسان کے دل کو محنت کا میدان بنا لیا۔

دیکھیں محبت کا جذبہ کہاں پیدا ہوتا ہے؟ دل میں، نفرت کہاں ہوتی ہے؟ دل میں، انتقام کی آگ کہاں بھڑکتی ہے؟ دل میں۔ گویا تمناؤں کا مرکز ومحور انسان کا دل ہوتا ہے دل میں جس طرح کے جذبات ہوں گے ویسی ہی انسان کے دماغ کی کیفیت ہوگی۔ دل میں نفرت ہو تو انسان کا دماغ اس کے بارے میں غلط سوچنا شروع کر دیتا ہے اور جب دل میں محبت ہوتی ہے تو آنکھوں پر ایسی پٹی

بندھ جاتی ہے کہ انسان کو اپنے محبوب میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ لہٰذا انسان کے دل پر محنت کرنا نہایت ضروری ہے۔ قرآن پاک اس پر گواہی دیتا ہے فرمایا: ''لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا'' اے کاش! ان کے دل ہوتے جو انہیں عقل سکھاتے۔ ''اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا'' ان کے کان ہوتے جن سے وہ ہدایت کی بات سنتے۔ ''فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ'' بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ ''وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ'' (الحج۔۴۶) بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہوتے ہیں۔

کیلیفورنیا میں چوری:

امریکہ کی ایک ریاست کیلیفورنیا ہے اس کا رقبہ، آبادی سعودی عرب کے رقبے اور آبادی کے برابر ہے۔ اس ریاست کے باشندے کا جو معیار زندگی ہے وہ بھی تقریباً سعودی عرب کے آدمی کی معیار کے برابر ہوگا لیکن عجب بات یہ ہے کہ کیلیفورنیا میں صرف چوری روکنے کے لئے اتنا بڑا بجٹ خرچ کیا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کے بجٹ سے دس گنا زیادہ ہوتا ہے۔ کیا ایسی قوم کو تعلیم یافتہ اور مہذب قوم کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ان کو خشیت الٰہی نے نہیں بلکہ ان کو ویڈیو کیمروں نے روکا ہوا ہے۔ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ پولیس والے کیمرے سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ چند منٹ کے لئے وہاں بجلی بند ہوئی تو کئی ارب ڈالر کا مال ان تعلیم یافتہ لوگوں نے چوری کر لیا معلوم ہوا کہ دل نہیں بدلے فقط ڈنڈے کے زور پر ان کو قابو کیا ہوا ہے۔

اسلامی تعلیمات کا حسن:

نبی اکرم ﷺ نے ہمیں جو نظام زندگی دیا وہ نظام تو انسان کے دل کو ایسا بدل دیتا ہے کہ محفل ہو یا تنہائی کسی کی پڑی ہوئی چیز کو آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہی نہیں۔ حتیٰ کہ اگر راستوں میں کمبل گرتے وہ پڑے پڑے مٹی بن جاتے تھے لیکن مسلمان کی نظر اس پر نہیں پڑتی تھی۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس وقت اگرچہ دنیا کا کوئی آدمی نہیں دیکھ رہا مگر پروردگار تو دیکھ رہا ہے اسلامی تعلیمات کا یہی تو حسن ہے۔

لمحہ فکریہ:

میرے دوستو! آپ ایسے بہت تھوڑے دیکھیں گے جو اس لئے حیران و پریشان ہوں گے کہ آج ہمارے دل کی حالت اچھی نہیں ہے۔ ہمارے دل میں غلط خیالات کیوں آتے ہیں ہمارے دل میں گناہوں کے جذبے کیوں پیدا ہوتے ہیں ہمارے دلوں میں ایمان حقیقی کا جو لطف آنا چاہئے تھا وہ کیوں

نہیں آ رہا لہٰذا اپنی توجہ کا قبلہ ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔ جب وہ دن آ گیا کہ جب ہم نے دنیا کی بجائے آخرت پر محنت کرنا شروع کر دی۔ مادے کی بجائے روحانیت پر محنت کرنا شروع کر دی۔ تن کی بجائے اپنے من پر محنت کرنا شروع کر دی اور عقل کی بجائے دل پر محنت کرنا شروع کر دی تو پھر ہماری توجہ کا قبلہ ٹھیک ہو جائے گا اور جو قدم بھی اٹھے گا وہ ہمیں منزل کے قریب سے قریب تر کر دے گا۔

پریشانی کے ازالے کا نسخہ اکسیر:

بعض حکماء کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں انسان کی پریشانی کو دور کرتی ہیں۔

(۱)......اللہ والوں کی زیارت۔

(۲)......اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

(۳)......عقل مندوں کی باتیں سننا۔

یہ عذاب یہ مصائب:

آج کا مسلمان بڑا دکھی ہے بڑا پریشان ہے، ہر طرف مصیبتیں ہیں ہر جانب عذاب ہے۔ فرقہ واریت کا عذاب ہے، قتل وغارت گری کا عذاب، مہنگائی کا عذاب ہے، بیماریوں کا عذاب ہے، غیر ملکی تسلط کا عذاب ہے، آئی ایم ایف کے قرضوں کا عذاب ہے، ورلڈ بنک کے ادھار کا عذاب ہے، امریکہ کا عذاب ہے، روس کا عذاب ہے...... میں کس کس عذاب اور کس کس مصیبت کا ذکر کروں عذاب ہی عذاب ہیں مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں۔

آخر یہ عذاب اور مصیبتیں کیوں ہیں؟ ان کے نزول کی وجہ کیا ہے؟ ہو سکتا ہے میری اور آپ کی عقل اس وجہ کی تلاش میں غلطی کر جائے۔ آئیے ہم دنیا کے سب سے بڑے حکیم اور سب سے بڑے انسان کے دربار میں چلتے ہیں۔

آئیے ہم سرکار مدینہ ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مسلمان جو جسد واحد کی طرح تھا آج منتشر کیوں ہو گیا؟

وہ مسلمان جس کا سارے عالم پر غلبہ تھا آج سارا عالم اس پر غالب کیسے آ گیا؟

وہ مسلمان جو ان عذابوں سے مامون اور محفوظ تھا آج ان عذابوں سے کیسے دوچار ہو گیا۔''

میں جب کائنات کے آقا ﷺ سے سوال کرتا ہوں تو آقا ﷺ کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے یہ مبارک کلمات میرے پردہ سماعت سے ٹکرانے لگتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

''جب بیت المال کا مال ذاتی بن جائے امانت کو مال غنیمت سمجھا جانے لگے گا، زکوٰۃ تاوان ہو کر رہ جائے گی، علم کو دین کی بجائے دنیاوی اغراض کے لئے سیکھا جائے گا، بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کی جائے گی، یاروں سے قرب اور باپ سے دوری ہو گی، فاسق لوگ سردار بن جائیں گے۔ برائی کے ڈر سے آدمی کی عزت کی جائے گی۔ گانے اور باجے کا استعمال کھلم کھلا ہو جائے گا۔ شراب پی جائے گی۔ ریشمی لباس کا استعمال ہونے لگے گا۔ امت کے پہلے لوگوں کو برا بھلا کہا جائے گا تو لوگ اس وقت سرخ آندھی اور زلزلہ میں دھنس جانے صورت مسخ ہونے اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کریں۔

آقائے کائنات نے عذابوں اور پریشانیوں کی جو وجوہات بیان فرمائی تھیں آپ سچ بتایئے کہ ان میں سے کون سی وجہ ہے جو ہماری سوسائٹی میں نہیں پائی جاتی۔ حکمرانوں کو دیکھیں تو انہوں نے قومی خزانے کو ذاتی جاگیر بنا رکھا ہے وہ جیسے چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں نواز دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں محروم کر دیتے ہیں۔ اپنے چمچوں کڑچھوں کو لاکھوں کا پلاٹ کوڑیوں کے بھاؤ دے دیتے ہیں۔ گویوں اور فنکاروں کو لاکھوں روپے بطور انعام کے دے دیتے ہیں۔

سرمایہ داروں کو دیکھیں تو وہ زکوٰۃ دینے کے لئے آمادہ نہیں۔

علماء سو کو دیکھیں تو انہوں نے علم دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

اولاد کو دیکھیں تو وہ والدین کے لئے دردسری ہوئی ہے۔ کتنے ہی والدین ہیں جو اپنی اولاد کی کرتوتوں کی وجہ سے بڑے دکھ سے کہہ دیتے ہیں اسے کاش بیٹا تو پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ لیڈروں کو دیکھیں تو انتہائی کرپٹ رشوت خور ظالم خود غرض لٹیرے اور ڈاکو لیڈر بنے ہوئے ہیں۔

بدمعاشوں اور غنڈوں کی عزت ان کی شر سے بچنے کے لئے کی جاتی ہے

ہر گھر سے گانے بجانے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ فحش فلمیں ہر جگہ چل رہی ہیں۔ فحاشی عام ہے۔ حیا کا جنازہ اٹھ گیا ہے۔ شراب نوشی اور ہر قسم کا نشہ عام ہے۔ کئی آوارہ مزاج فنکار اور بدزبان خطیب صحابہ اور دیگر صلحاء پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

جب یہ ساری وجوہات پائی جا چکی ہیں تو اب عذاب بھی نازل ہو گا۔ مصیبتیں بھی آئیں گی۔ پریشانیوں کا بھی سامان کرنا پڑے گا۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ان عذابوں سے نجات ملے تو ہمیں ان وجوہات کو ختم کرنا ہو گا جو ان عذابوں کی آمد کا سبب بن رہی ہیں۔

(از پچاس تقریریں)

باب نہم

پرسکون زندگی کا لائحہ عمل یا اللہ! ہمیں پاک فرما

یا اللہ! ہمارے ماحول نے ہمیں بالکل بے خبر اور بے حس کر رکھا ہے۔ مگر ہماری بے حسی ہمیں ان گناہوں کے خمیازہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتی جو ہم سے ہوتے رہے ہیں۔ یا اللہ! آپ علیم و خبیر ہیں۔ ہماری آنکھوں کے جتنے گناہ ہیں اپنی رحمت کاملہ سے سب معاف فرما دیجئے۔ یا اللہ ہماری زبان کے جتنے گناہ کبیرہ ہیں اپنی رحمت کاملہ سے یا اللہ! سب معاف فرما دیجئے۔ ہمارے کانوں کے گناہ، ہماری زبان کے گناہ، ہمارے آنکھوں کے گناہ کبیرہ، گناہ سمیت والے ناپاک گناہ۔ یا اللہ! ہم سب سے توبہ کرتے ہیں، استغفار کرتے ہیں۔ یا اللہ! اپنی رحمت کاملہ اور اپنی رحمانیت کے صدقہ میں سب معاف فرما دیجئے۔ یا اللہ! گناہوں کی جتنی سمیت ہمارے اندر ہے اپنے کرم سے سب پاک فرما دیجئے یا اللہ! ہمیں صبر و استقلال کی توفیق عطا فرمائیے۔ یا اللہ! ہم کو اس کا بھی تحمل نہ ہو سکے گا۔ اپنی رحمت سے تحمل عطا فرما دیجئے گا۔ ہمارے لئے جو بہتر صورت ہے وہ پیدا فرما دیجئے۔ ہم کو اپنی رحمتوں سے محروم نہ فرمائیے۔

پرسکون زندگی کا لائحہ عمل:

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب عارفی قدس سرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے اور آپ کی زبان وقلم نے دین کی عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ آپ نے اپنے ایک متوسل کے خط کے جواب میں ان کی حالت پر مکتوب تحریر فرمایا تھا کہ جو گوناگوں پریشانیوں کے سبب زندگی سے بیزار رہتے تھے۔ یہ مکتوب چونکہ ہر مسلمان کے لئے انتہائی مفید ہے اس لئے ذیل میں اس مکتوب کے اقتباس دیئے جاتے ہیں۔

زندگی سے آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں آپ زندگی سے ہزار بیزار ہیں۔ مگر یہ زندگی مستعار اسی وقت ختم ہوگی جو وقت اس کے لئے مقرر ہے۔ لیکن اب سوچنا یہ ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

آخرت میں مرنے کے بعد چین ملنے کا کیا یقین ہے۔ اگر یقین ہے تو اس یقین کی بنیاد یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ "غفور رحیم" ہے مگر انہوں نے اپنی مغفرت و رحمت کے لئے کچھ شرائط بھی تو مقرر

کئے ہیں۔ کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ وہ شرائط آپ نے کما حقہ پورے کر لئے ہیں یا محض گمان ہی گمان ہے؟ اس لئے ان شرائط کو پورا کرنے کے لئے اہتمام بلیغ کی ضرورت ہے اور وہ اہتمام اسی طرح ممکن ہے جیسا کہ ذیل میں مذکور ہے۔ اسی لئے اپنی اس ذہنی حالت کو بدل لئے اور مہلت یافتہ وقت کو غنیمت سمجھئے۔

میں جو محسوس کرتا ہوں وہی بات عرض کروں گا۔ آپ خواہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ میرا وجود میرے خالق حقیقی کی عطا ہے۔ نابالغی کے زمانے تک اس نے اپنی شان پرورش کو ماں باپ کے ذریعے سے پورا فرمایا۔ پھر بالغ ہونے سے تادم آخر براہ راست اپنی پرورش میں لے لیا۔ کیونکہ اب اپنے حقیقی پرورش کرنے والے کا علم اور معرفت کے لئے فہم اور قابلیت بالغ ہونے لگتی ہے اور ایسا علم و معرفت حاصل کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے۔ الحمدللہ کھلی آنکھوں نظر آتا ہے کہ جسمانی پرورش کے لئے طرح طرح کے سامان مہیا فرما دیئے ہیں۔ راحت عزت اور عافیت سب کا پورا پورا سرمایہ ہر وقت موجود ہے۔ اسی طرح میری پرورش روحانی برابر ہو رہی ہے۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے اور فطری و بشری ضعف و نقاہت معذورات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے اسی طرح ان کے اندر پرورش میں حسب ضرورت تغیر و تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ جسمانی انحطاط ایک فطری امر ہے اور بشریت کے لوازمات میں ہے اور جو آخر عمر تک اضافہ پذیر ہوتا رہتا ہے لیکن بقائے قوت روحانی اور ایمانی جو حیات دنیوی کے لئے ضروری ہے اور حقیقتاً سرمایہ آخرت ہے۔ اس کے قائم رکھنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت سے ہر حال میں ہمارے لئے ہر ضروری چیز مہیا فرما دیتے ہیں۔ اس لئے حیات دنیوی میں خواہ کتنا ہی انحطاط اور ضعف جسم میں ہو جاتا ہے اعمال باطنی میں قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اعمال باطنی کیا ہیں؟

اعمال باطنی

یہ وہ اعمال ہیں جن سے روح کو اور ایمان کو قوت پہنچتی ہے اور اپنے رب حقیقی کی شان ربوبیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اعظم الغایات جنت میں لے جانے کی صلاحیت اور قابلیت پیدا ہوتی ہے اور اس کا حاصل کرنا ہر مومن پر فرض ہے۔ اعمال باطنی یہی ہیں۔ صبر و شکر استغفار وغیرہ۔

شکر صبر اور استغفار:

اب یہی شکر ہے کہ ابتدا ہی سے جس کا ادا کرنا ہم پر واجب ہے اور اس کا ہم نے ایام شباب

میں اور آج تک حق ادا نہیں کیا اور ہماری روح اس غذائی خاص سے محروم ہی رہی۔ یہی صبر ہے جس کی اہمیت ہم نے کبھی نہ سمجھی اور ہمیشہ بے صبری اور حالات ابتلاء میں شکوہ شکایت کی عادت رہی۔ یہی استغفار ہے کہ جس کی اہمیت ہماری نظر میں کبھی نہیں ہوئی اور ہماری روح مختلف قسم کے معاصی سے مجروح اور مضمحل ہوتی رہی اور اب یہ وقت ہے ورنہ یقیناً انجام آخرت کے لحاظ سے خسران عظیم ہے۔ ان تمام امور کی اہمیت اور ضرورت روح کی پرورش کے لئے اس قدر راشد ہے کہ یہ تینوں امور ہم پر واجب کر دیئے گئے ہیں۔ مختصر بات یہ ہے کہ صبر وشکر اور استغفار کا مراقبہ کیا جائے تاکہ روح کی پرورش کی تکمیل ہو اور وہ اپنا مقام فطری حاصل کرے اور اگر یہ ہر وقت ممکن نہ ہو کچھ وقت مقرر کر کے ان امور کا تکرار کیا جائے۔ انشاء اللہ جس قدر بھی اہتمام کیا جائے گا قلب اور روح کی صلاحیتیں اور استعداد درست ہوں گی اور مقصود حیات حاصل ہوگا۔

مراقبہ شکر:

مثلاً شکر کے مراقبے کے لئے یہ چند امور پیش نظر رکھیں۔ مثلاً بغیر کسی استحقاق کے دولت اسلام وایمان کا حاصل ہونا۔ ماں باپ کی آغوش شفقت میں پرورش پانا علوم ظاہری کی تعلیم و تربیت ہونا ذریعہ معاش کا بقدر معاش آسانی سے میسر ہونا پھر اپنے اعضائے جسمانی کا صحیح اور درست ہونا اور اسی طرح ہزاروں نعمتیں جو ہمارے گرد وپیش ہمہ وقت موجود رہتی ہیں ان کا استحضار کرنا اور اپنے ماحول زندگی کا اکثر وبیشتر حسب دلخواہ ہونا۔

مراقبہ صبر:

اسی طرح امور صبر پر غور کیا جائے مثلاً اپنے جسم کی غیر اختیاری مجبوریاں بیماریاں خاطر خواہ سامان راحت کا فقدان ماحول کے اثرات دوسروں کے معاملات میں ناگواریاں تلخیاں وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کو منجانب اللہ سمجھ کر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا اور صبر کرنے والوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے وعدے فرمائے ہیں اپنی معیت رحمتوں اور مغفرتوں کی بشارتیں ان کا طلبگار اور امیدوار رہنا اور ان امور کو کفارہ سیئات اور رفع درجات ہونے کا یقین رکھنا۔

مراقبہ استغفار:

اسی طرح استغفار کو اپنا شعار زندگی بنانا۔ اپنی پچھلی زندگی میں جن غفلتوں معصیتوں، کوتاہیوں اور

حق تلفیوں کا ارتکاب ہو چکا ہے ان کی تلافی مافات کا اہتمام کرنا اور جس کی تلافی ناممکن ہو اس کے لئے توبۃ النصوح اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت وپناہ مانگنا اللہ تعالیٰ سے دین ودنیا کے فتنوں سے انقلابات کے نقصانات سے ارضی وسماوی آفات وحادثات وسانحات سے اور آفات ناگہانی سے پناہ مانگنا بھی سب عبادت ہے اور یہی سب کچھ سرمایہ آخرت ہے۔ جس کے مہیا کرنے کے لئے ہم مکلف ہیں۔

نوافل وذکر

ان اعمال باطنی کے ساتھ ساتھ اس ضعیفی کی حالت میں جس قدر بھی توفیق ہو اور جس قدر بھی تحمل ہو تو کچھ نوافل اور کچھ ذکر لسانی کا اہتمام رکھنا بھی ضروری ہے۔ مسنونہ نمازیں، تہجد، اشراق چاشت اوابین اور صلوٰۃ التسبیح جس قدر آسانی سے تلاوت قرآن پاک ممکن ہو۔ ورنہ جس قدر آیات قرآنی زبانی یاد ہوں ان کا ورد رکھنا بڑی سعادت کی بات ہے۔ یہ لمحات بہت ہی مغتنم (غنیمت) ہیں اور ہر لمحہ افزائش (زیادتی) سرمایہ آخرت ہے۔ گو کما حقہ پورا نہ ہو مگر بھی قابل ہزار شکر ہے۔ اگر اس وقت کی ناقدری کی گئی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بطور مہلت ہم کو عطا فرمایا ہے۔ حقیقتاً یہ بڑا کفران نعمت ہے اور خسران عظیم ہے کیونکہ سمجھنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حکیم علی الاطلاق ہیں اور ہمارے رحیم وکریم مربی ہیں۔ پھر یہ ہماری حالت شکستہ اور تکالیف جسمانی اور دماغی افکار ور پریشانی جس میں ہم مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ مشیت الٰہیہ کا یہ فعل عبث تو نہیں ہے بلکہ یقیناً اور حقیقتاً یہ لمحات زندگی امور متذکرہ بالا ہی کے واسطے ہم کو عطا کئے گئے ہیں تاکہ ہمارا مقصود حیات اور روح کی صلاحیتوں تکمیل کی بدرجہ اتم ہو جائے تاکہ وہ حیات ابدی وسرمدی کے لئے سرمایہ خاص بن جائے۔ اس حقیقت کو جان لینے اور اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہر لمحہ حیات کو غنیمت اور اہم سمجھنا چاہئے اور صبر وشکر کے تقاضوں کو پورا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رحم وکرم سے اس عمر کی اہمیت کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ آخر وقت یعنی نزع کی حالت میں ہوش آنے کے بعد بندہ یوں کہتا ہے کہ ”رَبِّ لَوْلَا اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ“ (المنافقون۔١٠) لیکن اس وقت یہ تمنا بندے کے لئے لاحاصل ہے۔ مگر ہم کو یہ مہلت دی گئی جو قابل ہزار شکر ہے۔ اس کو انعام الٰہی سمجھیں اور اس کا شکر کثرت سے ادا کرتے رہیں۔

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآمد فلاں نماند

(از خطبات عارفی)

بے سکونی تشویش اور بیماریوں کا حل

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٰ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر..... جو کہ پریشان حال انسانیت کے لئے نسخہ شفاء ہے جس میں موجودہ معاشرہ و ماحول میں ایک مسلمان کو کس طرح زندگی گزارنی چاہئے اس کی منظر کشی کی گئی ہے۔

اللہ پاک کے عشق و محبت سے سرشار قلم سے ایک ولی اللہ کا مضمون جو مایوسی کی دلدل سے نکال کر خوشگوار زندگی کا داعی ہے۔ معاشرتی ظلمات میں پیغام نور ہے۔ فسق و فجور کے طوفان میں ہدایت و سلامتی نیک بختی و کامرانی کا پیغام ہے۔ جو مسلمان کو ہر دور کی ظلمات سے نجات دلا کر اسے سکون قلب اور مکمل خوشحالی و خوشگوار زندگی کی نوید سناتا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کل لوگ سب بدحواس ہو رہے ہیں ایسا ماحول ہو رہا ہے ایسے جکڑ دیئے گئے ہیں کہ کوئی مفر (بچنے) کی صورت بھی نظر نہیں آتی، مگر میں پھر بھی آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں بتاتا ہوں کہ اگر کہیں مفر ہے اور پناہ ہے تو صرف اللہ کے پاس ہے اس لئے اللہ ہی کی طرف رجوع کرو۔ یہ بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ سفلی عمل جادو، آسیب ٹونے ٹوٹکے سب میں تاثیر ہے۔ سنکھیا میں بھی زہر ہے اور سانپ کے اندر بھی زہر ہے اور بھی مختلف چیزوں میں زہر ہے۔ زہر تو بہت سے لیکن ہر زہر کا تریاق بھی ہے۔

کلام اللہ کے ساتھ گستاخی

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ صاحب،! ہم بہت پریشان ہیں ایک تعویذ دیجئے یا کوئی وظیفہ بتادیجئے۔ ہم نے کہا یہ سب چیزیں ہم نہیں جانتے یہ سب فضولیات ہیں لغویات ہیں لوگ خواہ مخواہ وقت ضائع کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو حدیث میں بھی آیا ہے۔ اعمال قرآنی میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعمال لکھے ہیں۔ کیا یہ سب ہی بیکار ہیں؟ میں نے ان سے کہا کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے جہاں جہاں وظیفے بتائے ہیں اوراد بتائے ہیں اور اسمائے الٰہیہ بتائے ہیں وہاں وہ سب دفع مضرت کے لئے ہیں۔ کہیں سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔ کہیں اپنی جان و مال کا اندیشہ ہو تو اللہ کی کلام میں ان سے حفاظت ہے۔ اس طرح نہیں کہ اللہ کے کلام اور اللہ کے رسول کے کلام یا بزرگوں کے بتائے ہوئے وظیفوں کو جہاں چاہا ہو استعمال کرلو۔ خواہ وہ مقصد

جائز ہو یا ناجائز۔ یاد رکھو! یہ اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے وظائف و اوراد ہیں ان کو اگر تم نے غلط استعمال کیا تو اس کا وبال تم پر پڑے گا۔ اس لئے کہ تم اسمائے الٰہی اور وظائف کی بے حرمتی کر رہے ہو۔ اس کا وبال کسی دوسرے پر تو کیا ہوتا تم خود اس میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ ان کو مشغلہ نہیں بنانا چاہئے۔ کیا یہ گستاخی نہیں کہ نہ فسق و فجور کی باتیں چھوڑ اور نہ گناہوں کی باتیں چھوڑو اور ناپاکیوں میں آلودہ رہو۔ پھر جب کوئی بیماری ہو جائے یا مصیبت پڑ جائے تو اللہ کا کلام پیش کرو۔ کتنی بڑی گستاخی کی بات ہے کتنی بڑی بے ادبی ہے خبردار! بھی ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے۔

وظائف سے نفع اور ان کی تاثیر

یہ نہ سمجھئے کہ چیز مختصر سی ہے اور اوراد و وظائف مختصر سے ہیں۔ یہ کیمیا کے نسخے ہیں۔ بڑے اکسیر نسخے ہیں۔ ان کے اندر بڑی تاثیر ہے۔ خدا کے لئے انہی تک محدود رکھو۔ اسی میں عافیت ہے۔ آگے وظیفوں میں پڑو گے تو اندیشہ ہے وہاں کا ذرا سی بات ہوئی فوراً قرآن خوانی کرالی۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ کے کلام کا ختم کراتے ہو جس میں نہ اچھی نیت ہے نہ خلوص ہے بلکہ محض دنیاوی مقاصد کے لئے اور دنیاوی اغراض کے لئے ختم ہوتا ہے۔ ڈرو کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ورد تم پر وبال بن جائے غیر شرعی موقعوں پر استعمال کی وجہ سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آیت کریمہ کے ختم میں بڑی تاثیر ہے۔ لیکن جائز ناجائز مقاصد کے لئے اس کو استعمال کر رہے ہیں۔ اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ چاہے دنیا بھر کے عملیات کرلو لیکن اللہ کے لئے یا ایسے لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے جو خواہ مخواہ درپے آزار رہتے ہیں استعمال کرنے کے لئے یہ شرط ہے۔ کسی بزرگ سے اجازت لے لو خود استعمال نہ کرو اس لئے کہ خدا معلوم کس طرح استعمال کرو گے؟ یہ تمام وظائف و اوراد ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک اپنے کسی بزرگ سے ان کی اجازت نہ لے لو مفید ثابت نہیں ہوتے اور ایسی ہی ایرے غیرے کی اجازت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

نام نہاد عاملین سے بچنے کی ضرورت

کسی صاحب نے ایک اچھے خاصے برسر روزگار جوان کو رات کے پڑھنے کا کوئی عمل بتادیا کہ کھلے آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر اتنی دفعہ یہ چیز پڑھو۔ اس نے وہ وظیفہ پڑھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دماغ خراب ہو گیا۔ پاگل ہو گیا۔ جو ملازمت تھی وہ بھی جاتی رہی۔ اعزہ حواس باختہ پھرتے ہیں آج کل ڈاکٹر

کا علاج ہو رہا ہے۔ کبھی ہسپتال جا رہے ہیں بتانے والے ایسے بے وقوف ہیں کہ یہ نہیں دیکھتے کہ کس مقصد کے لئے بتا رہے ہیں، بس کہہ دیا کہ یہ دو گھنٹے کا عمل ہے۔ تین بجے رات کو آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر پڑھو۔ غرض مند آدمی کیا نہیں کرتا سب کچھ کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیچارے کا دماغ خراب ہو گیا۔ جو نماز روزہ تھے وہ بھی چھوٹ گئے۔ خبردار میں پھر آپ سے کہتا ہوں کہ عملیات کے چکر میں ہر گز نہ پڑنا۔ عملیات کے چکر میں بالکل نہ پڑنا۔ یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

گناہ کبیرہ کا وبال

میں کئی دفعہ بتا چکا ہوں کہ آج کل جو کچھ بھی ہماری پریشانیاں ہیں اور جتنی بھی بیماریاں ہیں ایسی بیماریاں کہ ڈاکٹروں کی عقلیں تک حیران ہیں کہ کیا تشخیص کریں؟ دنیا بھر کے ڈاکٹر حیران وپریشان ہیں۔ اِدھر اُدھر سر مارتے پھرتے ہیں ایکسرے کرو خون لے جاؤ پیشاب لے جاؤ یہ کرو وہ کرو۔ لیکن یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ مرض کیا ہے؟ علاج کیسے کریں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض امراض کا سبب کوئی اور بد پرہیزی ہے۔ لیکن اس پر نظر نہیں جاتی خدا کا قانون ہے جو کبھی نہیں بدلے گا کہ تم جو گناہ کبیرہ کرتے ہو اس کے وبال میں بیماریاں جو ظاہر ہو رہی ہیں اور پیدا ہوں گی۔ آج کینسر جو پیدا ہو رہا ہے دوسری بیماریاں جو ظاہر ہو رہی ہیں یہ سب گناہ کبیرہ ہیں جن سے ہم نے توبہ نہیں کی اور اب یہ بصورت قہر ہمیں بھگتنے پڑ رہے ہیں اور ان کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ قہر خداوندی کا آخر کیا علاج ہو سکتا ہے۔؟ آج تک سائنس عاجز ہے کینسر کے علاج میں کامیابی نہیں۔ کیوں؟ کیا بات ہے؟ اس لئے کہ کبیرہ گناہ کر رہے ہو ایسے شدید کبیرہ گناہ جس سے توبہ بھی نہیں کرتے۔

گناہ کے جسم پر برے اثرات

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کہ غیبت کرنا ایسا ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا تو مردار بھائی کا گوشت جو کھائے گا کیا ہوگا؟ کیا سمیت پیدا نہیں ہوگی؟ پھوڑے ہوں پھنسی ہو تمام بدن گل جائے بجا ہے کیونکہ اس میں سمیت (زہریلا پن) ہے۔ کھلا ہوا زہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال دے کر بتلایا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت۔ اللہ میاں نے مثال جس کی دی اس سے معلوم ہوا کہ تاثیر بھی اس کی وہی ہے جو مردار گوشت کھانے سے ہوتی ہی۔ وہ سمیت ہے غیبت کی پچاسوں دفعہ ہم لوگ غیبت کرتے ہیں۔ کبھی توبہ کرتے ہیں؟ عورتیں بھی کرتی ہیں مرد بھی کرتے ہیں۔

ایک رواج ہے کا یک رسم ہے۔ کبھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تو عمل اور ردعمل مقرر ہے۔ کیا تمہارے رسم ورواج میں آ جانے سے اور تمام ابتلاء کی وجہ سے اپنا قانون بدل دیں گے کیا تمہاری گفتگو کے اندر آ جانے سے غیبت کی تاثیر بدل جائے گی؟ کبھی نہیں بدلے گی تو بہت سے امراض جو آج کل پیدا ہو رہے ہیں وہ ان گناہ کبیرہ کا نتیجہ ہے جن کا ہم نے ارتکاب کیا ہے۔ پھر ان سے توبہ بھی نہیں کی جب کہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی یہ ہے کہ ہمارے سے چاہے کتنا کبیرہ کا صدور ہو جائے اگر تم نے توبہ استغفار کر لیا ہے اور اس گناہ کو چھوڑ دیا تو ساری سمیت ختم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا رحم ہے ان کا کرم ہے ان کا وعدہ ہے کہ جس نے توبہ واستغفار کیا اور گناہوں کو چھوڑ دیا تو جو ردعمل گناہ کا ہونا تھا خواہ بیماری ہو پریشانی ہو سب کا رد ہے۔ توبۃ النصوح یعنی سچے دل کی توبہ استغفار سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ آنکھ بہکی زبان بہکی دل بہکا گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوا توبہ کی؟ کہاں کی؟ کس وقت کی؟ جب اس کا خمیازہ بھگتنے کا وقت آیا تو دوڑے وظیفہ کی طرف چلانے لگے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے ارے کسی نے جادو نہیں کیا بلکہ تم نے خود اپنی آپ میں سمیت پیدا کر لی ہے۔ تمہاری روح کے اندر اور جسم کے اندر ایک سمیت سرایت کر گئی ہے۔ گناہ کبیرہ کی اب ہزار علاج کرو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جس طرح کا مرض ہوگا اسی کے مطابق علاج ضروری ہے۔ اگر کھانا کھانے سے بدہضمی پیدا ہوگئی یا کسی بد احتیاطی اور بد پرہیزی سے ملیریا ہو گیا علاج کرو ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اسی طرح جتنی امراض جسمانی ہیں وہ سب عادی بے احتیاطیوں سے اور بد پرہیزوں سے پیدا ہوتے ہیں لیکن جو روحانی بد پرہیزیوں سے امراض پیدا ہوتے ہیں کیا ان کا علاج مادی علاج سے ہو سکتا ہے؟ ہزار علاج کر کے دیکھ لو ہزاروں ڈاکٹر مل کر تشخیص کر کے دیکھ لیں۔ ایکسرے لو دنیا بھر کی کوشش کر ڈالو لیکن وہ ردعمل ہو کر رہے گا۔

زنا کی تباہ کاریاں

حدیث شریف میں ہے کہ جب زنا عام ہو جاتا ہے تو طاعون آتا ہے۔ طاعون جو ہے اس کی صورت پہلے کچھ اور تھی اور اب اس کی صورت بدل گئی ہے۔ اب اسی نے جو صورت اختیار کر لی ہی کینسر کی تمام ڈاکٹر اور سائنس دان دو سو برس کوشش کر رہے ہیں لیکن یہ پتہ نہیں چلا سکی کہ یہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ ارے یہ اگر کسی عادی چیز سے پیدا ہوا ہوا آب و ہوا کے اثر سے پیدا ہوا ہوتا تو کوئی بتادے کہ یہ آب و ہوا کا اثر ہے۔ لیکن کینسر اور اسی قسم کے دوسرے امراض تو روحانی بد پرہیزی کی

پیداوار ہیں۔ جس میں چھوٹے بڑے امیر وغریب کی کوئی قید نہیں۔ کینسر تو خدا کی ایک لعنت ہے۔ اس کا کیا علاج ہو؟ یہ کبائر کا جو ارتکاب ہو رہا ہی اس سے ایسے تمام لاعلاج امراض پیدا ہو رہے ہیں حدیث شریف میں بھی غالباً یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا ایسی ایسی بیماریاں پیدا ہوں گی کہ کسی نے ان کا نام تک نہ سنا ہوگا جب نام تک نہ سنا ہوگا تو علاج کیسے ہوگا؟

آج جتنے سنگین مرض پیدا ہو رہے ہیں میں آپ لوگوں سے اطلاعاً کہہ رہا ہوں اپنے تجربات کی بنا پر اور اپنے بزرگوں کی کتابیں پڑھ کر اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی منشاء معلوم کر کے بتا رہا ہوں کہ گناہ کبیرہ جو ہیں یہ بہت سنگین ناپاک اور نجس چیزیں ہیں۔ جب تک انسان ان کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی روح خراب ہوتی ہی ہے۔ جسم بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج کچھ نہیں ہے۔ یہ ناممکن ہے اور محال ہے کہ جو کبیرہ گناہوں سے مرض پیدا ہو مادی دواؤں سے اس کا علاج ہو جائے۔ بالکل ناممکن اور محال ہے کیسے ہوگا؟

مادی چیزوں کی بدپرہیزی سے جو مرض پیدا ہوتے ہیں ان کا تو علاج یونانی ہے۔ لیکن جو امراض اس زمانہ میں خصوصاً کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے پیدا ہو رہے ہیں ان کا علاج کیسے کسی مادی علاج سے ہو سکتا ہے؟ کسی کی نظر جا سکتی ہے کہ یہ فاسد مادہ کہاں سے پیدا ہوا؟ کیوں پیدا ہوئے جاؤ لاکھ سر مارے جاؤ کچھ نہیں پتہ چلے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ تمہاری غیبت کی عادت ہے۔ شہوانی نظر کی عادت ہے۔ بدگمانی کی عادت ہے اور یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ جب تک یہ جاری رہیں گی ان سے تمہاری روح بیمار ہوتی جائے گی اور جسم پر بھی اس کا اثر ہوگا۔ دنیا تحقیقات کرتے کرتے مرجائے گی کسی کو پتہ نہ چلے گا کہ اس مرض کا کیا سبب تھا۔

زنا ایک ایسا فعل ہے۔ آنکھوں سے بھی ہوتا ہے۔ زبان سے بھی ہوتا ہے۔ کانوں سے بھی ہوتا ہے۔ تو یہ جو روزمرہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہماری آنکھیں کر رہی ہیں ہمارے کان کر رہے ہیں اور ان سے جو سمیت پیدا ہو رہی ہے یہ کبھی نہیں چھوٹ پائیں گے اور جب ایک دفعہ اس کا ظہور ہوتا ہے تو ہائے ہائے کرتے ہیں۔ یہاں پھوڑا نکل آیا یہاں کینسر ہو گیا۔ یہاں دماغ خراب ہو گیا۔ یہاں فالج ہو گیا۔ دنیا بھر کی بیماریاں لاحق ہونے لگتی ہیں۔ ڈاکٹر لوگ تشخیص کر رہے ہیں، ایکسرے کر رہے ہیں جانچ رہی ہیں جانے کیا کیا کر رہے ہیں۔ سب کچھ کرتے جاؤ لیکن اس کا کوئی علاج نہیں میں آپ لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحیمیت اور رحمانیت کی شان سے بعید تھا کہ زہر پیدا فرماتے اور اس کا تریاق نہ پیدا فرماتے۔

گناہوں کا تریاق

جنت میں جو لوگ جائیں گے پاک صاف جائیں گے۔ گندے لوگ نہیں جائیں گے۔ تو صاحب ایمان ہونے کی حیثیت سے جو یہاں گناہ کبیرہ کیئے اور ان کے ساتھ توبہ بھی نہیں کی اور ان سے جو اثرات سمیت کے پیدا ہوئی ان کو توبہ کی ذریعہ زائل نہیں کیا اور گناہ کی گندگیوں سے پاک صاف نہیں ہوئی تو جنت کا دخول ممکن نہیں۔

ٹھیک ہے تم نے گناہ کبیرہ کیئے اور زہر کا استعمال کر لیا اب اس کا تریاق اور اس کا تدارک یہ ہے کہ صدق دل سے توبہ کرو یہ گناہ کے اثرات کیوں ظاہر ہوئے؟ کیونکہ تم نے گناہ کبیرہ کیئے تھے۔ اس لئے دماغ کا آنکھوں کا کانوں کا، دل کا، زبان کا مرض پیدا ہوا تو اس قدر بے خبر رہے کہ گناہ کرتے رہے آنکھ بھٹکتی رہی غیبت ہوتی رہی شہوانی باتیں ہوتی رہیں لذات نفسانی حاصل کرتے رہے جذبات شہوانی برانگیختہ ہوتے رہے۔ ہوتے ہوتے مرض کی صورت میں آ گئے۔ اب تم توبہ کرنے بیٹھ گئے۔ استغفار کرنے بیٹھ گئے۔ جلد ہی یہ مرض ختم ہو جائے گا۔ اگر یہ مرض جو پیدا ہوا ہے گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے پیدا ہوا ہے تو پھر توبہ کریں۔ استغفار کریں۔ ٹھیک۔ ہو جائے گا۔ لیکن اس سے سبق حاصل کرنا کہ اب تم کو ہوش آیا ہے۔ جب مرض نے شدت اختیار کی جسم کے اندر تغیر پیدا کر دیا۔ سمیت پیدا کر دی اب تم کو احساس ہوا کہ گناہ کبیرہ جو میں نے کیئے اس کا وبال ہے اب کیا کریں؟ مرض کا سبب تو معلوم ہو گیا کہ یہ سبب ہے اس کا کیا علاج؟

اہل اللہ کی ضرورت و اہمیت

اس کا جواب یہ ہے کہ اور یہ جواب میرا نہیں بلکہ ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے اللہ کی منشاء کو سمجھا۔ جنہوں نے گناہوں کی حقیقت سمجھی۔ جنہوں نے گناہ کبیرہ کی سمیت کو سمجھا اور جنہوں نے سمجھ لیا کہ گناہوں کی سمیت کا جسم پر یہ اثر ہوتا ہے۔ کبائر سے اور ناپاک گناہوں سے یہ امراض پیدا ہوتے ہیں۔

جو اللہ والے اور ماہر نفسیات ہیں ان کی نظر میں یہ بات آئی کہ یہ شخص شہوانی خیالات کا تھا۔ یہ شخص جو آیا ہے اس میں حب مال تھا۔ حب جاہ تھا۔ اس کی وجہ سے دل و دماغ میں یہ اثر ہوا۔ اس کے اندر اس کبیرہ گناہ کا مادہ تھا۔ وہ اس کا ارتکاب کرتا رہا اور اس کے کرتے کرتے یہاں تک ہوا کہ وہ جسمانی صورت میں وبال کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اب ان حضرات اولیاء کا فیصلہ یہ ہے کہ عزیز من!

تم نے اپنے آپ کو تباہ کرڈالا تم نے ایسے گناہ کبیرہ کیے پھر توبہ بھی نہیں کی۔ استغفار بھی نہیں کیا۔ تلافی بھی نہیں کی۔ خدا کا قانون تو نہیں بدل گیا۔ چنانچہ تم کو مبتلا ہونا پڑا۔ اب خیریت ہے کہ اپنے گناہ کبیرہ کو ندامت قلب کے ساتھ الحاح وزاری کی ساتھ اللہ کی بارگاہ میں پیش کروا پنے معاملہ کو کہ یا اللہ! مجھ سے دانستہ نادانستہ فلاں فلاں کبائر اور فلاں فلاں صغائر کا ارتکاب ہوا ہے میرے دل میں ایسے جذبات تھے میری زبان کے اندر ایسی سمیت رہی میرے کانوں کے اندر میری آنکھوں کے اندر رگ و پے تک سمیت رچ بس رہی نہ توبہ کی اور نہ اسغفار کیا۔ آج میں نادم ہوں میرے جسم کے اندر تغیر پیدا ہو گیا گناہوں کا زہر پھیل گیا میرا جسم ماؤف ہو گیا۔ اب میں آپ کے رحم وکرم پر ہوں۔ اے اللہ! ندامت قلب سے ایسے تمام گناہوں سی توبہ کرتا ہوں جن کے وبال میں مبتلا ہوں۔

غریزو! بس یہ مجھ سے سن لیجئے۔ شاید کسی کتاب میں نہ ملے...... لا الہ الا اللہ...... خدا کے لئے عمل کرو یہ کیمیا کا نسخہ ہے۔ اگر نہ کرو گے تو پھر خدا نخواستہ...... الامان والحفیظ...... بھگتنا نہ پڑے۔ یہ صرف ایک ہی عنوان سے بتا رہا ہوں اس کے اور بھی بہت سے عنوانات ہیں۔

بارگاہ خداوندی میں ندامت

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور کہو کہ اے اللہ! ان آنکھوں سے ان کانوں سے ان ہاتھوں سے اس زبان سے بہت سے کبائر کا میں نے ارتکاب کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی سمیت میرے جسم میں پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے یہ تکلیف ہے یہ تکلیف ہے۔ اے اللہ! میں بہت نادم ہوں۔ میں برباد ہو گیا۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی میری تمام تندرستی بگڑ گئی میری جسمانی حالت برباد ہو گئی ہے۔ میں کسی کام کا نہیں رہا، فالج ہو گیا، پھوڑا ہو گیا کینسر ہو گیا یہ ہو گیا یا اللہ! سب ہماری شامت اعمال ہے اب میں توبہ کرتا ہوں "رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا" (العمران۔ ۲۸۶) یا اللہ! معاف فرما دیجئے...... اب ان کی شان کریمی اور رحمانیت پکار اٹھے گی کہ اس مرض کے اندر جو گناہوں کی سمیت تھی وہ ہم نے ختم کر دی۔ جس سمیت سے گناہ کا مرض پیدا ہو گیا تھا وہ ہم نے زائل کر دیا۔ اب یہ مرض کی صورت جو باقی رہ گئی ہی اس کے اندر سمیت نہیں ہے لیکن صورت مرض ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی کے پھوڑا نکلا ہو ڈاکٹر سرجن نے نشتر دیا اور نشتر دینے کے بعد فاسد مادہ کو نکال دیا اور ایسے انجکشن اور ایسی چیزیں دیں کہ جس سے زہر ختم ہو گیا لیکن پھوڑا اب بھی باقی ہے۔

زخم اب بھی باقی ہے۔ مرہم پٹی ابھی باقی ہے پھوڑے کی سمیت تو رفع ہو گئی لیکن پھوڑے کی صورت پھر بھی باقی ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ تمہارے کبائر کو معاف فرما دیں گے اب اس کے اندر کا زہریلا مادہ جو تم دنیا اور آخرت میں بھگتتے وہ زہریلی نافرمانی جس کے تم مرتکب ہوتے رہے وہ تو انشاء اللہ تعالیٰ رفع ہو جائیں گی۔ لیکن صورت بیماری باقی رہ جائے گی۔ صورت بیماری جو ہے اس کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا وعدہ ہے کہ اگر مسلمان کے کانٹا بھی چبھ جائے تو ہم اس پر اجر دیتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص جسمانی اذیت میں مبتلا ہے جس کی سمیت اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم وکرم سے نکال دی ہے لیکن صورت بیماری اب بھی موجود ہے۔ یہ اس کے لئے اجر کا سبب ہے اس سے اس کے درجات بلند ہوں گے۔

توبہ کی برکات

اس لئے اسے اس بیماری پر صبر کرنا پڑے گا۔ مگر مطمئن رہئے کہ وہ اس کی سمیت سے اب پریشان نہیں رہے گا۔ سمیت کے زائل ہونے کی خاص علامت یہ ہے کہ دل مطمئن ہو جائے گا اور اس کا اجر دنیا میں نہیں ملے گا تو آخرت میں اللہ میاں ضرور عطا فرمائیں گے۔ جب سمیت اس میں سے نکل گئی صرف صورت باقی رہ گئی تو صورت مرض خود اس کے رفع درجات کا سبب ہے اب اس کے گناہوں کا خمیازہ نہیں ہے بلکہ اس کے رفع درجات کا سبب ہے۔ اس کے درجات بلند ہوتے رہیں گے اور بیماری کی اس علاج سے یہ حالت پیدا ہو گی کہ آئندہ گناہوں سے پرہیز کرے گا۔ گناہوں سے اجتناب کرے گا۔ گناہوں کی باتوں سے بچنے گا۔ یہی ہمارا مقصود ہے اب آنکھ بند ہوتے ہی اس کو وہ درجہ ملے گا جو شہداء کے لئے ہے۔

بھئی! یہ بات آپ مجھ سے سن لیں اس کی حقیقت یہاں سے سمجھ لیجئے کہ پھوڑا ہے۔ بڑا سنگین لیکن ڈاکٹر بڑا ماہر ہے۔ اس نے تمام سمیت کو نکال کے پھینک دیا اور مرہم رکھ دیا اور پٹی بھی باندھ دی اور ایسی انجکشن دے دیئے کہ جو سمیت خون میں سرایت کر گئی تھی وہ بھی رفع ہو گئی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت قلب نے وہ نشتر لگایا کہ گناہ کی سمیت سے جو مرض پیدا ہوا تھا وہ تو رفع ہو ہی گیا اب صرف صورت مرض باقی رہ گئی۔ یہ صورت مرض بھی ان کا کرم ہے ان کا رحم ہے تم کو یہ گناہوں سے بچائے گی۔ تمہاری بیماری تم کو آفات سے محفوظ رکھے گی۔ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے تو مومن اور صاحب ایمان کے جسم کے اندر جو تکلیف ہو اس کے ساتھ وہ توبہ و استغفار بھی کرتا رہے اس کی جو بھی تکلیف جسمانی ہو گی وہ اس کے رفع درجات کا سبب ہو گی۔ یہ صلہ ہے اس عمل کا جو تم سے نہ بن پڑتا ہو۔ اس حالت میں جو شخص ثواب کی نیت سے صبر کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس کے درجات بلند ہوتے

ہیں۔مرنے کے بعد اسے شہادت کا درجہ ملتاہی اور باری تعالیٰ مقام عالیہ عطا فرماتا ہے۔

گناہ کا زہریلا اثر

بھئی! دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس ماحول سے بچالے اور آج کل کی ان سمتوں سے بچا لے جن سے ہماری آنکھیں ماؤف ہوگئی ہیں۔بے شرمی، بے حیائی، بے غیرتی کے لاتعداد مناظر ہر وقت آنکھوں میں ہیں۔اللہ تعالیٰ ان عورتوں کو ہدایت دے اور مردوں کو بھی ہدایت دے بے شرمی بے غیرتی اب زہریلا گناہ ہے۔اس کے اندر ایسی سمیت ہے جو دنیا کو بھی برباد کر رہی ہے اور آخرت کو بھی برباد کر رہی ہے۔یہ بے شرمی و بے غیرتی دنیا کی سنگین ترین زہریلے مادوں میں سے ہیں نہ سنکھیا میں اتنا اثر ہے اور نہ سانپ کے زہر میں اتنا اثر ہے۔کسی چیز میں اتنی تاثیر نہیں بے شرمی کا زہر اتنا قوی زہر ہے کہ کوئی اس کا تدارک نہیں کر سکتا۔

عصر حاضر اور ہم

آج کل جو بے شرمی، بے غیرتی عام ہو رہی ہے۔یہ تمام بیماریاں پریشانیاں اسی کا وبال ہیں۔خواہ مخواہ بدنام کرتے ہو کہ کسی نے سفلی عمل کر دیا۔کسی نے ٹونہ کر دیا۔کسی نے جادو کر دیا کسی نے ہاں کیا تم نے خود کیا مرتکب ہوئے اس کے اپنی خبر نہیں لیتے اور وظیفے ڈھونڈتے پھرتے ہو لیکن اچھی طرح جان لو ہزار وظیفے ڈھونڈ ولا کھ سر مارو تمام وظیفے تمام عامل سر پٹخ کے مر جائیں پھر بھی اس کا علاج نہیں کر سکتے۔خارجی چیزوں کا تو علاج ہے لیکن گناہ کبیرہ کی جو بیماریاں ہیں، پریشانیاں ہیں ان کا کوئی علاج نہیں سوائے اس کی کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو استغفار کرو اس کے حضور ندامت کا اظہار کرو۔ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے جسم کی تمام سمیت رفع ہو جائے گی۔صرف مرض کی صورت رہ جائے گی جو تمہارے لئے رفع درجات کا باعث ہوگی۔یا اللہ ہم کو بچا لیجئے۔ یا اللہ! ہم کو اس وبال سے بچ الیجئے۔آج کل ہماری آنکھیں کان اور زبان آسانی سے ماؤف ہو جاتے ہیں۔ہم کو پتہ بھی نہیں چلتا، یا اللہ! سمیت کے اوپر سمیت سیرایت کر رہی ہے۔گناہوں پر گناہ کرتے رہتے ہیں۔کبھی ادراک واحساس بھی نہیں کرتے۔یا اللہ! ہمیں پاک فرما۔

یا اللہ! ہمارے ماحول نے ہمیں بالکل بے خبر اور بے حس کر رکھا ہے۔مگر ہماری بے حسی ہمیں ان گناہوں کے خمیازہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتی جو ہم سے ہوتے رہے ہیں۔یا اللہ! آپ علیم وخبیر ہیں۔

ہماری آنکھوں کے جتنے گناہ ہیں اپنی رحمت کاملہ سے سب معاف فرما دیجئے۔یا اللہ! ہماری زبان کے جتنے گناہ کبیرہ ہیں اپنی رحمت کاملہ سے سب معاف فرما دیجئے۔ہمارے کانوں کے گناہ ہماری زبان کے گناہ ہماری آنکھوں کے گناہ کبیرہ گناہ سمیت والے ناپاک گناہ یا اللہ! ہم سب سے توبہ کرتے ہیں استغفار کرتے ہیں یا اللہ! اپنی رحمت کاملہ اور اپنی رحمانیت کے صدقہ میں سب معاف فرما دیجئے۔یا اللہ! گناہوں کی جتنی سمیت ہمارے اندر ہے اپنے کرم سے سب پاک فرما دیجئے۔یا اللہ! ہمیں صبر واستقلال کی توفیق عطا فرمائیے۔یا اللہ! ہم کو اس کا بھی تحمل نہ ہو سکے گا۔اپنی رحمت سے تحمل عطا فرما دیجئے۔ہمارے لئے جو بہتر صورت ہے وہ پیدا فرما دیجئے۔ہم کو اپنی رحمت سے محروم نہ فرمائیے۔

اے اللہ! اپنے آپ کو برباد کر لیا ہے۔اب آپ کی درگاہ میں دست بدعا ہیں۔اپنی رحمت کاملہ سے اور اپنے نبی رحمت اللہ ﷺ کے واسطہ سے سب خطائیں معاف فرما دیجئے۔جتنی سمیت ہمارے دلوں میں ہے ہمارے دماغ میں ہے ہمارے رگ وریشہ میں ہے ہمارے اندر گناہ کبیرہ کے جتنے اثرات ہیں یا اللہ! سب اپنی جگہ زہر پھیلا رہے ہیں یا اللہ ان کو اپنے انوار وتجلیات سے اور اپنی رحمتوں سے تبدیل فرما دیجئے۔یا اللہ ہم سے مواخذہ نہ فرمائیے۔یا اللہ! باقی ماندہ زندگی میں ہم کو مجبوریوں سے اور معذوریوں سی محفوظ رکھئے یا اللہ! اپاہج ہونے سے محفوظ رکھئے۔یا اللہ!، دماغ ودل کے تعطل سے محفوظ رکھئے۔یا اللہ جو گناہ ہوئے، ہو چکے لیکن اب ہمیں ان سے بالکل پاک وصاف فرما دیجئے۔باقی ماندہ زندگی یا اللہ! پاکیزہ گزارنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔اپنی رحمت سے ہمیں پاکیزہ زندگی عطا فرمائیے۔یا اللہ! ہم سب آپ کے عاجز بندے ہیں۔ہم اس ماحول کی سمیت سے بچ نہیں سکتے۔مگر آپ اپنی قدرت کاملہ سے بچا سکتے ہیں۔یا اللہ! ہمیں بچا لیجئے۔جس طرح بیماریاں سے حفاظت کے لئے دوائیں استعمال کی جاتی ہیں تاکہ یہ بیماری پیدا نہ ہو اسی طرح یا اللہ! ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں ایا اللہ! اپنی رحمت کاملہ سے اذکار اور اور ادو وظائف میں جو انوار ہیں ان کی قوتیں ہمیں عطا فرما دیجئے تاکہ ان کے ذریعہ ہم اپنے نفس کی حفاظت کر سکیں اور شیطان سے بچنے کے لئے اپنے نفس کی شرارتوں سے بچنے کے لئے گناہوں سے بچنے کے لئے ہم میں قوت پیدا ہو جائے۔

مختصر معمولات یومیہ

یہ اوراد وظائف جو ہیں ان میں بڑی قوت ہے۔خدا کے لئے معمولات یومیہ میں جو مختصر سے اوراد ہیں ان میں سے ایک تسبیح استغفار کی اس نیت سے پڑھ لیا کیجئے کہ اے اللہ! جو دانستہ نادانستہ گناہ ہم

سے ہوئے ہیں آپ علیم وخبیر ہیں سب معاف فرمادیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "واذکروا اللّٰہ کثیرًا لعلکم تفلحون" (الانفال۔۴۵) یعنی تم کثرت سے ہمارا ذکر کرو تا کہ تم بچے رہو اور فلاح پاؤ تو اللہ تعالیٰ کی صبح وشام تسبیح کرلیا کرو۔ "سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم" کی صبح تسبیح پڑھ لی اور شام کو "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم" کی تسبیح پڑھ لی درود شریف کی تسبیح پڑھ لی۔ اس سے روح میں قوت آجاتی ہے۔ بس جتنی پریشانیاں ہیں دشواریاں ہیں شیطان ابلیس کے اثرات ہیں اور ہمارے نفس کی شرارتیں ہیں اس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑتا ہے۔ ان سب کے لئے یہ کافی ہے۔

نسخہ اکسیر:

تم جو روز بروز تباہی و بربادی کی طرف جا رہے ہو یہ اس سے بچنے کا وظیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قہر سے بچنے کا وظیفہ ہے۔ خبردار! کسی اور کام میں نہ لانا ایک تسبیح پڑھا کرو "لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم لاملجا ولامنجا من اللّٰہ الا الیہ" یہ اکسیر کا نسخہ ہے۔ عالم امکان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یہ ایک بہت بڑا تریاق ہے۔ اس کو دفع مضرت کے لئے اور اپنی نجات کے لئے تو پڑھ سکتے ہو اور کسی غرض کے لئے ہرگز نہ پڑھنا۔ سوسو دفعہ صبح وشام پڑھ لیا کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ بچ رہو گے۔ بس یاد رکھئے گا میں نے آپ کو بہت بڑا قوی نسخہ بتادیا ہے۔ "لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم لاملجا ولامنجا من اللّٰہ الا الیہ" اپنی نجات کے لئے اپنی پریشانی سے بچنے کے لئے، بری اثرات سے بچنے کے لئے لعنتوں سے بچنے کے لئے ماحول کی لعنتوں سے بچنے کے لئے بے شرمی بے غیرتی کی لعنتوں سے بچنے کے لئے یہ حفاظت کا سامان ہے اس کو پڑھ لیا کرو۔ بھئی! اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ بس اب خوش رہو۔ (از خطبات عارفی)

وساوس کا علاج

پریشانی کی مختلف انواع میں سے ایک نوع وسوسہ ہے جس سے مسلمان اگر متاثر ہوجائے پوری زندگی زیر وزبر ہوجاتی ہے۔ دل کا سکون برباد ہوجاتا ہی۔ اس لئے سکون قلب کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ جملہ وساوس کے بارہ میں شرعی تعلیمات کا علم ہوتا کہ نفس وشیطان کی طرف سے وساوس آنے پر انسان پریشانی سے بچ سکے اور اپنی زندگی کو سکون واطمینان کی شاہراہ پر بے خوف وخطر چلا سکے۔

برے خیالات ایمان کی علامت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے وسوسہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ دل میں کفر وشرک کے اور فسق وفجور کے جو وسوسے آتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ جواب میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "ذلک محض الایمان" یعنی یہ وسوسے خالص ایمان کی علامت ہیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! بعض بعض اوقات ہمارے دل میں ایسی وسوسے اور خیالات آتے ہیں کہ ان خیالات کو زبان پر لانے کے مقابلے میں ہمیں جل کر کوئلہ ہوجانا زیادہ پسند ہے یعنی ان خیالات کو زبان سے ظاہر کرنا آگ میں جل جانے سے زیادہ برا لگتا ہے۔ اس کے جواب میں بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو ایمان کی علامت ہے۔

شیطان ایمان کا چور ہے:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ "وسوسہ" شیطان کا عمل ہے کیونکہ شیطان ہی انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے اور شیطان ایمان کا چور ہے۔ یہ تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے۔ چور اور ڈاکو اس گھر میں ڈاکہ ڈالے گا جس گھر میں دولت ہو۔ اگر دولت ہے ہی نہیں تو پھر ڈاکو ڈاکہ کیوں ڈالے گا۔ لہٰذا شیطان جو تمہارے دل میں وسوسے ڈال رہا ہے اور تمہارے دل میں داخل ہو رہا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ تمہارے دل میں ایمان کی دولت موجود ہے۔ اگر یہ ایمان کی دولت نہ ہوتی تو یہ ڈاکو اس گھر میں داخل نہ ہوتا۔ اس وجہ سے ان سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ میرے دل میں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ان کو ظاہر کرنے کے مقابلہ میں جل کر مر جانا زیادہ پسند ہے۔ یہ اندر سے تمہارا ایمان بول رہا ہے۔ تمہارا ایمان یہ بول رہا ہے کہ بات زبان سے نکلنے والی نہیں۔ اگر دل میں ایمان نہ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ عین ایمان کی علامت ہے۔

وساوس پر گرفت نہیں ہوگی

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الحمدللّٰہ الذی رد کیدالشیطان الی الوسوسۃ" یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس شیطان کے مکر اور جال کو وسوسے کی حد تک محدود کردیا

اس سے آگے نہیں بڑھایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ شیطان کی تدبیر تمہارے اور پر اس سے زیادہ کارگر نہیں ہو رہی ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔

ان اللّٰه تجاوز عن امتی ماوسوست به صدورها.

یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں اس سے درگزر فرمادیا ہے اور ان کو معاف فرمادیا ہے۔ ان پر مواخذہ نہیں ہوگا البتہ عمل پر مواخذہ ہوگا۔

عقیدوں کے بارے میں خیالات

وسوسے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وسوسے عقیدے کے بارے میں ہیں یعنی دل میں شیطان اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں وسوسہ ڈالے یا آخرت کے بارے میں وسوسہ ڈالے کہ معلوم نہیں کہ آئے گی یا نہیں۔ اس قسم کے وسوسوں کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے خود فرمایا کہ جب تک تم اپنا عقیدہ درست رکھو گے پھر چاہے خیالات اور وساوس کیسے بھی آ جائیں اس پر انشاءاللہ مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ ان خیالات کی وجہ سے انسان کافر ہوتا ہے۔ ان خیالات کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں شیطان ہو گیا۔ میں تو کافر ہو گیا یاد رکھئے ان وسوسوں کے دل میں آنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک انسان اپنے دل اپنی زبان اور اپنے عمل سے مومن ہے لہٰذا آدمی کو مطمئن ہو جانا چاہئے۔

گناہوں کے خیالات

دوسرے گناہ کرنے اور فسق و فجور کرنے کے وسوسے اور خیالات آتے ہیں۔ مثلاً دل میں یہ خیال آتا ہے کہ فلاں گناہ کا ارتکاب کرلوں یا فلاں گناہ کرلوں یا کسی گناہ کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے اور اس کی طرف کشش ہو رہی ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اگر محض دل میں خیال آتا ہے تو ان پر انشاءاللہ کوئی مواخذہ نہیں ہوگا جب تک اس خیال اور وسوسے پر عمل نہ کرلو گے۔ لہٰذا جب گناہ کے تقاضے اور داعیے پر عمل کرلو گے تو یہ قابل مواخذہ اور قابل گرفت ہے اور جب بھی کسی گناہ کا خیال یا وسوسہ آئے کہ فلاں گناہ کرلو اس کا فوری توڑ یہ ہے کہ فوراً اللہ کی پناہ مانگو، یا اللہ! میرے دل میں اس گناہ کا خیال آ رہا ہے میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اس گناہ سے بچا لیجئے۔ اس طرح اس خیال اور وسوسے کا توڑ ہو جائے گا۔

بُرے خیالات کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرو

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ آپ آزمائش میں مبتلا ہوئے اور اس آزمائش کے نتیجے میں ان کے دل میں بھی گناہ کا کچھ وسوسہ آیا۔ اس لئے کہ بہرحال آپ بھی انسان تھے لیکن اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ:

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ O

(یوسف۔۳۳)

یعنی اے اللہ! اگر آپ ان عورتوں کے مکر کو مجھ سے دور نہیں کریں گے تو میں بھی تو ایک انسان ہوں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

لہٰذا ان عورتوں کے مکر کو مجھ سے دور کر دیجئے۔ جب بھی گناہ کا خیال یا گناہ کا وسوسہ اور داعیہ دل میں پیدا ہوا تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے پناہ مانگ لو کہ اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے مجھے اس گناہ سے محفوظ رکھئے اور اس وقت اپنی ہمت کو تازہ کرلو کہ میں گناہ کے اس داعیہ پر عمل نہیں کروں گا۔ اگر یہ کرلو گے تو پھر ان شاءاللہ یہ خیالات اور وسوسے کچھ بھی نقصان نہیں کریں گے۔

نماز کی ناقدری مت کرو

اسی طرح نماز میں جو خیالات آتے ہیں بہت سے لوگ ان سے پریشان ہوتے ہیں اور ان خیالات کے نتیجے میں سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ نماز تو اٹھک بیٹھک ہے۔ اس میں کوئی روح اور جان نہیں ہے۔ یاد رکھئے! نماز کی ایسی ناقدری نہیں کرنی چاہئے۔ ارے یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ان خیالات کی وجہ سے اپنے نماز کو بے کار مت سمجھو۔ یہ نماز کی توفیق تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور ان غیر اختیاری خیالات کی وجہ سے انشاءاللہ تمہاری گرفت نہیں ہوگی۔ البتہ اپنے اختیار سے خیالات مت لاؤ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے عالم اور صوفی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ ان کے ایک بھائی تھے جو بالکل خالص صوفی مزاج آدمی تھے۔ امام

غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب امامت فرماتے اور نماز پڑھاتے تو یہ بھائی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ کسی نے ان کی والدہ سے شکایت کردی کہ یہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ والدہ نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم ان کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کی نماز ہی کیا ہے؟ میں ان کے پیچھے کیسے نماز پڑھوں۔ اس لئے جب یہ نماز پڑھاتے ہیں تو اس وقت ان کا دل اور دماغ حیض اور نفاس کے مسائل میں الجھا رہتا ہے۔ اس لئے یہ گندی نماز ہے۔ میں اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ وہ والدہ بھی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔ جواب میں فرمایا کہ تمہارا بھائی تو نماز کے اندر فقہی مسائل سوچتا ہے اور نماز کے اندر فقہی مسائل سوچنا جائز ہے اور تم نماز کے اندر اپنے بھائی کے عیب جوئی میں لگے رہتے ہو اور یہ دیکھتے رہتے ہو کہ اس کی نماز صحیح ہے یا غلط؟ اور نماز کے اندر یہ کام یقینی طور پر حرام ہے۔ لہذا بتاؤ کہ وہ بہتر ہے یا تم بہتر ہو؟ بہرحال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے یہ بات واضح فرمادی کہ نماز میں فقہی مسئلے کو سوچنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ لہذا اپنے اختیار سے ایسے خیالات لانا جو خود عبادت اور طاعت کا حصہ ہیں وہ بھی نماز کے خشوع کے منافی نہیں۔

نیکی اور گناہ کے ارادے پر اجر وثواب

بہرحال اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دل کے خیالات پر مواخذہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عجیب رحمت ہے کہ گناہ کے بارے میں تو یہ اصول مقرر فرمادیا کہ اگر گناہ کرنے کے بارے میں خیال آیا اور شوق پیدا ہوا اور دل میں تھوڑا سا ارادہ بھی کرلیا کہ یہ گناہ کرلو، البتہ عزم اور پختہ ارادہ کی حد تک نہیں پہنچا تو اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی پکڑ نہیں، بلکہ اگر بار بار گناہ کا خیال آتا رہا اور انسان اس خیال کو دفع کرتا رہا اور اس پر عمل نہیں کیا تو انشاء اللہ گناہ نہ کرنے پر اجر وثواب ملے گا۔ کیونکہ گناہ کا خیال آنے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو گناہ سے بچالیا اور نیکی کے بارے میں یہ اصول مقرر فرمایا کہ اگر کسی نیکی کے بارے میں خیال آیا اور ارادہ کیا کہ فلاں نیکی کرلوں، اگرچہ اس نیکی کا پختہ ارادہ نہیں کیا۔ تب بھی صرف ارادے پر اللہ تعالیٰ اجر وثواب عطا فرماتے ہیں۔ مثلاً یہ ارادہ کیا کہ اگر مجھے مال مل گیا تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اتنا مال صدقہ کروں گا تو اس پر بھی اس کو ثواب ملے گا۔ یا مثلاً یہ ارادہ کرلیا کہ جب جہاد فی سبیل اللہ کی نوبت آئے گی تو اللہ کے راستے میں جہاد کروں گا اور شہادت کا درجہ حاصل کروں گا تو اس کے بارے میں حدیث

شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی شہداء میں شمار فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

"اگر کوئی شخص سچے دل سے شہادت طلب کرے کہ اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت کا مقام عطا فرمایئے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں ہی میں شمار فرمائیں گے۔ چاہے بستر پر اس کو موت آئی ہو۔"

بہرحال نیکی کے بارے میں قانون یہ ہے کہ پختہ ارادہ کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ اجر وثواب عطا فرماتے ہیں اور گناہ کے اندر قانون یہ ہے کہ جب تک پختہ ارادہ نہ کرے اس وقت تک مواخذہ نہیں فرماتے۔ یہ رحمت کا معاملہ ہے۔

خیالات کی بہترین مثال

بہرحال گناہوں کے پختہ ارادہ کرنے سے بچنا چاہئے۔ لیکن گناہوں کے جو وساوس اور خیالات آرہے ہیں، ان کی پرواہ نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگا رہے۔ ان خیالات کی وجہ سے اپنے کام کو نہ چھوڑے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان خیالات کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص کو سربراہ وقت اور بادشاہ نے دعوت دی ہے اور بلایا ہے۔ اب یہ شخص جلدی میں بادشاہ سے ملاقات کرنے جارہا ہے۔ اب کوئی شخص اس کا دامن گھسیٹتا ہے اور کوئی اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اس کو روک کر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح لوگ اس کو تنگ کر رہے ہیں۔ اب بتایئے کہ کیا یہ شخص ان راستہ روکنے والوں سے الجھنا شروع کردے گا یا اپنا سفر جاری رکھے گا؟ اگر یہ شخص ان راستہ روکنے والوں سے الجھ گیا تو یہ شخص بادشاہ کے دربار میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا؟ لیکن اگر اس نے یہ سوچا کہ یہ تو پاگل اور بے وقوف لوگ ہیں، میرے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ مجھے تو اس وقت بادشاہ کے پاس جانا ہے اور اس سے ملاقات کا اعزاز وشرف حاصل کرنا ہے تو وہ شخص ان کی طرف دھیان بھی نہیں دے گا۔

خیالات کا لانا گناہ ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خط میں لکھا کہ حضرت! جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو طرح طرح کے خیالات آتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے کہ میری نماز تو کچھ بھی نہیں۔ حضرت نے اس کے جواب میں لکھا کہ "خیالات کا آنا گناہ نہیں، خیالات کا لانا گناہ ہے۔" یعنی اگر وہ خیالات خود بخود آرہے ہیں تو یہ گناہ نہیں ہے، ہاں جان بوجھ کر ارادہ کرکے دل میں خیالات لا رہے ہیں تو یہ گناہ ہے۔

خیالات کا علاج

ان خیالات اور وساوس کا علاج ہی یہ ہے کہ ان خیالات کی طرف التفات اور توجہ مت کرو، جب توجہ نہیں کرو گے تو انشاء اللہ خیالات خود بخود دور ہو جائیں گے۔ بس اپنا کام کئے جاؤ کہ جب نماز کی نیت باندھ لو تو اپنا ذہن نماز کی طرف لگاؤ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ اور ملفوظات میں یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ یہ نماز بذات خود مطلوب ہے۔ لہذا اگر غیر اختیاری طور پر خیالات آ رہے ہیں تو اس کی وجہ سے نماز کی ناقدری مت کرو۔

نمازی اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن نماز میں مزہ ہی نہیں آتا۔ لطف ہی نہیں آتا۔ پہلے نماز میں بہت لطف و مزہ آتا تھا، اب وہ لطف آنا بند ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھائی! یہ نماز اس لئے فرض نہیں کی گئی کہ اس میں تمہیں مزہ اور لطف آیا کرے۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا ایک طریقہ ہے۔ اب اگر نماز میں مزہ آ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اگر مزہ نہ آئے تو اس کی وجہ سے نماز کی فضیلت میں ذرا برابر کمی نہیں آتی۔ اگر تم نماز کے ارکان اور اس کی شرائط اور اس کے آداب پورے طور پر بجا لا رہے ہو اور سنت کے مطابق نماز ادا کر رہے ہو تو پھر ساری عمر بھی اگر مزہ نہ آئے تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ اگر نماز میں مزہ آئے تو بھی نماز پڑھنی ہے اور اگر مزہ نہ آئے تو بھی نماز پڑھنی ہے۔

دل نہ لگنے کے باوجود نماز پڑھنا

بلکہ اگر نماز میں مزہ نہ آیا اور نماز پڑھنے میں مشقت محسوس ہوئی، لیکن اس کے باوجود تم نے نماز پڑھی تو اس پر تمہارے لئے زیادہ ثواب لکھا جائے گا۔ اس لئے کہ نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، بلکہ نفس شرارت کر رہا تھا۔ لیکن تم نے زبردستی اللہ کی عبادت کی خاطر اور اس کی اطاعت کی خاطر نفس پر جبر کر کے نماز پڑھ لی تو انشاء اللہ اس نماز میں تمہیں ثواب زیادہ ملے گا۔ چنانچہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

جس شخص کو ساری عمر کبھی نماز میں مزہ نہ آئے لیکن پھر بھی نماز پڑھتا رہے، نماز کو چھوڑے نہیں، میں اس کو دو باتوں کی مبارک دیتا ہوں۔ ایک اس بات کی کہ جب اس کو نماز میں مزہ نہیں آیا لیکن اس کے باوجود نماز پڑھتا رہا تو انشاء اللہ اس کے اجر میں اضافہ ہوگا اور اس کو ثواب زیادہ ملے گا اور دوسرے اس پر کہ اگر اس کو نماز میں مزہ آتا تو یہ شبہ ہوتا کہ یہ شاید نفس کی مزے کی خاطر

نماز پڑھ رہا ہے۔ لیکن جب نماز میں مزہ آیا ہی نہیں تو اب یہ شائبہ ختم ہو گیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ نماز صرف اللہ کے لئے پڑھ رہا ہے۔ کیونکہ اس میں اخلاص زیادہ ہو گیا۔ اس کی وجہ سے اجر و ثواب میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے فکر میں مت پڑا کرو کہ مزہ آیا یا نہیں، لطف آیا یا نہیں۔

کیفیات نہ مقصود ہیں نہ اختیار میں ہیں

جو لوگ حج یا عمرہ پر حرمین شریفین جاتے ہیں، عام طور پر ان پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ بات مشہور ہے کہ جب بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتی ہے تو اس پر گریہ طاری ہو جاتا ہے یا ہنسی آ جاتی ہے یا کوئی دوسری کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور جب ملتزم پر پہنچتے ہیں تو وہاں پر بھی رونا آتا ہے اور گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ سب کیفیات پیدا ہوتی ہیں لیکن یہ کیفیات غیر اختیار ہیں۔ اگر حاصل ہو جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور اگر حاصل نہ ہوں تو اس پر گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔

چنانچہ بعض لوگ صرف اس وجہ سے پریشان ہو جاتے ہیں کہ ہم عمرہ کرنے یا حج کرنے گئے، وہاں تو ہمارا دل پتھر ہو گیا نہ تو ہمیں رونا آیا نہ ہم پر گریہ طاری ہوئی، نہ آنسو نکلے اور نہ ہی کوئی اور کیفیت طاری ہوئی۔ یہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اوپر مردودیت غالب ہو گئی اور ہم پر شیطانی اثرات غالب آ گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے خیالات دل میں آتے ہیں، یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ تمہیں اس بنیاد پر راندہ درگاہ نہیں کریں گے کہ تمہیں غیر اختیاری طور پر رونا کیوں نہیں آیا؟ اور نہ اس بات پر گرفت کریں گے بشرطیکہ عمل صحیح ہو اور جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو تو پھر رونا آئے یا نہ آئے۔ کیفیت طاری ہو یا نہ ہو۔ لیکن انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کے یہاں وہ حج و عمرہ مقبول ہے اور موجب اجر ہے۔

وسوسوں پر خوش ہونا چاہئے

بہرحال اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے بتا دیا کہ یہ وسوسے ایمان کی علامت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دل میں وسوسوں کے آنے کو کوئی گناہ قرار نہیں دیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی جو تشریح کی ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہ ہونا مذکور ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان حدیثوں میں وساوس پر مسرور ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر دل میں وسوسے آ رہے ہیں، مگر ان وسوسوں پر عمل نہیں ہو رہا ہے تو ان وسوسوں پر خوش ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ وسوسے

تمام ایمان کی علامت ہیں۔ کسی کافر کے دل میں یہ وسوسے نہیں آتے بلکہ صاحب ایمان کے دل میں وسوسے آتے ہیں۔ اس لئے تم ان پر خوش ہو جاؤ۔ پھر آگے فرمایا کہ ان وسوسوں سے نجات کی یہی تدبیر ہے کہ ان کی کچھ پرواہ نہ کرے، بلکہ ان پر خوش ہو۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ "شیطان کو مومن کی خوشی گوارہ نہیں، جب شیطان مومن کو وساوس پر خوش ہوتا دیکھے گا تو وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا۔"

وسوسہ کی تعریف

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ وسوسہ وہ ہے جو خود بخود دل میں آجائے، لیکن اپنی طرف سے سوچ کر وسوسہ لانا یا گناہ کا تصور کرنا یا گناہ کا ارادہ دل میں لانا، یہ وسوسہ نہیں ہے بلکہ خود ایک عمل ہے اور یہ عمل بکثرت خود گناہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنی طرف سے سوچ کر قصد اور ارادہ کرکے وسوسہ نہ لائے اور جو وسوسہ خود بخود آجائے اس کی پرواہ نہ کرے۔

خیالات سے بچنے کا دوسرا علاج

اور یہ خیالات اور وسوسے جو انسان قصد اور ارادہ کرکے دل میں لاتا ہے، اس سے بچنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی اس قسم کا خیال دل میں پیدا ہو اس وقت اپنے آپ کو کسی اور کام میں لگالیں۔ اس لئے کہ یہ وسوسے اس طرح دور نہیں ہوتے کہ آدمی لاٹھی لے کر ان کے پیچھے پڑجائے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی اور کام میں لگالے۔ کسی اور مشغلے میں اپنے آپ کو مشغول کردے۔ اس کے لئے حضور اقدس ﷺ نے جو دعا تلقین فرمائی ہے وہ دعا بکثرت کیا کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کے حق میں وہ دعا قبول فرمالے۔ آمین۔
وہ دعا یہ ہے:

اللھم اجعل وساوس قلبی خشیتک وذکرک واجعل همتی وهوای فیما تحب وترضی.

کیا عجیب وغریب دعا ہے۔ آپ ایسی دعائیں تلقین فرماگئے کہ انسان ان کا تصور نہیں کرسکتا۔ یعنی اے اللہ! میرے دل میں آنے والے خیالات کو اپنی خشیت اور اپنے ذکر میں تبدیل فرمادیجئے۔ انسان کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا دماغ کبھی بھی خیالات سے خالی نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی خیال اس کے ذہن میں ہر وقت رہتا ہے۔ مثلاً ہاتھوں سے کچھ کام کررہا ہے، لیکن دماغ

کہیں اور لگا ہوا ہے اور خیالات مسلسل آرہے ہیں۔ کوئی لمحہ خیالات سے خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ دعا کرو کہ جو فضول خیالات آرہے ہیں، جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یا اللہ! یہ خیالات بدل کر آپ کے ذکر اور آپ کی خشیت میں تبدیل ہوجائیں۔ جو خیال بھی آئے وہ یا تو آپ کا ہو یا آپ کی خشیت کا ہو، آپ کی یاد کا ہو۔ آپ کے سامنے حاضر ہونے کا ہو۔ آپ کی جنت کی نعمتوں کا ہو۔ دوزخ کے عذاب کا ہو اور آپ کے دین کے احکام کا خیال ہو۔ اور اے اللہ میرے دل کے خیالات اور میری خواہشات کا رُخ موڑ کر ان چیزوں کی طرف کردیجئے جو آپ کو پسند ہوں اور دل صرف اس چیز کی طرف مائل ہو جو آپ کو پسند ہو۔ (از اصلاحی خطبات)

لفظ "اللہ" کا ذکر نفسیاتی امراض کے لئے بہترین علاج

ہالینڈ کے ماہر نفسیات نے انکشاف کیا ہے کہ لفظ "اللہ" کا ذکر افسردگی اور ذہنی تناؤ کے شکار مریضوں کے لئے بہترین علاج ہے بلکہ انہیں دیگر نفسیاتی بیماریوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ ڈچ ماہر نفسیات وینڈر ہاون نے اپنی نئی دریافت میں اعلان کیا ہے کہ قرآن مجید کا مطالعہ اور لفظ "اللہ" کا بار بار دہرایا جانا مریض یا عام شخص ہر دو پر اثر کرتا ہے۔ ڈچ پروفیسر اپنے مطالعہ اور تحقیق سے گزشتہ تین سال سے مریضوں پر تجربے کررہے ہیں۔ ان میں بیشتر مریض غیر مسلم تھے جو عربی نہیں بول سکتے تھے۔ انہیں لفظ "اللہ" صاف طور پر بولنے کی تربیت دی گئی۔ ان کا غیر معمولی نتیجہ برآمد ہوا۔ خاص طور پر اُن مریضوں پر جو افسردگی اور تناؤ کا شکار تھے۔

سعودی روزنامہ الوطن نے لکھا ہے کہ مسلمان جو کہ عربی پڑھ سکتے ہیں اور قرآن مجید کا مطالعہ بلاناغہ کرتے ہیں وہ خود کو نفسیاتی بیماریوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ماہر نفسیات کے مطابق "اللہ" کا ہر حرف نفسیاتی امراض کے سدباب میں موثر ہے۔ اپنی تحقیق کی مزید وضاحت کرتے ہوئے وینڈر ہاون نے بتایا کہ لفظ "اللہ" کا پہلا حرف "الف" نظام تنفس سے خارج ہوتا ہے اور سانس کو کنٹرول رکھتا ہے۔ حرف "ل" کی ادائیگی کے لئے زبان کو معمولی سا تالو سے لگا کر تھوڑا توقف کرنے کے بعد اس عمل کو صحیح ادائیگی سے دہرانے اور سانس لینے کا عمل توقف سے جاری رکھنے سے تناؤ کو عافیت حاصل ہوگی۔ انہوں نے مزید کہا کہ لفظ "اللہ" کا آخری حرف "ہ" کی ادائیگی سے پھیپھڑے اور دل کا رابطہ ہوتا ہے اور بدلے میں یہ رابطہ دل کی دھڑکن کو کنٹرول کرتا ہے۔

(ضرب مومن، شمارہ نمبر ۴۰)

باب دہم



اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ

حقیقت میں میرا رب دُعا سننے والا ہے۔

سکون قلب مسنون دعاؤں کے آئینہ میں

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

سکونِ قلب کے لئے دعائیں

پوری انسانیت کے سب سے بڑے شفیق اور خیر خواہ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت مقدسہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے مومنین کے لئے رؤف ورحیم سید الاولین والاخرین، رحمۃ اللعالمین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس کے بارے میں اپنی تعلیمات سے نہ نوازا ہو۔ اسی طرح زندگی کے نشیب وفراز کے ہر موقع ومحل کے مناسبت ایسی مبارک دعاؤں کا مجموعہ بھی اُمت کے ہاتھوں دے گئے ہیں تاکہ ہر ہر موقع پر مخلوق کا خالق کے ساتھ رابطہ باضابطہ استوار رہے۔ انسانی زندگی سے پریشانی ختم ہو جائے تو سکون ہی سکون ہے۔

اسی سلسلہ میں ادعیہ مسنونہ میں سے چند خاص دعائیں مستند مجموعہ وظائف سے ذکر کی جاتی ہیں تاکہ عصر حاضر کی پریشان حال امت مسلمہ محبوب خدا کے الفاظ میں خدا سے اپنی حاجات و مشکلات سے مدد مانگے۔ ہمیں یقین ہے کہ جب محبوب کے تعلیم فرمودہ الفاظ میں خدا کو یاد کیا جائے تو اسی محبوب کے صدقہ محبوب کا امتی بھی نواز اجائے گا۔

سخت پریشانی کی دور کرنے کی دعا:

(۱)..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہب بن منبہ سے

پوچھا کہ (تم تو آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہو) کیا کسی کتاب میں کوئی ایسا تیر بہدف نسخہ تم کو ملا ہے کہ جس کو سخت پریشانی کے وقت استعمال کر کے فوری طور پر اس سے نجات حاصل کی جا سکے؟ تو وہب بن منبہ نے کہا، ہاں! ایک دعا ہے اور وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ یَامَنْ یَّمْلِکُ حَوَائِجَ السَّائِلِیْنَ وَیَعْلَمُ ضَمَائِرَ الصَّامِتِیْنَ فَاِنَّ لِکُلِّ مَسْئَلَۃٍ مِّنْکَ سَمْعًا حَاضِرًا وَّجَوَابًا عَتِیْدًا وَّلِکُلِّ صَامِتٍ مِّنْکَ عِلْمًا مُّحِیْطًا بَاطِنًا مَوَاعِیْدُکَ الصَّادِقَۃُ وَاَیَادِیْکَ الْفَاضِلَۃُ وَرَحْمَتُکَ الْوَاسِعَۃُ اَنْ تَفْعَلَ بِیْ

(یہاں اپنی حاجت کو الفاظ میں ذکر کرے یا دل دل میں اس کا تصور کرے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دعا مجھے خواب میں سکھائی گئی تھی مجھے معلوم نہ تھا کہ کسی اور کو بھی یہ دعا معلوم ہے۔

حل مشکلات کا بہترین وظیفہ:

(۲)..... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ مشکل میں یہ دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ لَاسَھْلَ اِلَّا مَاجَعَلْتَہٗ سَھْلًا وَّاَنْتَ تَجْعَلُ الْحَزْنَ اِذَا شِئْتَ سَھْلًا

"اے اللہ! کچھ آسان نہیں مگر جسے آپ آسان بنادیں۔ آپ غم کو جب چاہیں آسان بنادیں"

غم دور کرنے اور دل کو خوش وخرم رکھنے کے لئے:

(۳)..... آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت سورۃ یٰسین پڑھے گا وہ شام تک خوش و خرم رہے گا اور جو شخص اسے شام کے وقت پڑھے گا وہ صبح تک فرحت وخوشی میں رہے گا۔ ہمیں اس شخص نے خبر دی جس نے اس کا تجربہ کیا۔

سکونِ قلب کا مجرب نسخہ..... استغفار:

(۴)..... آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص استغفار کو پابندی سے پڑھے تو حق تعالیٰ اس کو ہر غم

سے نجات عطا فرماتا ہے۔ وہ استغفار یہ ہے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ تَعَالٰى رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

''میں مغفرت چاہتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ ہے اور قیوم ہے، اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔''

اور ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو غم اور تکلیف بہت گھیرے رہتا ہو تو اس کے لئے یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

جب کسی مصیبت، پریشانی یا حادثہ میں پھنس جائے:

(۵)......حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے علی! میں تم کو وہ دعا نہ سکھاؤں جب تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو پڑھو۔ میں نے کہا، خدا آپ پر فدا کرے، کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جب تم کسی حادثہ میں گرفتار ہو تو یہ پڑھو۔ خدا نے چاہا تو ہر قسم کی بلا دور ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

''شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے، نہیں کوئی قوت و طاقت سوائے اللہ کے جو بلند و عظیم الشان مرتبے والا ہے۔''

غم و رنج سے محفوظ رہنے کی دعا:

(۶)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو اس دعا کو پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے غم کو دور کر دے گا۔

اَللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اكْفِنِىْ كُلَّ مُهِمٍّ مِّنْ حَيْثُ شِئْتَ وَمِنْ اَيْنَ شِئْتَ

''اے ساتوں آسمان کے رب اور بزرگ عرش کے رب میری تمام پریشانیوں سے حفاظت فرما۔ جس طرح تو چاہے اور جہاں سے چاہے۔''

رنج و غم دور کرنے کی دعا:

(۷)......حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ دعا حضور پاک ﷺ نے تعلیم فرمائی اور حکم دیا جب کوئی رنج و غم پیش آئے تو یہ کلمات کہو:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْكَرِيْمُ الْعَظِيْمُ سُبْحَانَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

''کوئی معبود نہیں سوائے اس اللہ کے جو کریم و بزرگ ہے، پاک ہے وہ، بابرکت ہے وہ، وہ جو عرش کا رب ہے۔ حمد اللہ کے لئے جو تمام عالم کو پالنے والا ہے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک دعا:

(۸)......حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

جب کوئی پریشانی غالب ہو تو کیا پڑھے؟

(۹)......حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم پر کوئی معاملہ غالب آ جائے (پریشان بات ہو) تو کہو:

حَسْبِىَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

''کافی ہے میرے لئے اللہ اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

دل کی گھبراہٹ کو ختم کرنے والی دعا:

(۱۰)......حضرت میمونہ بن ابی عسیب فرماتی ہیں کہ قبیلہ بنو حرس کی ایک عورت اونٹ پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے دولت کدے پر آئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آواز دے کر کہنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ کی کسی دعا کے ذریعہ میری مدد کریں تاکہ میں (دل کی گھبراہٹ سے نجات پاکر) سکون و اطمینان حاصل کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اپنا ہاتھ اپنے دل (سینہ کے بائیں جانب) رکھ کر ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ دعا پڑھو:

بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ دَاوِنِىْ بِدَوَائِكَ وَاشْفِنِىْ بِشِفَائِكَ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ وَاحْذَرْ عَنِّىْ اَذَاكَ

وہ عورت فرماتی ہے کہ میں نے اس طرح دعا کی تو بڑی مفید ہوئی۔

ہر پریشانی سے نجات کے لئے دعا:

(۱۱)......مشہور بزرگ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تین مرتبہ اس دعا کا

دردکرے تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو دور فرمائے گا، خواہ وہ کسی بھی قسم کی کیوں نہ ہو؟ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ احْفَظْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ عَافِ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)

غمزدہ کے لئے مجرب دعا:

(۱۲)..... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا۔ غمزدہ کی دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ

''اے اللہ! آپ ہی کی رحمت سے امید رکھتا ہے، پس ہمیں اپنے نفس کے حوالہ آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی نہ فرما اور میرے تمام حال کو درست فرما۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

غم کے موقع کے لئے دعا:

حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہے کہ میں تم کو ایسی دعا نہ سکھاؤں جو تم غم کے موقعہ پر کہو۔

اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَآ اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا

''اللہ اللہ میرا رب ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔''

ایک اور موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا، جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو تم اس مذکورہ بالا دعا کو سات (۷) مرتبہ پڑھو۔

معمولاتِ اکابر:

(۱۴)..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ کو کوئی غم کی بات پیش آتی تو آپ یہ دعا فرماتے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ

''نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے جو بردبار بلند و بالا ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو بزرگ عرش کا رب ہے، نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو مکرم عرش کا رب ہے، نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو آسمانوں و زمین کا رب ہے اور عرش کا رب ہے۔''

جب وحشت محسوس کرے تو یہ پڑھے:

(۱۵)..... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی پاک ﷺ سے وحشت کی شکایت کی (یعنی دل میں سکون و اطمینان نہیں رہتا) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کثرت سے یہ پڑھا کرو۔ چنانچہ اس کے پڑھنے سے اس کی وحشت دور ہوگئی۔

سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْعِزَّۃِ وَالْجَبَرُوْتِ

''پاک ہے مقدس بادشاہ جو فرشتوں اور روح کا رب ہے۔ اس کی عزت و جبروت کی وجہ سے آسمان و زمین کی اہمیت ہوگئی۔''

غم و رنج سے محفوظ رہنے کی دعا:

(۱۶)..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص یہ دعا پڑھے گا غم و رنج سے محفوظ رہے گا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ وَّلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَبْقٰی وَیَفْنٰی کُلُّ شَیْءٍ

''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے ہر شے سے قبل ہے، نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے ہر شے کے بعد ہے، نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے وہ باقی رہے گا اور ہر چیز فنا ہوجائے گی۔''

غم و رنج دور کرنے کا عمل:

(۱۷)..... حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا، جو آیۃ الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری آیت غم و رنج کے موقعہ پر پڑھے گا، اللہ پاک اس کی اعانت فرمائے گا۔

رنج وغم اور فکر کے دور کرنے کی دعا:

(۱۸)...... حدیث شریف میں آیا ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

جوشخص پڑھا کرے اس کے لئے یہ ننانوے دکھ بیماریوں کی دعا ہے، جس میں سب سے ہلکی بیماری فکرو پریشانی ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

''اللہ کی مدد کے بغیر نہ تو کسی برائی سے بچنے کی طاقت ہے نہ کسی بھلائی کے حاصل کرنے کی قوت ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دعا یعنی ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کو میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا مطلب جانتے ہو کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ''گناہ سے پھرنے کی طاقت نہیں، مگر اللہ کی حفاظت سے اور اللہ کی عبادت کرنے کی قوت نہیں مگر اللہ کی مدد سے۔'' اور فرمایا کہ جو شخص ہمیشہ استغفار کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل کو آسان کردیتا ہے اور ہر غم کو دور کردیتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے کہ جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، سوڈان کے رہنے والے تھے اور شام میں مفتی تھے، موقوفاً روایت کرتے ہیں کہ جس نے پڑھا ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ اس سے ستر تکلیفوں کو دور کردیں گے، جن میں سب سے ادنیٰ تکلیف فقر کا دور ہونا ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے چار فوائد:

(۱۹)...... (فائدہ نمبر۱)...... یہ کلمہ ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' عرش کے نیچے جنت کا خزانہ ہے اور جنت کی چھت عرش الٰہی ہے۔ اس کے پڑھنے سے اعمال صالحہ کے اختیار کرنے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق ہونے لگتی ہے۔ اس معنی میں یہ جنت کا خزانہ ہے۔

(فائدہ نمبر۲)...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' ننانوے (دنیوی و اخروی) بیماریوں کی دوا ہے۔ جن میں سب سے ادنیٰ بیماری غم ہے۔ (چاہے دنیا کا ہو یا آخرت کا)۔

(فائدہ نمبر۳)...... جب بندہ اس کلمہ کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ عرش پر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرا بندہ فرماں بردار ہوگیا اور سرکشی چھوڑ دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تجھے ایسا کلمہ نہ بتادوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ وہ ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' ہے۔

یہ نعمت کیا کم ہے کہ بندہ زمین پر یہ کلمہ پڑھتا ہے اور حق تعالیٰ شانہ عرش پر فرشتوں کے مجمع میں اس کا شکر فرماتے ہیں۔

(فائدہ نمبر۴)...... شب معراج میں نبی کریم ﷺ کا گزر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا۔ آپ نے فرمایا، اے محمد ﷺ آپ اپنی امت کو حکم فرمادیں کہ وہ جنت کے باغوں کو بڑھالیں ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' سے۔

رات کی بے چینی اور نیند نہ آنے کی دعا:

(۲۰)...... بستر پر لیٹنے کے بعد اگر کسی کو نیند نہ آتی ہو اور بے خوابی کی وجہ سے طبیعت پریشان اور بے قرار ہو تو یہ دعا پڑھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور ہوجائے گی۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس شکایت پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ دعا سکھائی تھی۔ جب وہ پڑھنے لگے تو ان کی بے خوابی اور بے قراری دور ہوگئی۔

اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَهَدَاءَتِ الْعُيُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ لَاتَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ اَهْدِ لَيْلِيْ وَاَنِمْ عَيْنِيْ

''اے اللہ! ستارے چھپ گئے اور آنکھیں آرام لینے لگیں، تو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے، تجھ کو نیند اور اونگھ نہیں آتی، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور اے قائم رہنے اور سب کو قائم رکھنے والے، رات کو مجھے آرام دے اور میری آنکھ کو سلادے۔''

غم اور پریشانی دور کرنے کی ایک جامع دعا:

(۲۱)...... رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کسی شخص کو دکھ اور تکلیف پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کا دکھ دور فرمادیتے ہیں اور اس کی جگہ مسرت اور خوشی عنایت کردیتے ہیں۔

حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم یہ دعا یاد نہ کرلیں؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
کیوں نہیں، ہر سننے والے کو چاہئے کہ یہ دعا یاد کرلے۔

اَللّٰھُمَّ اَنَا عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ مَاضٍ فِیْ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِیْ قَضَاؤُکَ اَسْاَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ ھُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْ عَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَوِاسْتَاْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ نُوْرَ بَصَرِیْ وَرَبِیْعَ قَلْبِیْ وَجِلَاءَ حُزْنِیْ وَذَھَابَ ھَمِّیْ وَ.

"اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور بندی کا بیٹا، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا ہر حکم میرے لئے فیصلہ کن ہے۔ تیرا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے خود اپنے لئے پسند کیا ہے یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب کے خزانے میں محفوظ کر رکھا ہے کہ قرآن کو میرے دل کی بہار، سینے کا نور اور میرے دکھوں اور غموں کو دور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔"

صدقہ سے مصیبتوں کا دفعیہ ہوتا ہے:

(۴۲)..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ پروردگار کے غصہ کو بجھاتا ہے اور بری موت کو منع کرتا ہے۔ (ترمذی)

دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے محفوظ رہنے کے لئے صدقہ کرنا بھی بڑا اکسیر ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صدقہ اللہ پاک کے غصہ کو بجھاتا ہے۔ یعنی گناہوں کی وجہ سے جو دنیا و آخرت میں مصیبت اور بربادی لانے کا بندے نے سامان کرلیا تھا صدقہ کر کے اس سے اس کی حفاظت ہو جاتی ہے اور صدقہ گناہوں کا کفارہ بھی بن جاتا ہے۔ لہذا گناہ پر گرفت نہیں ہوتی اور اللہ پاک کی ناراضگی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ جو فرمایا کہ صدقہ بری موت کو دفع کرتا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ صدقہ کرنے والے مسلمان کی حالت موت کے وقت خراب نہیں ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت نہیں ہوتی اور منہ سے برے الفاظ نہیں نکلتے اور برے خاتمہ سے حفاظت ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن صدقہ حلال مال سے ہونا ضروری ہے۔

دوزخ کے عذاب سے بچانے میں بھی صدقہ کو بڑا دخل ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔ دوزخ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کر کے ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ دینے میں جلدی کرو، اس لئے کہ مصیبت اس کو پھاند کر نہیں آئے گی۔

تنگی کو فرحت میں بدلنے کی دعا:

(۴۳) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ آپ کو مندرجہ ذیل عمل بتاتا ہوں، اس پر مداومت کریں، انشاء اللہ ہر قسم کی مشکلات خواہ روزی اور رزق کی ہوں یا اعزہ واقرباء کے ستانے کی ہوں، حل ہوتی رہیں گی۔ اگر ممکن ہو تو آخر رات میں ورنہ بعد از مغرب یا بعد عشاء اور اگر رات کو ممکن نہ ہو تو دن ہی میں یہ عمل کرلیا کریں، لیکن ایسے وقت میں جبکہ نوافل جائز ہوں۔

چار رکعت بہ نیت رفع مصائب نازلہ وقضاء حاجات و مشکلات پڑھیں۔
اول رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۃ الانبیاء ۸۸،۸۷)

ایک سو مرتبہ۔ اور دوسری رکعت میں بعد از فاتحہ

رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

(ایک سو مرتبہ)۔ اور تیسری رکعت میں بعد از فاتحہ

اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔ (المؤمن۔۴۴)

(ایک سو مرتبہ)۔ اور چوتھی رکعت میں بعد از فاتحہ

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ

(ایک سو مرتبہ)۔ اور سلام پھیرنے کے بعد سو مرتبہ

رَبِّ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ

پڑھ کر دفع مشکلات (تکمیل) ارادہ کے لئے دل سے دعا مانگیں۔ انشاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ میں عمدہ نتائج ظاہر ہوں گے۔ سو کا عدد گننے کے لئے تسبیح ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ ہاتھ

باندھے نماز میں بھی شمار کر سکتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو جب کوئی رنج وغم پیش آتا تو آپ ﷺ یہ فرماتے۔

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ

''اے زندہ اور باقی رہنے والے، تیری رحمت سے میں استغاثہ کرتا ہوں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ کو جب کوئی رنج وغم پیش آتا تو آپ آسمان کی جانب نظر فرماتے اور یہ کہتے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

''پاک ہے خدائے بزرگ وبرتر۔''

دل کی شریانیں کھولنے کے لئے مجرب قرآنی عمل:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ (الحجر۔۹۷)

صبح وشام ایک ایک تسبیح اول وآخر درود شریف کے ساتھ، اس عمل سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوا ہے۔

دل کی تکلیف کے لئے مجرب عمل:

ہر نماز کے بعد اور جب بھی دل کی تکلیف ہو تو دل پر سیدھا ہاتھ رکھ کر یہ دعا بار بار پڑھے۔ (اول وآخر درود شریف)۔

یَاقَوِیُّ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ قَوِّنِیْ وَقَلْبِیْ

ماخذ سکونِ قلب

ماہنامہ محاسن اسلام	منہاج العابدین
مجالس مفتی اعظم	تبلیغ دین
علامات محبت	اولیاء اللہ کے اخلاق
ملفوظات عارفی	خطبات مجدد الف ثانی
دل کی دنیا	معارف شمس تبریز
فضائل ایمان	قوت القلوب
خطبات عارفی	معارف الحدیث
انفاس عیسیٰ	کشف المحجوب
دوائے دل	مجالس غزالی
خطبات خطیب	ہشت بہشت
اصلاحی خطبات	بخاری شریف
خطبات حکیم الامت	حاکم مستدرک
ملفوظات حکیم الامت	ترمذی شریف
خزینہ	مجمع الزوائد
خطبات فقیر	مسلم شریف
علمی کشکول	تفسیر ابن کثیر
احیاء العلوم	الاصابہ فی تمیز الصحابہ
کیمیائے سعادت	کلید بہشت

دل تجھ کو دیا حق نے تو حق اُس کا ادا کر
سب چھوڑ خیالات بس یادِ خدا کر
اللہ نے بخشے تجھے اعضاء پئے طاعت
کر ایک یہی کام نہ کچھ اس کے سوا کر
لب پہ ذکر اللہ کی تکرار ہو
دل میں ہر دم حق کا استحضار ہو
اس پہ تو کر لے اگر حاصل دوام
پھر تو بس کچھ دن میں بیڑا پار ہو
چاہے اطمینان اگر مجذوب تو
کر نہ کیفیات کی ہرگز ہوس
عقل و ایماں ہیں رفیق دائمی
آنی جانی اور سب چیزیں ہیں بس
ضربیں کسی کے نام کی دل پہ یوں ہی لگائے جا
گو نہ ملے جواب کچھ در یوں ہی کھٹکھٹائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں دَر اس پہ ہو کیوں تیری نظر
تُو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا
ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی
کامیابی تو کام سے ہوگی
نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی

(کشکولِ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)